انسان اور شیطان
محی الدین نواب

انسان اور شیطان

انسان کو شیطان بننے میں دیر نہیں لگتی جب کہ شیطان کا انسان بننا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

انسان کو شیطانیت کے راستے پر لے جانے والی شے دولت کی ہوس ہے۔ یہ ہوس جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ اپنے پرائے کی پہچان بھی بھول جاتا ہے۔

اس حسینہ کی داستان جو شمع محفل بننے کے بجائے چراغ خانہ بننا چاہتی تھی۔

معاشرے کے رستے ہوئے ناسوروں کی جراحت۔

حُسن بانو طلسم ہوشربا کی پری تو نہیں تھی لیکن اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ جو اسے ایک بار دیکھ لیتا تھا' دوسری بار دیکھنے کی ہوس ضرور رکھتا تھا۔ اس کا ذکر کرتے وقت اس کے دل سے آہ ضرور نکلتی تھی۔

منیر ہاشمی نے ایک آہ بھری۔ میں نے کہا۔ "اتنی سرد آہ نہ بھرو۔ مجھے زکام ہو جائے گا بھئی۔ تمہاری زندگی میں درجنوں لڑکیاں آئیں اور گئیں۔ تم انہیں سگریٹ کی طرح پھونکتے ہو پھر ٹوٹا رہ جائے تو پھینک دیتے ہو۔ تعجب ہے' آج ایک حسینہ کے لئے آہیں بھر رہے ہو۔"

وہ بولا۔ "یار کیا بتاؤں.......... وہ کیا چیز ہے۔ اس نے پہلی نظر میں ہوش اُڑا دیئے ہیں۔ الف لیلوی داستان میں ایک حُسن بانو تھی۔ اس کے عاشق بامراد کا نام منیر شامی تھا۔ آج سے میں منیر ہاشمی نہیں' منیر شامی ہوں۔ میں بھی بامراد رہنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ تم بے انتہا دولت مند ہو۔ اسے سونے میں تول کر حاصل کر سکتے ہو۔"

"آہ.........." اس نے پھر آہ بھری۔ "شادی کیسے کروں؟ پچھلے تین ماہ سے اسے تلاش کر رہا ہوں' پتا نہیں کہاں گم ہو گئی ہے۔"

"اخبارات اور ٹی وی میڈیا کے ذریعے اسے پکارو۔ بڑی سے بڑی آفر دو۔ تم تو مہنگی سے مہنگی مغرور حسیناؤں کو خرید لیتے ہو۔"

وہ بولا۔ "میں نے عشق کیا ہے۔ اس کی پبلسٹی نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں تم اسے چپ چاپ تلاش کرو۔ تمہاری جو بھی فیس ہوتی ہے' اس سے زیادہ دوں گا۔"

میں سی آئی اے کے ایک انسپکٹر سلیم نیازی کا بیٹا ہوں۔ میرے والد ایک محبت کرنے والے انسان تھے' انہوں نے سراغ رسانی میں بڑا نام کمایا تھا۔ مجھے اعلیٰ تعلیم دلائی

تھی۔ ایک کامیاب ایڈووکیٹ بنایا تھا۔ وکالت سے ہٹ کر میرے اندر جاسوسی کے جراثیم تھے جو والد صاحب سے ورثے میں ملے تھے۔ میں نے کہا۔ "یہ حُسن بانو کون ہے؟ اس کی کوئی تصویر دکھاؤ۔ اس کا حلیہ بتاؤ۔"

اس نے ایک فیشن میگزین میرے سامنے رکھا۔ اس کے سرورق پر دو حسینائیں مسکرا رہی تھیں۔ دونوں ہی غضب کی ماڈل تھیں۔ منیر ہاشمی نے ایک پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے حُسن بانو......... بولو! کیسی ہے؟"

بلاشبہ وہ حسین بھی تھی اور پُرکشش بھی' ملکوتی حُسن اور سنہری بالوں کے ساتھ اس کے مکھڑے پر تین عدد تل تھے جو اس کے حُسن کو مزید نکھار رہے تھے۔ دو تل دائیں اور بائیں رخساروں پر تھے اور تیسرا ٹھوڑی پر تھا۔ پہلی نظر میں وہ مصنوعی لگتے تھے لیکن وہ اتنے ہی اصلی تھے جتنی کہ وہ خود اصلی تھی۔

میگزین کے سرورق پر دونوں حسیناؤں نے فر کے کوٹ پہن رکھے تھے۔ انہوں نے ایسے ہی خوبصورت فر کے مختلف کوٹ کے سلسلے میں ہی ماڈلنگ کی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "تمہاری ملاقات اس سے کہاں ہوئی تھی؟"

"میں نے اسے پنڈی کے ایئرپورٹ کی عمارت کے باہر دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ وہ ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھی یا پھر باہر کسی سے لفٹ لینا چاہتی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میرا ہی انتظار کر رہی ہے۔ زندگی میں پہلی بار میں ایک حسینہ کے قریب جاتے ہوئے جھجک رہا تھا۔"

وہ ایک قد آور' وجیہہ اور پُرکشش جوان تھا۔ اجلے رنگ پر بھوری گھنی مونچھیں اس کی شخصیت کو نکھار دیتی تھیں۔ وہ جینز پر پھول دار شرٹ پہن کر دھوپ کا چشمہ لگا لیتا تو کئی لڑکیاں اس کی راہ میں دل رکھ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ خود میں نے کئی بار حسد سے سوچا تھا کہ میں اس سے کسی طرح کمتر نہیں ہوں۔ قد آور باڈی بلڈر ہوں۔ خوش لباس ہوں پھر یہ پریاں مجھے گلفام کیوں نہیں بناتی ہیں؟

گھوم پھر کر یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ دولت اسے خوب تر اور برتر بنا دیتی ہے۔ اس نے کہا۔ "یار نیازی! قدرت شاید مجھ سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ میں کسی عورت سے عشق کرنے کا تصور بھی نہیں کرتا تھا۔ اب بے اختیار اس کے لئے دیوانہ ہو رہا

ہوں۔ میں نے سوچا' اس سے لفٹ کیسے لی جائے۔ پاکستان میں یہی ایک مشکل ہے۔ لڑکی سے بولنے یا اسے چھیڑنے سے پہلے اس کی سینڈل پر نظر جاتی ہے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "لیکن اس کے قریب پہنچتے ہی وہ ہوا' جس کی توقع نہیں تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "ایسا کیا ہوگیا؟"

"جو سوچا' جو سمجھا' اس کے الٹ ہوا۔ اس نے مجھ سے لفٹ لی' مسکرا کے بولی۔

"ہائے! قریب آئے تو ہو کچھ بولنا بھی چاہو گے۔"

میں نے کہا۔ "اگر برا نہ مانو تو کہوں۔ تمہاری کشش کھینچ لائی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ تم برائی نہیں' تعریف کر رہے ہو۔"

"میرے پاس ہنڈا اکارڈ ہے۔ کہاں جانا چاہو گی۔"

"مجھے ہوٹل ریجنسی جانا ہے۔"

منیر ہاشمی کہہ رہا تھا۔ "وہ میرے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ہمارے درمیان اتنا کم فاصلہ تھا کہ میں اس کے بدن کی آنچ سے پگھل رہا تھا۔ راستے میں اس نے میرے بارے میں سوالات کئے۔ میں نے بھی اس کے بارے میں کچھ پوچھا۔ مجھے جو باتیں بتانی تھیں' وہ بتائیں' جو چھپانے کی تھیں' چھپالیں۔ اس نے بھی یہی کیا ہوگا۔ پہلی ملاقات میں محتاط رہنا پڑتا ہے۔ ہم ہوٹل ریجنسی پہنچ گئے۔ وہ اپنے سامان کے ساتھ کار سے اتر گئی۔ مجھے اپنا موبائل فون نمبر دیتے ہوئے کہا۔ "آج میں بہت مصروف ہوں۔ کل کسی وقت فون کر لینا۔"

میں نے پوچھا۔ "اچھا' تو تم نے دوسرے دن رابطہ کیا؟"

"رابطہ کیا کرتا۔ دل اتنا بے چین تھا کہ سیدھا ہوٹل پہنچ گیا۔ پتا چلا' وہ اسلام آباد گئی ہے۔ میں اسلام آباد پہنچا تو معلوم ہوا' وہ شمالی علاقہ جات کی طرف گئی ہے۔ اس نے مجھے وہاں بلایا تھا۔ میں کچے دھاگے سے بندھا اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اس نے ایک بنگلے کا پتا دیا تھا۔ میں نے وہاں پہنچ کر حیرت سے دیکھا۔ ہمارے ملک کے امیر ترین لوگوں نے وہاں ایک بستی بسائی ہے۔ اس بستی کا نام فریالی رکھا ہے۔"

میں پہلی بار منیر ہاشمی کی زبان سے سن رہا تھا کہ شمالی علاقہ جات جیسے پسماندہ علاقے میں ایک ماڈرن منی شہر آباد کیا گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ فریالی کے مہنگے کلب اور ہوٹلوں میں معزز شخصیات' جدید ترین مصنوعات' فیشن اور گلیمر کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔ فلم انڈسٹری اور شوبز کی زیادہ تر شخصیات' اداکارائیں اور ماڈلز اپنے حسن اور گلیمر کا جادو جگانے کے لئے یہاں آیا کرتی ہیں۔

لیکن وہاں کی امیر ترین عورتیں جس کی دیوانی تھیں' وہ وہاں کا "طلسم ہوش ربا" تھا۔

میں نے پوچھا۔ "یہ طلسم ہوش ربا کیا ہے؟"

"وہاں کا ایک حسن ساز ادارہ ہے۔ اسے بیوٹی پارلر کہہ سکتے ہیں۔ وہاں سے عورتیں اتنی حسین بن کر نکلتی ہیں کہ خود انہیں یقین نہیں آتا کہ وہ اتنی خوب صورت ہیں۔ پتا ہے' اس پارلر کی مالک کون تھی؟"

"کون تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"حسن بانو۔" منیر ہاشمی نے انکشاف کیا۔

"تم اسے "تھی" کہہ رہے ہو۔ کیا اب مالک نہیں ہے؟"

"مالک ہے لیکن موجود نہیں ہے۔ وہ گزرے ہوئے کل کی طرح کہیں چلی گئی ہے۔ اس کی پُراسرار گمشدگی مجھے طرح طرح کے وسوسوں میں ڈال رہی ہے۔"

"کیا اس کے اور بھی چاہنے والے تھے؟"

"ایک نہیں........ بے شمار تھے۔ جو اسے دیکھتا تھا' اس کی رال ٹپکنے لگتی تھی۔ میں نے دو ماہ تک اس کے ساتھ رنگین و سنگین لمحات گزارے پھر میں ایک ضروری کام سے اسلام آباد گیا۔ واپس آیا تو وہ فریالی میں نہیں تھی۔"

"تم نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے؟"

"میں بھلا کس رشتے سے رپورٹ درج کرا سکتا ہوں؟ میرے اور اس کے تعلقات کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کئے جائیں گے۔ میں پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ تم اپنے طور پر اسے تلاش کرو۔ میں تمہیں پانچ لاکھ روپے کا چیک دے رہا ہوں۔ تمہارے آنے جانے اور ہوٹلوں میں رہنے کا بل بھی ادا کرتا رہوں گا۔ تم کسی سے

نہیں کہو گے کہ اسے میرے لئے تلاش کر رہے ہو۔"

میں نے کہا۔ "جب ماڈل گرلز بہت زیادہ مشہور ہو جاتی ہیں تو امیر کبیر حضرات ان کی زیادہ سے زیادہ بولی لگاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کسی نے تم سے بھی زیادہ اس کی قیمت لگائی ہو اور وہ تمہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی گئی ہو۔"

"وہ جس کے ساتھ گئی ہوگی' میں اس کا سر توڑ دوں گا۔ تمہیں صرف اسے تلاش نہیں کرنا ہے' یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ اس کا دوسرا عاشق کون ہے؟"

اس نے ایک چیک پر پانچ لاکھ کی رقم لکھی۔ اس پر دستخط کئے پھر دو چیک مجھے دیتے ہوئے بولا۔ "مجھے امید ہے تم ایک ہفتے کے اندر اسے تلاش کرکے مجھے اس کے پاس پہنچاؤ گے۔ کامیابی کی صورت میں مزید پانچ لاکھ روپے تمہیں دوں گا۔ تم برسوں سے وکالت کر رہے ہو' تمہیں مجھ جیسا دیوانہ مؤکل نہیں ملا ہوگا۔ میں ایک ہفتے بعد ٹھیک آج ہی کے دن تمہارے پاس آؤں گا۔"

وہ مصافحہ کرکے چلا گیا۔ کچھ لوگ ماں کے پیٹ سے مقدر بنا کر پیدا ہوتے ہیں۔ منیر ہاشمی ایسا ہی مقدر والا تھا۔ خاندانی رئیس تھا اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لئے پتا نہیں یہاں سے یورپ اور امریکا تک کیا کرتا پھرتا تھا۔ وہ میرا کلاس فیلو تھا۔ جب ہم تعلیم سے فارغ ہو کر زندگی کے عملی میدان میں آئے تو اپنے اپنے پیشے کے مطابق ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔

کبھی کبھی ہماری ملاقات ہوتی تھی۔ اس کی شان و شوکت سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا کاروبار اوورسیز تک خوب پھیل رہا ہے اور وہ کروڑ پتی سے اب ارب پتی بنتا جا رہا ہے۔ مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ ایمانداری سے وکالت کرو گے تو کبھی دولت نہیں کما سکو گے۔ عدالت میں مجرموں کی حمایت میں لڑو گے۔ انہیں سزا سے بچاؤ گے تو وہ تمہیں لاکھوں روپے دیتے رہیں گے۔ کامیاب وکیل وہی ہوتا ہے جو قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر سیاہ کو سفید ثابت کر دیتا ہے۔

میرا ایمان یا ضمیر راضی نہیں ہوتا تھا اس لئے کم کما رہا تھا اور حلال کی روزی حاصل کرکے خوش رہتا تھا۔

☆------☆------☆

میں فریالی پہنچ گیا۔ وہ ایک نہایت ہی خوبصورت چھوٹا سا ٹاؤن تھا۔ وہاں جدید ڈیزائن کے شاندار بنگلے تعمیر کئے گئے تھے۔ کئی مہنگے کلبس اور ہوٹلز تھے۔ خوب صورت آڈیٹوریم اور بڑے بڑے دفاتر تھے۔ وہاں کی پولیس اور انتظامیہ الیکٹرونک انتظامیہ کے ساتھ چوبیس گھنٹے الرٹ رہتی تھی۔

ملکی اور غیر ملکی فیشن میگزین میں "طلسم ہوش ربا" کے بارے میں معلوماتی مضامین شائع ہوتے تھے۔ دولت مند کمسن لڑکیاں حُسن میں اضافہ کرنے 'کیٹ واک جیسی ادائیں سیکھنے اور گلیمر قائم رکھنے کے لئے یہاں تربیت حاصل کرتی تھیں۔ میں ایئر پورٹ سے سیدھا اس حُسن ساز ادارے میں آیا۔ کاؤنٹر پر ایک حسین لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے' وہ ادارہ حسینوں کی آماجگاہ تھا۔ وہاں کی ملازمائیں بھی حسین ہی ہوں گی۔ لڑکی نے مسکرا کر میرا استقبال کیا۔ "فرمایئے؟"

میں نے کہا۔ "میں یونیورسل ایڈورٹائزنگ کمپنی کا مالک ہوں۔ ماڈلنگ کے سلسلے میں زہرہ جمال سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرا نام عبید نیازی ہے۔"

لڑکی نے انٹر کام کے ذریعے رابطہ کیا پھر کہا۔ "میڈم! یونیورسل ایڈورٹائزنگ کمپنی کے مالک مسٹر عبید نیازی آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے دوسری طرف کی باتیں سنیں پھر انٹر کام کو آف کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اس کوریڈور میں جائیں۔ رائٹ ہینڈ پر ان کا آفس ہے۔"

میں شکریہ ادا کرکے کوریڈور میں آیا۔ دائیں طرف ایک دروازہ پر نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ میں نے دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ "کم ان.........."

میں دروازہ کھول کر اندر گیا۔ ایک باوقار معمر خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود حسینہ عالم بننے کی کوشش کر چکی تھی۔ اس نے یقیناً پلاسٹک سرجری کے ذریعے چہرے کی جھریوں پر قابو پانے کی کوشش کی ہوگی اور اس میں خاصی کامیاب رہی تھی۔

اس نے مسکرا کر مصافحہ کیا پھر کہا۔ "تشریف رکھیے۔"

میں نے بیٹھتے ہوئے چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ وہاں تین حسیناؤں کے مختلف رنگین پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ وہ تینوں حسینائیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ اپنا جواب

آپ تھیں۔ میں نے کہا۔ "موجودہ ماڈلز میں حُسن بانو نمبرون ہے۔ یہاں اس کی تصویر نہیں ہے؟"

اس نے کہا۔ "اس میں شک نہیں کہ حُسن اور اسٹائل میں اس کے آگے کسی کا چراغ نہیں جلتا لیکن یہ تینوں بھی اس سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ آپ کس آئیٹم کی پبلسٹی چاہتے ہیں؟"

"کاسمیٹکس کے لئے.......... آج کل مارکیٹ میں نئے نئے شیمپو آرہے ہیں۔ مجھے بھی شیمپو کے ایڈ کے لئے حُسن بانو کی تلاش ہے۔"

زہرہ جمال نے ایک پوسٹر کی طرف اشارہ کیا۔ "اسے دیکھیں۔ اس کا نام سلیقہ ہے۔ اس کے بال گھٹنوں تک لانبے ہیں۔ ایسے چمکیلے اور ملائم ہیں کہ نگاہوں کے سامنے خوابوں کی طرح لہراتے ہیں۔ شیمپو کے ایڈ کے لئے یہ بالکل پرفیکٹ ہے۔ آپ اس کے البم دیکھیں۔"

اس نے ایک بڑی سی البم میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ بڑی غضب کی سیکس سے بھرپور تصاویر تھیں۔ ہر تصویر پکارتی تھی' آؤ میں تمہارے لئے پیدا ہوئی ہوں۔

کاش میں دولت مند ہوتا تو ان میں سے کوئی ایک میرے نام ہوجاتی لیکن یہ صرف پندرہ منٹ کے ایڈ کے لئے بیس پچیس لاکھ روپے لیتی تھیں۔ میں خود کو بیچ دیتا' تب بھی ان کے پندرہ منٹ کا معاوضہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔

زہرہ جمال تینوں کی البم دکھا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "شوبز اور ایڈز کی دنیا میں یہ تینوں پہلی' دوسری اور تیسری پوزیشن پر ہیں۔ آپ ان میں سے کسی کو ڈن کرلیں۔"

وہ کمبخت نہیں سمجھ رہی تھی کہ میں حُسن بانو کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا۔ "نیا شیمپو مارکیٹ میں لانے والی پارٹی بہت تگڑی ہے۔ انہوں نے اس کی پبلسٹی کے لئے دس کروڑ روپے کا بجٹ رکھا ہے اور ان کی ضد ہے کہ حُسن بانو کو ماڈل کے طور پر پیش کیا جائے۔"

وہ بولی۔ "سوری۔ وہ مارکیٹ سے آؤٹ ہے۔ کتنے ہی ایڈورٹائزنگ ایجنسی والے آتے ہیں۔ اسے پوچھتے ہیں' وہ نہیں ملتی تو ہماری ان تین ماڈلز میں سے کسی ایک سے

ایگری منٹ سائن کرتے ہیں۔ آپ پورے ملک میں گھوم لیں۔ ان تین ماڈلز سے بہتر کوئی نہیں ملے گی۔"

"آپ مجھے حُسن بانو کا پتا اور فون نمبر دیں۔ میں اسے اپنے ایڈ کے لئے راضی کرلوں گا۔ اسے منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔"

وہ بولی۔ "کیا آپ ان ماڈلز کی اونچی اڑان کو نہیں سمجھتے ہیں جب بھی کوئی انہیں کوٹھی' کار اور لاکھوں کروڑوں روپے کا بینک بیلنس پیش کرتا ہے' یہ مارکیٹ سے اچانک غائب ہوجاتی ہیں۔ جب عیاش حضرات کا دل بھر جاتا ہے یا کوئی دوسرا ان سے اونچی آفر دیتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں یا مارکیٹ میں پھر ماڈل کی حیثیت سے واپس آجاتی ہیں۔ آپ حُسن بانو کو بھول جائیں۔ پتا نہیں وہ کتنے ماہ و سالوں بعد مارکیٹ میں واپس آئے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "میں شیمپو والی پارٹی کو قائل کروں گا کہ وہ حُسن بانو کو بھول جائیں اور سلیقہ کو اپنے شیمپو کے لئے سائن کریں۔ کیا آپ سلیقہ کا نام اور پتا دیں گی؟"

اس نے سلیقہ کا وزیٹنگ کارڈ دیا۔ میں نے کہا۔ "حُسن بانو اچانک کہیں چلی گئی ہے۔ کیا ضروری ہے کہ اس نے کسی سے اونچا سودا کیا ہے کیا اسے کوئی حادثہ پیش نہیں آسکتا؟ کیا اسے کوئی اغوا نہیں کرسکتا؟ قتل نہیں کرسکتا؟"

"ہونے کو بہت کچھ ہوسکتا ہے اور شوبز کی حسین لڑکیوں کے ساتھ ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ زیادہ عرصے کی بات نہیں ہے۔ فلم اسٹار نادرہ کو قتل کردیا گیا۔ عندلیب کے چہرے پر تیزاب پھینکا گیا۔ کراچی کی ایک ماڈل سے اجتماعی زیادتی کرکے اسے قتل کردیا گیا۔ ان حسیناؤں کے امیر کبیر عاشق جب ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں تو انتقاماً ان حسیناؤں کو قتل کردیتے ہیں یا پھر ان کے چہرے بگاڑ دیتے ہیں۔"

میں نے تائید میں سرہلایا۔ "بے شک۔ ماڈلز کی زندگیاں جس قدر مال و دولت اور عیش و عشرت سے گزرتی ہیں' ان کا انجام اتنا ہی بھیانک ہوتا ہے۔"

میں زہرہ جمال سے مصافحہ کرکے وہاں سے چلا آیا۔ اپنی رینٹنڈ کار میں سوچنے لگا۔ یہ بھی تو ہوتا ہے کہ بہت زیادہ عروج پر پہنچنے والی ماڈل کو ایجنسی والے نیچے گرانے کے کئی

ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی جگہ اپنی پسند کی ماڈلز لانے کے لئے اس اونچی اڑان والی کو کہیں غائب کرا دیتے ہیں یا اسے نشے کا عادی بنا کر اس کے حُسن اور گلیمر کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

میں نے موبائل فون کے نمبر پنچ کئے۔ رابطہ ہونے پر دوسری طرف سے ایک رس بھری آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔ کون..........؟"

میں نے کہا۔ "میں تمہارا کوئی لگتا ہوں۔ آواز سے پہچان سکتی ہو تو پہچان لو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ہائے نیازی! کہاں ہو تم؟"

"تمہارے قریب چلا آیا ہوں۔ فریالی میں ہوں۔"

وہ خوشی چیخ کر بولی۔ "کیا سچ کہہ رہے ہو؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ تمہارے جیسا کنگال ایڈووکیٹ اس مہنگے شہر میں کیا میرے لئے آیا ہے؟"

"یہی سوچ کر خوش ہوجاؤ کہ تمہارے لئے آیا ہوں اور ہاں مجھے کنگال نہ کہنا۔ میرے پاس ایک موبائل فون اور ایک رینٹنڈ کار ہے اور بینک میں لاکھوں روپے ہیں۔ اب تمہارا باپ ہماری دوستی پر اعتراض نہیں کرے گا۔"

"پلیز' میرے ڈیڈی کو غلط نہ سمجھو۔ ہر باپ اپنی بیٹی کا مستقبل شاندار دیکھنا چاہتا ہے۔ گھر آؤ۔ ڈیڈی کو مطمئن کرو کہ تم کنگال نہیں رہے۔ بڑے مہنگے مقدمات لڑنے لگے ہو۔"

"میں نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور تم خود ہی سمجھ رہی ہو کہ میری زندگی میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے آئی ہے؟"

"میں تمہیں خوب سمجھتی ہوں۔ بزدل ہو' لاکھوں روپے کمانے کے لئے کوئی غلط مقدمہ نہیں لڑو گے اور نہ ہی کوئی غیر قانونی ذریعہ آمدنی قبول کرو گے۔ یہ بتاؤ کب آرہے ہو؟"

"ابھی آجاؤں؟"

"نیک کام میں دیر نہ کرو' چلے آؤ۔"

اس نے اپنے بنگلے کا پتہ بتایا۔ میں نے فون بند کیا۔ کار اسٹارٹ کی اور کوچہ جاناں کی طرف چل پڑا۔ اس کا نام اریبہ تھا۔ خوبصورت اور اسمارٹ تھی۔ سماجی سرگرمیوں میں

حصہ لیا کرتی تھی۔ منشیات کے خلاف "آزاد تنظیم" کی ایک اہم کارکن تھی۔ اس آزاد تنظیم کا سربراہ جلال الدین آزاد تھا۔ وہاں کے شمالی علاقوں کا ہردلعزیز لیڈر تھا۔ مرد' عورتیں' بوڑھے اور بچے سب ہی اس کی عزت کرتے تھے اور اس کی انسان دوستی کی تعریفیں کرتے تھے۔

وہ تعریف کے قابل تھا۔ شمالی علاقہ جات میں منشیات کے پھیلاؤ کو روکنے کی جدوجہد میں دن رات مصروف رہتا تھا۔ اریبہ اس تنظیم کے لئے پمفلٹ اور پوسٹر شائع کراتی تھی۔ لوگ انہیں پڑھ کر متاثر ہوتے تھے۔ اپنے بچوں اور جوانوں کو نشے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جلال الدین آزاد' اریبہ سے خوش رہتا تھا۔ پولیس اور انتظامیہ سے ہونے والی اہم میٹنگ میں اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ یہی بات مجھے ناگوار گزرتی تھی۔

میں نے اریبہ سے ملتے ہی پوچھا۔ "آزاد سے دوستی کس مرحلے پر ہے؟"

وہ گھور کر بولی۔ "تم بہت شکی ہو۔ وہ میرے ڈیڈی کی عمر کے برابر ہیں۔"

"کیا وہ تمہیں بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ اس تنظیم میں کوئی کسی کا رشتے دار نہیں ہے۔ ہم سب مل کر نئی نسل کو نشے کی لعنت سے نجات دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں نے سنا ہے تم سب ہیروئن کے خلاف سخت تحریک چلاتے ہو لیکن وہی ایک نشہ نہیں ہے۔ فریالی جیسے ماڈرن شہر کے کلبوں اور ہوٹلوں میں شراب پانی کی طرح بہتی ہے اور بھی کئی طرح کے نشے ہیں۔ کیا ان اونچی جگہوں پر کبھی چھاپے مارے جاتے ہیں؟"

"جلال الدین آزاد صاحب بڑے وسیع ذرائع رکھتے ہیں۔ پولیس ان کی ایک کال پر چلی آتی ہے۔ وہ دو بار اچانک دو کلبوں اور ہوٹلوں پر چھاپا مار چکے ہیں۔ وہاں سے نشے کی کوئی چیز کبھی برآمد نہیں ہوئی۔ تم اتنے دنوں بعد ملنے آئے ہو۔ اپنی باتیں کرو اور یہ بتاؤ لکھ پتی کیسے بن گئے؟"

"میرے ساتھ تعاون کرو گی تو مزید لکھ پتی بن جاؤں گا۔ اگر مقصد میں کامیاب رہا تو میرا کلائنٹ مجھے مزید پانچ لاکھ روپے دے گا۔"

"تم نے ایسا کون سا کیس ہاتھ میں لے لیا؟"

"ایک حسینہ کو تلاش کرنا ہے۔ میرا خیال ہے' تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔"

"کون ہے وہ؟"

"حُسن بانو۔ نمبرون ماڈل........."

"او گاڈ! ہم آج کے مذاکرات میں اسے مدعو کرنا چاہتے تھے۔ آج رات آڈیٹوریم میں فیشن شو ہے۔ وہاں ہم نے منشیات کے خلاف جگہ جگہ پوسٹر لگائے ہیں۔ آج کے مذاکرات کا موضوع ہے۔ "نشہ حُسن میں ہے' شراب میں نہیں۔"

"دلچسپ موضوع ہے۔ ہاں تو تم لوگوں نے حُسن بانو کو بھی مدعو کیا ہے؟"

"کرنا چاہتے تھے۔ پتا چلا کہ وہ پچھلے دو ماہ سے لاپتا ہے۔"

"کیا اس کے لاپتا ہونے پر کسی کو تشویش نہیں ہے؟"

"شوبز کی حسیناؤں کے بارے میں فرض کرلیا جاتا ہے کہ وہ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ یورپ امریکا کے لمبے دورے پر گئی ہیں۔"

"تم اس کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟"

"میں تو نہیں' البتہ سلیقہ بہت کچھ جانتی ہے۔ وہ آج کل نمبرون ماڈل ہے۔"

"تم سلیقہ سے میری ملاقات کرا سکتی ہو؟"

"آج آڈیٹوریم میں آؤ۔ میں اس سے ملاقات کرانے کی کوشش کروں گی حالانکہ میری اچھی سہیلی ہے لیکن بہت مصروف رہتی ہے۔"

میں اریبہ کے ساتھ شام تک اس کے بنگلے میں رہا۔ اس کا باپ رات کو ہونے والے فیشن شو کے انتظامات کے سلسلے میں مصروف تھا۔ اس کا نام ظہیر اکبر تھا۔ وہ فرکوٹ تیار کرنے والی کمپنی میں فیکٹری منیجر تھا۔ میں چاہتا تھا' وہ میرا موجودہ حلیہ دیکھ کر یقین کرلے کہ میں لاکھوں کما رہا ہوں اور آئندہ اس کا داماد بننے کے قابل ہوگیا ہوں۔

ملک کے تمام بڑے شہروں سے دولت مند حضرات اس فیشن شو میں حسیناؤں کا میلہ دیکھنے آرہے تھے۔ ہوٹل اور کرائے پر دستیاب ہونے والے تمام کاٹیج ریزرو ہوچکے تھے۔ رات کو آڈیٹوریم میں اریبہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا۔ "آج رات گزارنے کے لئے جگہ نہیں ہے۔ یا تو کار میں سونا ہوگا یا پھر تمہارے بیڈ روم میں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ ڈیڈی نے تمہیں دیکھ لیا تو گولی مار دیں گے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

میں اس کے ساتھ آڈیٹوریم کے ان کمروں میں گیا جہاں درجنوں حسینائیں' نت نئے ڈیزائن کے ملبوسات پہن کر میک اپ کروا رہی تھیں۔ سلیقہ بھی ایک کمرے میں اپنے حُسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔ اریبہ نے میرا تعارف کرایا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں فوراً اپنے مطلب پر آگیا۔ میں نے پوچھا۔ "حُسن بانو کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟"

وہ بولی۔ "میرا خیال ہے آج آپ زہرہ جمال کے پاس گئے تھے۔ اس سے بھی حُسن بانو کے بارے میں پوچھتے رہے ہیں۔"

"ہاں مگر کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔"

"آپ کون سی خاص بات معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

اریبہ نے کہا۔ "سلیقہ! میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ یہ میرے مستقبل کے لائف پارٹنر ہیں۔ ایک شخص حُسن بانو کو تلاش کرنے کے سلسلے میں نیازی کو دس لاکھ روپے دے رہا ہے۔ پانچ لاکھ دے چکا ہے۔ تمہارے تعاون سے باقی پانچ لاکھ بھی مل سکتے ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد بولی۔ "وہ فی الحال کہیں نہیں ملے گی۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ اپنے نئے عاشق کے ساتھ کہاں گئی ہے؟"

میں نے کہا۔ "اس کے نئے عاشق کا نام اور پتہ بتا دو۔"

اس نے جھجکتے ہوئے اریبہ کو دیکھا پھر مجھ سے کہا۔ "ابھی تو نہیں بتا سکوں گی۔ شاید کل صبح بتا سکوں۔"

"ابھی کیا مجبوری ہے؟"

"میں اس شخص کا نام اور پتا ٹھکانا نہیں جانتی۔ شاید زہرہ جمال یا سیٹھ حامد خان جانتے ہیں۔ میں انہیں کریدنے کی کوشش کروں گی۔"

میں نے کہا۔ "کیا یہ درست ہے کہ حُسن بانو کے مارکیٹ سے آؤٹ ہوتے ہی تمہاری مارکیٹ ویلیو بڑھ گئی ہے۔ تم پہلے سے دوگنا معاوضہ وصول رہی ہو۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ میں حُسن بانو کی موجودگی میں بھی اس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ اس کے برابر معاوضہ وصول کیا کرتی تھی۔" وہ اٹھ

کر کھڑی ہوگئی۔ "ایکس کیوزمی۔ مجھے اسٹیج پر جانا ہے۔"

میں اریبہ کے ساتھ اس کمرے سے باہر آگیا۔ اس سے بولا۔ "تم نے دیکھا' اس کا موڈ ایک دم سے بدل گیا تھا۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ حُسن بانو کی غیر موجودگی کے باعث اس کی مارکیٹ ویلیو بڑھ گئی ہے۔"

"ایک عورت کو دوسری عورت سے کمتر کہو گے تو وہ تو ضرور برا مانے گی۔"

"اریبہ! میں یقین سے کہتا ہوں یہ حُسن بانو کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔ ہم سے چھپا رہی ہے۔ آئندہ بھی ہمیں ٹال دے گی۔"

ہم آڈیٹوریم میں آئے۔ وہاں اس موضوع پر تقریر ہو رہی تھی کہ نشہ حُسن میں ہے' شراب میں نہیں.......... اکثریت اس بات کی حامی تھی کہ حُسن میں زیادہ نشہ ہوتا ہے اور پینے والے کہہ رہے تھے' حسینہ اپنے ہاتھوں سے جام بھر کے پلائے تو اس کا حُسن دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

اریبہ نے جلال الدین آزاد سے تعارف کرایا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر کہا۔ "تم خوش نصیب ہو کہ اریبہ جیسی ذہین اور قابل لڑکی تمہاری دیوانی ہے۔ یہ اکثر تمہارا ذکر کرتی رہتی ہے۔ میری نظروں میں تمہاری سب سے زیادہ تعریف یہ ہے کہ تم نشہ نہیں کرتے ہو۔"

میرا دھیان مذاکرات کی طرف تھا۔ ہر تقریر کرنے والا کسی نہ کسی حوالے سے حُسن بانو کا ذکر کر رہا تھا اور اس بات پر زور دے رہا تھا کہ حُسن بانو سر سے پاؤں تک شراب کی بوتل ہے۔ اسے دیکھنے سے نشہ ہونے لگتا ہے۔ ایسی ماڈل کو روپوش نہیں ہونا چاہئے۔ لاکھوں نگاہوں کی آسودگی کے لئے اسے اسکرین پر آنا چاہئے۔

کمپیئر کہہ رہا تھا۔ "ہمیں روزانہ لاکھوں خطوط موصول ہوتے ہیں۔ ٹیلی فون اور ای میل کے ذریعے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ حُسن بانو کو جلد سے جلد اسکرین پر پیش کیا جائے۔ کم از کم کسی فیشن میگزین میں اس کی تصویریں شائع کی جائیں۔"

اناؤنسر نے کہا۔ "معزز حاضرین! حُسن بانو جیسی حسینہ کی یہ بھی ایک ادا ہے کہ روپوش ہو کر آپ سے آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔ ایک دن اچانک سامنے آئے گی تو آپ دل تھام کر رہ جائیں گے۔ یہاں ملکی اور غیر ملکی مصنوعات کے صنعت کار اور ان کے

نمائندے موجود ہیں۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ طویل غیر حاضری کے بعد ان کی مصنوعات کے کسی ایڈ میں ادائیں دکھائے گی تو آپ کے کسی خاص آئٹم کو کتنی مقبولیت حاصل ہوگی؟ کاروباری دنیا میں ڈیمانڈ اور سپلائی کی اہمیت ہے۔ وہ آتے ہی آپ کی مصنوعات کی ڈیمانڈ بڑھادے گی.........."

میں نے آڈیٹوریم سے باہر آکر جلال الدین آزاد سے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے' نشہ حُسن میں ہے یا شراب میں؟"

جلال الدین آزاد نے مسکرا کر اریبہ کو دیکھا پھر کہا۔ "حُسن کا نشہ دل میں گھر کرتا ہے۔ شراب کا نشہ گھر برباد کرتا ہے۔ ایک کم عقل بھی حُسن کے نشے کو ترجیح دے گا۔"

وہ مجھے اور اریبہ کو کار تک رخصت کرنے آیا تھا۔ وہ شمالی علاقہ جات میں بہت مشہور اور مقبول تھا۔ اریبہ نے کہا۔ "آپ شہرت کی بلندیوں پر ہیں۔ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ آپ مجھے رخصت کرنے یہاں تک آئے ہیں۔ مجھے فخر حاصل ہو رہا ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میری شخصیت اور اہمیت تم سب لوگوں کی مرہون منت ہے۔ تم ہی لوگوں نے اپنی محبت اور عقیدت سے مجھے بلندی پر پہنچایا ہے۔ اب زیادہ نہ بولو۔ اپنے نیازی کے ساتھ جاؤ اور انجوائے کرو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

میں نے اس سے مصافحہ کیا پھر کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اسی وقت سلیقہ نظر آئی۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اپنی کار کی طرف جا رہی تھی۔ جلال الدین آزاد نے پوچھا۔ "خیریت تو ہے؟ تم فیشن شو چھوڑ کر جا رہی ہو؟"

"کیا بتاؤں آزاد صاحب! ابھی فون آیا ہے۔ سیٹھ صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔"

وہ کار اسٹارٹ کرکے تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے چلی گئی۔ جلال الدین آزاد نے ہماری طرف پلٹ کر کہا۔ "یہ ہوتے ہیں ان ماڈلز کے نخرے۔ کسی نے فون پر بہت بڑی آفر دی ہوگی۔ یہ فیشن شو کی اہمیت بھول کر چلی گئی۔ ایسے ہی فیشن شوز کے ذریعے یہ عروج پر پہنچ رہی ہے۔"

میں نے اسے خدا حافظ کہہ کر کار اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا کر آڈیٹوریم کے احاطے سے باہر آگیا۔ مین روڈ پر کار ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ "ان لمحات میں میرے اندر

میرے والد کی جاسوس روح پھڑک رہی ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں' وہ اچانک فیشن شو چھوڑ کر کہاں گئی ہے؟"

میں تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس چھوٹے سے ٹاؤن میں کسی کا تعاقب کرنا آسان تھا۔ ٹریفک برائے نام تھا۔ آگے جاکر اس کی کار نظر آگئی۔ وہ گلبرگ کالونی کی طرف مڑ رہی تھی۔ اس کالونی میں کروڑ پتی اور ارب پتی لوگوں کی شاندار کوٹھیاں تھیں۔ میں نے اریبہ سے پوچھا۔ "کیا تم اندازہ کر سکتی ہو' یہ کہاں جا رہی ہے؟"

وہ بولی۔ "اس کی کوٹھی ساتویں اسٹریٹ میں ہے اور یہ گیارہویں اسٹریٹ میں جا رہی ہے۔ اس اسٹریٹ کی آخری کوٹھی سیٹھ حامد کی ہے۔"

اس کی کار اس آخری کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو چکی تھی۔ اریبہ نے کہا۔ "وہ حامد خان کی داشتہ ہے۔ اپنے یار کے پاس گئی ہے۔ تم وہاں جاکر کیا کرو گے؟"

میں نے کہا۔ "وہ تو ہر رات وہاں جاتی ہوگی لیکن آج کوئی خاص بات ہے۔ ایک ماڈل کے لئے فیشن شو بہت اہم ہوتا ہے۔ وہ ایسے اہم شو کو چھوڑ کر آئی ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے' ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔"

ہماری کار اس کوٹھی کے مین گیٹ پر آکر رکی۔ گن مین نے جھک کر کار کے اندر اریبہ کو دیکھا۔ اسے سلام کیا۔ وہ بولی۔ "سیٹھ صاحب نے فون کیا تھا۔ ان کی طبیعت خراب ہے' دروازہ کھولو۔"

اس نے آہنی دروازہ کھولا۔ میں گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا' احاطے کے اندر سے گزرتا ہوا پورچ میں آکر رک گیا۔ ہم نے کار سے اتر کر کوٹھی کے دروازے کو کھولا۔ وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ سلیقہ تھوڑی دیر پہلے وہاں سے گزر کر گئی ہوگی اس لئے دروازہ کھلا ہوا تھا۔

ہم اندر آئے۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے ایک دروازہ کھول کر بڑے سے ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ ایک عمر رسیدہ شخص صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے سینٹر ٹیبل پر شراب کی بوتل اور ایک بھرا ہوا جام رکھا ہوا تھا۔ اریبہ نے سرگوشی میں کہا۔ "یہ سیٹھ حامد خان ہے۔"

اس کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ نشہ اس پر غالب آرہا ہے۔ اس نے آنکھیں

پھاڑ پھاڑ کر ہم دونوں کو دیکھا پھر کہا۔ "او.......... اریبہ.......... تم ہو.......... آؤ.......... ابھی سلیقہ آئی ہے۔ بیڈ روم میں.......... میں.........."

اس کی زبان نشے کے باعث لڑکھڑا رہی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے بولتے بولتے چپ ہوگیا اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ ہم تیزی سے چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔ اس کی سانسیں چل رہی تھیں۔ نبض اور دل کی دھڑکن نارمل تھی۔ وہ نشے کی زیادتی کے باعث خود سے غافل ہوگیا تھا۔

میں نے زیرلب کہا۔ "سلیقہ سیٹھ حامد خان کے لئے یہاں آئی ہے پھر اسے ایسی حالت میں چھوڑ کر بیڈ روم میں کیوں گئی ہے؟"

"میں اسے جاکر دیکھتی ہوں۔"

وہ ادھر جانا چاہتی تھی۔ ایسے وقت میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ رک گئی۔ سلیقہ گھنٹی کی آواز سن کر آسکتی تھی لیکن وہ نہیں آئی۔ میں نے اریبہ سے کہا۔ "تم اٹینڈ کرو اور خود کو سلیقہ ظاہر کرو۔"

اس نے فون کے پاس آکر ریسیور اٹھایا۔ اسے کان سے لگایا۔ میں بھی اریبہ کے کان سے لگ گیا۔ دوسری طرف سے ایک بچے کے رونے اور پکارنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "ممی.......... ممی! تم کہاں ہو ممی! مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔"

اریبہ نے پریشان ہوکر مجھے دیکھا۔ بڑے جذبات سے ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔ لڑکیاں کنواری ہوں' تب بھی ان کے اندر ممتا چھپی رہتی ہے۔ وہ ممتا بھرے لہجے میں بولی۔ "بیٹے! تم کہاں ہو؟ مجھے وہاں کا پتا بتاؤ؟"

"میں نہیں جانتا کہاں ہوں۔ کھڑکیاں اور دروازے سب بند ہیں۔ مجھے بندوق دکھانے والا سوگیا ہے۔ جلدی آؤ ممی! یہ جاگ جائے گا۔"

"بیٹے! حوصلہ کرو۔ تمہیں یہ فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"یہاں ایک کاغذ پر دو ٹیلی فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔"

میں نے کہا۔ "دونوں نمبر جلدی سے بتاؤ۔"

وہ بتانے لگا۔ میں نے وہ نمبر نوٹ کر لئے اریبہ نے پوچھا۔ "بیٹے! تمہاری عمر کیا ہے؟"

"تم میری ممی نہیں ہو۔ یہ میری ممی کی آواز نہیں ہے۔ میری ممی کو بلاؤ۔"

"بیٹے! ہم نے سی ایل آئی میں تمہارا.......... فون نمبر دیکھ لیا ہے۔ ہم ابھی پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تمہاری ممی کو ساتھ لائیں گے۔ تم بہادر بچے ہو' تمہیں رونا نہیں چاہئے۔"

اریبہ نے مجھ سے کہا۔ "ان میں سے ایک نمبر اسی فون کا ہے اور دوسرا نمبر سلیقہ کے بنگلے کا ہے۔ یہ دونوں فون نمبر میری ڈائری میں لکھے ہوئے ہیں۔"

"پھر تو سلیقہ اس بچے کو ضرور جانتی ہے اور اس سے فون پر رابطہ رکھتی ہے۔ ہم ابھی اس سے معلوم کرلیتے ہیں۔"

اریبہ نے ریسیور کو کریڈل پر رکھا۔ ہم تیزی سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکل کر ایک ٹی وی لاؤنج میں آئے۔ اریبہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ فرش پر سلیقہ کی خون آلود لاش پڑی ہوئی تھی۔ میں نے حاضر دماغی سے کام لے کر کہا۔ "اریبہ! یہاں کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ ہمیں فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہئے۔"

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ روم سے باہر لے آیا۔ دروازے کو پہلے کی طرح بند کردیا۔ ایک رومال سے دروازے کے ہینڈل کو صاف کیا پھر ہم ڈرائنگ روم میں آگئے۔

سیٹھ حامد خان اسی طرح مدہوش پڑا ہوا تھا۔ اریبہ اسے جھنجوڑ کر کہنے لگی۔ "خان صاحب! اٹھو.......... یہاں قیامت آگئی ہے۔ کسی نے سلیقہ کو قتل کر دیا ہے۔ خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔"

میں نے ریسیور اٹھا کر پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ "میرا نام عبید نیازی ہے۔ میں ایک ایڈووکیٹ ہوں۔ یہاں سیٹھ حامد کے بنگلے میں مشہور ماڈل سلیقہ کو قتل کیا گیا ہے۔ آپ فوراً یہاں آجائیں۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں اسی بنگلے میں ہوں۔ آپ فوراً آئیں۔"

"ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔ وہاں کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔"

فون بند ہوگیا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اریبہ پریشان ہوکر مجھ سے لپٹ گئی۔ "نیازی! اسے کس نے قتل کیا ہے؟ کیوں قتل کیا ہے؟ وہ ایک ماڈل تھی مگر بہت اچھی

لڑکی تھی۔"

"وہ اچھی تھی یا بُری۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا لیکن ایک معصوم قیدی بچے کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتی تھی۔ تم اس کی سہیلی ہو۔ وہ تم سے بھی چھپا رہی تھی۔"

"ہو سکتا ہے' وہ اسی کا بچہ ہو۔ اسے ماں سے جدا کیا ہو۔ ایک بچے کو قیدی بنا کر ماں کو بلیک میل کیا جا رہا ہو۔"

میں نے کہا۔ "وہ بچہ سات آٹھ برس کا ہو گا۔ سلیقہ کا خوبصورت فِگر اور اس کی حُسن کی تازگی کہتی ہے کہ وہ ایک آٹھ برس کے بچے کی ماں نہیں ہو سکتی۔"

"تم نے طلسم ہوشربا کا جمنازیم ہال نہیں دیکھا ہے۔ وہاں حُسن اور جوانی کی شادابیوں کو برقرار رکھنے کے لئے جدید مشینیں لگائی گئی ہیں۔ ان مشینوں کے ذریعے جو مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ ان کے نتیجے میں بدن کے تمام نشیب و فراز اپنی کشش برقرار رکھتے ہیں۔ صبح و شام مساج کے ذریعے بدن کی چکناہٹ میں اور زیادہ پھسلن پیدا کی جاتی ہے۔ انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایک آدھ بچہ پیدا کر چکی ہیں۔ وہ بالکل اچھوتی لگتی ہیں جیسے کسی مرد نے انہیں چھوا بھی نہ ہو۔"

"اگر وہ بچہ سلیقہ کا ہے تو بے چارہ ماں سے محروم ہو چکا ہے۔"

ایک پولیس انسپکٹر چار مسلح سپاہیوں کے ساتھ آ گیا۔ اس نے حامد خان کو دیکھ کر پوچھا۔ "خان صاحب کو کیا ہوا ہے؟"

میں نے کہا۔ "آپ شراب کی بوتل دیکھ رہے ہیں۔ یہ تقریباً خالی ہو چکی ہے۔ یہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہیں۔"

اس نے حامد خان کا معائنہ کیا پھر پوچھا۔ "لاش کہاں ہے؟"

"آیئے' وہ بیڈ روم میں ہے۔"

میں آگے بڑھا۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ میرے پیچھے آیا۔ میں نے بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ یہاں فرش پر........"

میری بات پوری نہیں ہوئی۔ ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ کمرے میں لاش نہیں تھی۔

انسپکٹر نے مجھے گھور کر دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ کیا مذاق ہے؟"

اریبہ بھی حیران و پریشان کھڑی تھی۔ اس نے کہا۔ "ہم آپ سے مذاق کیوں کریں

گے۔ ہم نے بیس پچیس منٹ پہلے یہاں سلیقہ کی خون آلود لاش دیکھی ہے۔"

انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "تعجب ہے۔ فرش پر کہیں لہو کا دھبا نہیں ہے۔ کمرا صاف ستھرا ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ سلیقے سے ہے۔ ایسے آثار نہیں ہیں کہ دو یا دو سے زیادہ افراد میں لڑائی ہوئی ہو۔ کسی کو جبراً قتل کیا گیا ہو۔ کیا حامد خان کی طرح تم دونوں بھی نشے میں ہو۔"

میں نے کہا۔ "فرش پر پلاسٹک کی شیٹ بچھی ہوئی تھی۔ اس شیٹ سمیت لاش کو غائب کیا گیا ہے۔ اس لئے لہو کے دھبے نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

"تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟"

اریبہ نے کہا۔ "سب جانتے ہیں۔ سلیقہ میری بہترین سہیلی تھی۔ میں اس سے ملنے آئی تھی۔"

انسپکٹر نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "اور آپ جناب کیا بیچتے ہیں؟"

"میں قانونی مشورے بیچتا ہوں۔ عدالت میں مجرموں کے خلاف لڑتا ہوں اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتا ہوں۔ میں ایک ایڈووکیٹ ہوں۔ اریبہ میری منگیتر ہے۔"

اریبہ نے کہا۔ "ہم نہیں جانتے' کس نے لاش کیوں غائب کی ہے۔ غائب ہونے کے باوجود یہ حقیقت برقرار رہے گی کہ سلیقہ کو قتل کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی لاش کسی دوسری جگہ پائی جائے۔ یا وہ لاش کبھی نظر نہ آئے۔ اس طرح اسے گمشدہ کہا جائے گا۔"

میں نے کہا۔ "آپ اس قتل کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جائیں۔ اس سے بھی زیادہ ایک اہم مسئلہ ہے ایک بچے کو اغوا کر کے کہیں قید کیا گیا ہے۔ اس بچے کو یہاں فون کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ فون پر رو رو کر اپنی ماں کو پکار رہا تھا۔ میں نے سی ایل آئی پر اس کا نمبر دیکھا ہے۔ آپ معلوم کریں یہ فون کس مکان میں ہے۔"

میں نے انسپکٹر کو فون نمبر بتایا۔ اس نے محکمہ ٹیلی فون کے ایک اعلیٰ افسر سے رابطہ کیا۔ اس سے درخواست کی کہ اس فون نمبر کا فوراً سراغ لگایا جائے۔ پندرہ منٹ کے اندر معلوم ہو گیا۔ وہ فون نمبر دریا کنارے واقع ایک کاٹیج کا تھا۔ ہم سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر وہاں پہنچے۔ اس کاٹیج کے تمام دروازے اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل خالی

تھا۔ اس کے مالک کو بلا کر پوچھا گیا۔ اس نے کہا۔ "دو روز پہلے تین مرد اور ایک بوڑھی عورت نے وہ کاٹیج کرائے پر لیا تھا۔ ان کے ساتھ آٹھ برس کا ایک لڑکا تھا۔ وہ ایک اسٹریچر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ بچہ بیمار ہے۔"

انسپکٹر نے پوچھا۔ "اب وہ لوگ کہاں ہیں؟"

کاٹیج کے مالک نے کہا۔ "ابھی ایک گھنٹہ پہلے تک یہاں تھے پھر جلدی جلدی سامان سمیٹ کر اپنی وین میں بیٹھ کر چلے گئے۔"

"وہ بچہ ان کے ساتھ تھا؟"

"ہاں۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ وہ اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر لے گئے تھے۔"

انسپکٹر نے غصے سے کہا۔ "تم کتنے بے وقوف ہو۔ تمہیں ذرا بھی شک نہیں ہوا کہ دو روز پہلے بچے کو گہری نیند میں لایا گیا اور آج اسی طرح گہری نیند میں لے جایا گیا۔"

"میں کیسے شک کرتا۔ وہ کہہ رہے تھے' بچہ بیمار ہے۔"

انسپکٹر نے فون کے ذریعے انتظامیہ سے رابطہ کیا۔ انہیں آٹھ برس کے ایک لڑکے کے بارے میں بتایا کہ اسے اغوا کر کے کہیں لے جایا جا رہا ہے۔ قریبی ٹاؤن کے اندر اور باہر کے علاقوں میں اغوا کرنے والے مجرموں کو پہچاننے اور گرفتار کرنے میں ذرا تیزی دکھائی جائے۔

انسپکٹر کا نام دلاور خان تھا۔ اس کا رویہ ہم سے دوستانہ ہو گیا۔ وہ ہمارے ساتھ اریبہ کے بنگلے میں آیا۔ اس وقت رات کا ایک بجا تھا۔ میں نے کہا۔ "صبح تک سیٹھ حامد کا نشہ اتر جائے گا۔ وہ ہمیں بتا سکے گا کہ وہ بچہ کس کا ہے۔ اسے اغوا کرنے والوں کے پاس حامد خان اور سلیقہ کے فون نمبرز تھے۔ مجرم ان دونوں سے رابطہ کرتے تھے۔ سلیقہ جواب دینے کے لئے زندہ نہیں ہے۔ حامد خان کو جواب دینا ہو گا۔"

دلاور خان نے کہا۔ "بے شک وہ ہمیں بہت کچھ بتا سکے گا۔ میں ابھی دو سپاہیوں کی ڈیوٹی وہاں لگاتا ہوں۔ وہ حامد خان کے قریب رہیں گے جیسے ہی وہ ہوش میں آئے گا' سپاہی مجھے اطلاع دیں گے۔ میں وہاں پہنچ کر بچے کی پوری ہسٹری اس سے معلوم کر لوں گا۔"

اریبہ کھانا گرم کر کے لے آئی۔ انسپکٹر دلاور خان نے بھی رات کا کھانا کھایا تھا۔ اریبہ نے باہر سپاہیوں کے لئے بھی کھانا بھجوا دیا۔ ہم آرام سے کھاتے رہے اور موجودہ

حالات پر تبصرہ کرتے رہے۔ انسپکٹر خان کھانے سے فارغ ہو کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اریبہ نے مسکرا کر مجھ سے کہا۔ "اب آپ بھی جائیں۔"

میں نے اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ کسمسانے لگی۔ "چھوڑو کیا کرتے ہو؟"

"میں کیا بتاؤں؟ دیوانہ کیا جانے' دیوانگی میں کیا کر گزرتا ہے۔"

"جی نہیں۔ شادی سے پہلے بدمعاشی نہیں چلے گی۔"

"بالکل نہیں چلے گی۔ میں تو شرافت سے پیش آتا رہوں گا۔"

وہ اوپری دل سے بچنے کی کوشش کرتی رہی۔ میں پیار سے پگھلاتا رہا۔ وہ پگھلتی رہی۔ میں شرافت سے پیش آتا رہا۔ ویسے ایسی شرافت کا اختتام بھی بدمعاشی سے ہی ہوتا ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے نمبر پڑھ کر کہا۔ "یہ انسپکٹر خان کا فون ہے۔ اسے سمجھنا چاہئے کہ دو دیوانے اس وقت اہم فرائض ادا کر رہے ہوں گے۔"

اریبہ نے میرے سینے میں منہ چھپا لیا۔ میں نے ریسیور کو کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو میں نیازی بول رہا ہوں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "یہ ضروری نہیں کہ ہم جو سوچیں وہی ہو جائے۔ میں سیٹھ حامد خان سے بچے کے بارے میں بیان نہیں لے سکوں گا۔"

"کیوں نہیں لے سکو گے؟ کیا قباحت ہے؟"

"وہ کمبخت قیامت تک کے لئے خاموش ہو گیا ہے۔ ہمارے یہاں پہنچنے سے پہلے کسی نے اسے گولی مار دی ہے۔ کیا تم آنا چاہو گے؟"

"میں آ رہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اریبہ نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے چابیاں اور والٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بُری خبر ہے۔ کسی نے سیٹھ حامد خان کو گولی مار دی ہے۔"

"او گاڈ! یہ خون خرابا کون کر رہا ہے؟ اسے سلیقہ اور حامد خان سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے' ان کا جانی دشمن کون ہو سکتا ہے؟"

میں حُسن بانو کو تلاش کرنے آیا تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قتل جیسی بھیانک

واردات ہونے لگے گی۔ حُسن بانو ایک طرف رہ جائے گی اور میں دوسرے معاملات میں الجھ کر رہ جاؤں گا۔

اریبہ نے کہا۔ "میں تھک گئی ہوں پھر ایک کے بعد دوسری لاش دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے.......... تم آرام کرو۔ صبح تک میری واپسی ہوگی۔ یہ پچھلا دروازہ لاک نہ کرنا۔ تمہارے ڈیڈی سے چھپ کر آؤں گا۔"

میں کار میں آکر بیٹھ گیا۔ وہ کھڑکی پر جھک کر بولی۔ "جلدی آنا۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ یہ خون خرابے مجھے الجھاتے رہیں گے۔"

"تم میری الجھن کو سمجھو۔ حُسن بانو کی تلاش کھٹائی میں پڑ گئی ہے۔ وہ نہ ملی تو منیر ہاشمی اپنے پانچ لاکھ واپس لے گا۔ دس لاکھ کی آمدنی خواب بن جائے گی۔"

وہ اپنا چہرہ میرے ہونٹوں کے قریب لاکر بولی۔ "میرے ذہن میں یہ خیال سما رہا ہے کہ ان دو قتل کے پیچھے حُسن بانو کہیں چھپی ہوئی ہے۔"

میں نے چونک کر پوچھا۔ "تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"

"تم نہیں جانتے۔ ان ماڈلز کے درمیان پیشہ ورانہ حسد اور جلاپا بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ اپنے عاشقوں اور دیوانوں کی دیوانگی سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ وہ دیوانے ان کی خاطر کسی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔"

میں نے اس سے کہا۔ "تمہاری قربت مجھے سمجھا رہی ہے کہ مرد کس طرح دیوانے ہوجاتے ہیں۔ میں تمہارے لئے جان بھی دے سکتا ہوں اور کسی کی جان بھی لے سکتا ہوں۔ اب مجھے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ حُسن بانو ان معاملات میں کون سا رول پلے کررہی ہے؟"

میں بڑے پیار سے رخصت ہوکر حامد خان کی کوٹھی میں پہنچا۔ انسپکٹر دلاور خان میرا انتظار کررہا تھا۔ انٹیلی جنس والے بھی آگئے تھے۔ حامد خان اور ماجد خان دو بھائی تھے۔ ملک کے کامیاب ترین کاروباریوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ فرکے کوٹ کے بزنس میں وہ نمبرون تھے۔ اس کی ہلاکت کی خبر چشم زدن میں ملک کے اندر اور باہر تک پہنچائی جانے لگی۔

انسپکٹر دلاور نے انٹیلی جنس والوں سے میرا تعارف کرایا۔ انٹیلی جنس کے ایک افسر ظفر حمید نے پوچھا۔ "مسٹر نیازی! آپ نے اور آپ کی منگیتر نے سلیقہ کی لاش بیڈ روم میں دیکھی تھی۔ آپ دونوں کے سوا کسی نے اس کی لاش نہیں دیکھی۔ میں نے ابھی زہرہ جمال سے فون پر بات کی تھی۔ اس کا بیان ہے کہ وہ رات ساڑھے نو بجے اچانک ہی فیشن شو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس کے بعد نہ تو فیشن شو میں واپس آئی اور نہ فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ وہ اپنے بنگلے میں بھی نہیں ہے۔ اسے مختلف ذرائع سے تلاش کیا جارہا ہے۔"

مین نے کہا۔ "آپ اپنے طور پر کوشش کرتے رہیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ کہیں نہ کہیں ضرور ملے گی۔ قاتل نے اس کی لاش کہیں چھپا دی ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاتل نے اس کی لاش کو چھپانے کا خطرہ کیوں مول لیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر سلیقہ کی لاش اس کوٹھی میں پائی جاتی تو یہ بدنامی ہوتی کہ حامد خان جیسے معزز اور عزت دار شخص نے اسے داشتہ بنا کر رکھا ہوا تھا۔"

"یعنی قاتل مہرباں بھی تھا اور نامہرباں بھی۔ وہ سلیقہ کے لئے نامہرباں بن گیا اور حامد خان کے لئے مہرباں بن کر سلیقہ کی لاش کہیں چھپا دی اور بعد میں حامد خان کے لئے بھی نامہرباں بن گیا اور اسے قتل کردیا۔"

انسپکٹر دلاور نے کہا۔ "کوئی یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں اس قیدی بچے کے سلسلے میں حامد خان سے سوالات کروں۔ یہ نشے کا عادی تھا۔ سچ باتیں اگل سکتا تھا۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ان سارے معاملات میں وہ بچہ سب سے زیادہ اہم کیوں ہے؟"

میں نے کہا۔ "بے شک! ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ بچہ کس کا ہے؟ اسے کہیں قیدی بنا کر کیوں رکھا گیا ہے؟"

انسپکٹر دلاور اور سراغ رساں ظفر حمید ڈرائنگ روم سے نکل کر حامد خان کے بیڈ روم میں گئے۔ اس کمرے میں کپڑوں اور کتابوں کی الماریاں تھیں۔ ایک بڑی سی شیشے کی الماری میں اوپر سے نیچے تک شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں تلاشی لی جائے گی تو کوئی کام کی چیز ہاتھ لگ سکتی ہے۔

میں سلیقہ کے بیڈ روم میں آگیا۔ اس کے کمرے میں بناؤ سنگھار کا سامان زیادہ تھا۔ میں نے اس کی الماری کھولی۔ وہاں مختلف ڈیزائن کے قیمتی ملبوسات تھے۔ الماری کا سیف مقفل نہیں تھا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ وہاں زیورات کے کئی سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ زیورات کے ایک ڈبے کے اوپر بھرا ہوا پستول تھا۔ میں نے اسے رومال سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس کے بلٹ چیمبر میں پوری گولیاں تھیں۔ اسے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

میں نے اسے اس کی جگہ واپس رکھ دیا۔ زیورات کے ڈبوں کے پیچھے کوئی چیز جھلک رہی تھی۔ میں نے ان ڈبوں کو ہٹا کر دیکھا' اسے اٹھایا۔ وہ پھٹی ہوئی ڈائری تھی۔ اس کی جلدی نہیں تھی۔ اوپر کے چند صفحات پھٹے ہوئے تھے۔ سلیقہ نے اپنا نام' پتا اور فون نمبر وغیرہ لکھا ہوگا۔ وہ تمام اوراق گم ہوگئے تھے۔ ڈائری کے آخری صفحات بھی نہیں تھے۔

اکثر ڈائریاں اپنے لکھنے والوں کے رازوں کی امین ہوتی ہیں۔ ان کے اندر بہت سے حقائق چھپے ہوتے ہیں۔ اسے پڑھ کر میں سلیقہ کی پرائیویٹ زندگی کے بہت سے راز معلوم کر سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے لباس کے اندر چھپالیا۔

میں بیڈ روم سے باہر آیا تو انسپکٹر دلاور خان اور ظفر حمید دوسرے بیڈ روم میں واپس آرہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ "کوئی کام کی چیز ہاتھ لگی یا نہیں.........؟"

ظفر حمید نے کہا۔ "حامد خان کی ایک الماری میں فر کے کوٹ بھرے پڑے ہیں۔ کتابوں کی الماری میں بہت سے کاروباری کاغذات اور فائلیں رکھی ہوئی ہیں۔"

انسپکٹر دلاور خان نے کہا۔ "ان دستاویزات اور فائلوں کے اہم کاغذات پر مقتول کے بھائی ماجد خان کے دستخط ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا کاروبار ماجد خان کے ہاتھ میں ہے۔ مقتول حامد خان نشے کا عادی تھا۔ اسے کاروباری ذمے داریاں سونپی نہیں جاسکتی تھیں۔ اس لئے اسے یہاں شراب میں ڈبو کر رکھا جاتا تھا۔"

میں نے کہا۔ "زہرہ جمال ان سب کی ذاتی زندگیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوگی۔ وہ بچے کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ بتا سکتی ہے۔"

فیشن شو رات گیارہ بجے تک جاری رہا۔ زہرہ جمال ایک بجے تک گھر واپس آئی تھی۔ پہلے تو فون پر اس سے سلیقہ کے بارے میں پوچھا گیا۔ اب تک یہی سمجھا جارہا تھا کہ وہ اچانک کہیں چلی گئی ہے۔ رات ڈھائی بجے اسے اطلاع ملی کہ سیٹھ حامد خان کا قتل ہوگیا

ہے۔ اس کی آنکھوں سے نیند اُڑ گئی تھی پھر صبح چار بجے پولیس اور انٹیلی جنس والے اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔

میں نے ایک ہی ملاقات میں زہرہ جمال کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ وہ بہت مضبوط قوت ارادی رکھتی تھی۔ بعض افراد اپنی گفتگو سے پہچانے جاتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ انسپکٹر دلاور خان اور ظفر حمید کوئی کام کی بات اس سے نہیں اگلوا سکیں گے۔

میں ان سے رخصت ہوکر اریبہ کی کوٹھی کی طرف آیا۔ کوٹھی سے کچھ فاصلے پر میں نے کرائے کی کار کو ایک طرف کھڑا کیا۔ اسے اچھی طرح لاک کیا پھر پیدل اس کوٹھی کے احاطے میں پہنچ گیا۔ وہاں اریبہ کے ڈیڈی ظہیر اکبر کی کار کھڑی ہوئی تھی۔- وہ کوٹھی کے اندر موجود ہوں گے۔ سو رہے ہوں گے یا جاگ رہے ہوں گے؟ میرے لئے تو کباب میں ہڈی بن گئے تھے۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا اریبہ کے بیڈ روم کے پچھلے دروازے پر آیا۔ اسے کھولنا چاہا تو وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے ہولے سے دستک دی۔ اسے سمجھایا تھا کہ دروازے کو لاک نہ کرے لیکن وہ قتل کی ایک واردات کے بعد سہمی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ بہرحال جاگ رہی تھی۔ اس نے ہلکی سی دستک پر دروازہ کھول دیا۔

میرے اندر آتے ہی وہ دروازے کو بند کرتے ہوئے بولی۔ "ڈیڈی اپنے بیڈ روم میں جاگ رہے ہیں۔ بہت بے چین اور پریشان ہیں۔ وہ اِدھر آسکتے ہیں۔ تمہاری آواز سن سکتے ہیں۔ تم منہ سے کچھ نہیں بولو گے۔"

"پھر کہاں سے بولوں گا۔"

وہ میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "پھر بول رہے ہو؟ چلو......... چپ چاپ سو جاؤ۔"

میں نے اس کے کان میں کہا۔ "جوان لڑکی سونے کی بات کرتی ہے تو سنسناہٹ سی ہونے لگتی ہے۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا پھر بیڈ کی طرف دھکا دیا۔ میں نے بستر پر گر کر لباس کے اندر سے وہ ڈائری نکالی۔

اس نے پوچھا۔ "یہ......... کیا ہے؟"

میں نے سرگوشی میں کہا۔ "یہ مجھے سلیقہ کے سیف سے ملی ہے۔ پھٹی ہوئی ہے' بوسیدہ حالت میں ہے۔ اب میں تمہاری ہدایت کے مطابق خاموش رہوں گا اور اسے پڑھتا رہوں گا۔"

"یہاں روشنی رہے گی تو ڈیڈی چلے آئیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں لائٹ آف کرکے سوتی ہوں۔"

"کیا تم نے سلیقہ کے قتل کے بارے میں انہیں بتایا ہے؟"

"بتایا ہے اور انہیں حامد خان کی ہلاکت کی بھی اطلاع مل چکی ہے اسی لئے وہ پریشان ہیں۔ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔"

"ان سے یہ کہہ سکتی ہو کہ تم نے سلیقہ کی لاش دیکھی ہے۔ اس لئے کمرا روشن رکھا ہے۔ تاریکی میں ڈر لگتا ہے۔"

میں بستر پر بیٹھ کر اس ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ وہ میرے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ اس ڈائری میں اٹھارہ جنوری تک کے صفحات غائب تھے۔ اس نے انیس جنوری کے صفحے پر لکھا تھا کہ کاسمیٹکس کے آئٹم تیار کرنے والی ایک کمپنی سے معاہدہ ہوچکا ہے۔ وہ بہت بڑی رقم لے کر ان کے ایڈ میں کام کرے گی۔

مجھے اس کی ماڈلنگ اور معاہدے سے دلچسپی نہیں تھی۔ میں ورق الٹ الٹ کر سرسری طور پر پڑھنے لگا۔ ایک صفحے پر لکھا تھا۔ "میرا بیٹا سات برس کا ہوچکا ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ اس نے تیسری جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ میں اس سلسلے میں بڑی پارٹی ارینج کرنا چاہتی ہوں لیکن اس کے باپ کو کاروباری معاملات سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ اگر میں اس کے بغیر خوشیاں مناؤں اور دوست احباب کو مدعو کروں تو وہ جھگڑا کرتا ہے۔ بڑا شکی ہے۔ شوبز کی دنیا میں رہنے والی عورت اپنے خاوند کو بھی خوش نہیں رکھ سکتی۔"

ایک اور صفحے پر لکھا تھا۔ "لندن میں رہنے والے ایک بہت بڑے پاکستانی صنعت کار نے مجھے زبردست آفر دی ہے۔ وہ مجھے کتنے ہی ایڈز میں دیکھ چکا ہے۔ وہ ایسے تمام فیشن میگزین خرید کر اپنے بیڈ روم میں رکھتا ہے جن میں میری تصویریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ وہ میرا دیوانہ ہے۔ میرے جیسی عورتیں ماڈلنگ کی دنیا میں ایسے دیوانوں کی دیوانگی کا

تماشا دیکھتی رہتی ہیں۔ وہ پاکستان میں ایک کوٹھی اور لندن میں ایک اپارٹمنٹ میرے نام کرنا چاہتا ہے اور ماہانہ دو لاکھ روپے ادا کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے دو لاکھ پاؤنڈ ماہانہ طلب کر رہی ہوں۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ وہ دیوانہ راضی ہوجائے گا لیکن اس کی ایک شرط ایسی ہے جسے میں کبھی تسلیم نہیں کروں گی۔

"وہ کہتا ہے کہ میں اپنے شوہر سے طلاق لے لوں۔ یہ مجھے منظور ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو سابق شوہر کے پاس چھوڑ دوں۔ یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ میں اپنے بچے کو چھوڑنے سے پہلے یہ دنیا ہی چھوڑ دوں گی۔ میں اپنے بیٹے عامر کو کلیجے سے لگائے رکھنے کے لئے ساری دنیا کی دولت کو ٹھکرا دوں گی۔

"یہ عیاش اور دولت مند اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اپنی دولت سے عورت کو خرید سکتے ہیں' ایک ماں کو نہیں خرید سکتے۔"

وہ صفحہ پُر ہوگیا تھا۔ دوسرے صفحے پر لکھا تھا۔ "وہ اپنے اپارٹمنٹ میں تھا۔ میں اس سے ملنے اور اس کی آفر کو ٹھکرانے کے لئے وہاں گئی۔ اندر جانے کے لئے کال بیل کا بٹن دبانا چاہا تو پتا چلا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ میں نے اسے آواز دیتے ہوئے دروازے کو اور کھولا۔ تو ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی لاش چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔ کسی نے اسے گولی مار کر لٹکا دیا تھا۔

"وہ اِدھر اُدھر جھول رہا تھا۔ اس کے جوتے سے کاغذ کا ایک پرزہ چپکا ہوا تھا۔ میں نے اسے جوتے سے ہٹا کر پڑھا۔ اس پر لکھا تھا۔ "تمہارا خاوند تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے۔ اس کی قدر کرو............ جاؤ یہاں سے............"

"میں نے اس کاغذ کے پرزے کو مٹھی میں بھینچ لیا۔ غصے سے تلملاتی ہوئی وہاں سے واپس آگئی۔ وہ پرچی میرے خاوند نے لکھی تھی۔ اس نے اسے قتل کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایسا ہوچکا تھا۔ اس نے میرے ایک اور قدر داں کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے تھے۔ اسے اپاہج بنا دیا تھا۔ میرے قریب جو بھی آتا ہے' وہ اس کی دشمنی کا شکار ہوجاتا ہے۔"

میں اوراق الٹتا گیا اور پڑھتا گیا۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام عامر تابانی اور خاوند کا نام عالم تابانی لکھا تھا۔ وہ عالم تابانی کو چاہتی تھی لیکن اس کے ساتھ پوری زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ وہ خردماغ تھا۔ شکی مزاج تھا۔ شک کے باعث اس کی زندگی کو عذاب بناتا رہتا

تھا۔

وہ غصے کے عالم میں بھی اس حد تک ہوش میں رہتا تھا کہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ ماڈلنگ کی دنیا میں اس کا چہرہ اس کا بدن سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کے حُسن اور اس کی شادابی میں کبھی کمی نہیں ہوئی ہونی چاہئے بلکہ اور نکھار پیدا ہونا چاہئے۔

وہ عالم تابانی سے کہتی تھی۔ "تم خود غرض ہو' مطلب پرست ہو۔ اپنی پروڈکٹس کی تشہیر کے لئے مارکیٹ میں اپنے مال کی قیمت بڑھاتے رہنے کے لئے میرے حُسن اور گلیمر سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہو۔ جس طرح سانپ خزانے پر آکر بیٹھ جاتا ہے اور کسی کو قریب نہیں آنے دیتا' اسی طرح تم میرے قدر دانوں کو میرے قریب نہیں آنے دیتے۔"

وہ واضح الفاظ میں کہتی تھی کہ وہ بے وفا اور بدچلن نہیں ہے۔ ایک شوہر کا ظالمانہ رویہ اسے مجبور کردیتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے چاہنے والے کی پناہ میں چلی جائے۔ عورت صرف محبت نہیں چاہتی' اپنے شوہر کا اعتماد بھی چاہتی ہے۔ یہ اعتماد نہ ہو تو پھر بیوی بن کر رہنا فضول ہے۔

اس کی ڈائری کے تمام اوراق ازدواجی زندگی کی تلخیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں تیزی سے پڑھتا جارہا تھا اور ایک ایک کرکے ورق الٹتا جارہا تھا۔ ایک ورق پر میں رک گیا۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے لگا۔

اس نے لکھا تھا۔ "برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ میں حد پار کرچکی ہوں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا.......... میں اسے چھوڑ کر یہاں آگئی۔ اپنے بیٹے کو ساتھ لے آئی ہوں۔ میں ساری دنیا کو چھوڑ سکتی ہوں لیکن اپنے بیٹے کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔ میں کچھ عرصے تک یہاں چھپی رہوں گی پھر موقع دیکھ کر اس ملک سے باہر چلی جاؤں گی۔"

اگلے کئی صفحات میں اس نے اپنے بیٹے کے بارے میں لکھا تھا۔ وہ اس کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رکھتی تھی۔ وہ اسے گھر میں پڑھاتی لکھاتی رہتی تھی۔ اس ڈر سے اسکول نہیں بھیجتی تھی کہ عالم تابانی اسے دیکھ لے گا تو اسے اسکول سے ہی اٹھا کر لے جائے گا لیکن وہ دن رات چار دیواری میں چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ اسے ضروریاتِ

زندگی سے تعلق رکھنے والی چیزیں خریدنے کے لئے باہر نکلنا پڑتا تھا۔

وہ بہت محتاط ہوکر رات کے اندھیرے میں ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لئے بازار جاتی تھی پھر اندھیرے میں واپس آکر چاردیواری میں بند ہوجاتی تھی۔ ایک بار وہ رات کو کچھ ضروری چیزیں خریدنے کے لئے قریبی بازار تک گئی جب واپس آئی تو گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ پریشان ہوکر تیزی سے چلتے ہوئے کھلے ہوئے دروازے سے اندر آئی۔ بیٹے کو آواز دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے دوسرے کمروں میں جاکر دیکھا۔ بیٹا نہیں تھا۔ وہ دیوانہ وار دوڑتے ہوئے باہر جاکر اسے پکارنے لگی۔ اسے فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ اپنا موبائل فون بند رکھتی تھی۔ عالم تابانی سے فون کے ذریعے بھی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

وہ فون کا بزر سن کر چونک گئی۔ دوڑتے ہوئے مکان کے اندر آئی۔ اس کا فون ایک میز پر رکھا ہوا تھا۔ کوئی اسے آن کرکے گیا تھا۔ اس نے اس کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو..........؟"

دوسری طرف سے عالم تابانی کی گرجتی برستی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ذلیل عورت! تُونے میرے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔ اب تیرا بیٹا تجھے نہیں ملے گا۔"

میں ڈائری پڑھتے پڑھتے چونک گیا۔ آگے نہ پڑھ سکا۔ اریبہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی پھر ظہیر اکبر کی آواز سنائی دی۔ "بیٹی! تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟ دروازہ کھولو۔"

ہم دونوں فوراً ہی بیڈ سے اتر گئے۔ میں پچھلا دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتا تھا۔ اریبہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اشارہ کیا۔ "میں بیڈ کے نیچے چلا جاؤں۔"

میں فرش پر لیٹ کر لڑھکتا ہوا بیڈ کے نیچے چلا گیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں میں سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی؟ مجھے رہ رہ کر سلیقہ کی یاد آرہی ہے۔"

اس نے دروازہ کھول دیا۔ ظہیر اکبر نے کمرے کے اندر آتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہاری اچھی سہیلی تھی۔ میری دعا ہے کہ اس کا قتل نہ ہوا ہو۔ تمہاری آنکھوں نے دھوکا

کھایا ہو۔ تم نے اس کی لاش نہ دیکھی ہو۔ میرا دل کہتا ہے وہ جہاں بھی گئی ہے' صبح تک واپس آجائے گی۔"

"اس کی لاش صرف میں نے نہیں.......... نیازی نے بھی دیکھی تھی۔"

"یہ نیازی ہے کہاں؟ میرے سامنے نہیں آرہا ہے؟ جب اس کے حالات بدل گئے ہیں اور وہ لاکھوں روپے کمانے لگا ہے تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ یہاں آسکتا ہے' تمہارا ہاتھ مانگ سکتا ہے۔"

وہ باتیں کرتا ہوا بیڈ کے پاس آیا۔ اریبہ نے پریشان ہو کر کہا۔ "ڈیڈی! اس نے کہا ہے کہ وہ کل صبح آپ سے ملنے آئے گا۔ آپ اپنے کمرے میں چلیں۔ آپ کو نیند نہیں آرہی ہے۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

وہ باپ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر جانے لگی۔ وہ ہاتھ چھڑا کر بولا۔ "رک جاؤ۔ میں یہاں کسی ضرورت سے آیا تھا۔ شاید تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا.........."

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آپ حامد خان کے قتل کی وجہ سے پریشان ہیں۔ کیا اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

وہ چونک کر بولا۔ "ہاں یاد آیا.......... انٹیلی جنس کا ایک افسر فون پر ایک بچے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ کیا سلیقہ ایک بچے کی ماں تھی۔"

"سلیقہ نے کبھی اپنے کسی شوہر اور بچے کے بارے میں بات نہیں کی۔ اگرچہ وہ مجھ سے اچھی طرح گھل مل گئی تھی۔ اس کے باوجود مجھ سے بہت سی باتیں چھپاتی تھی۔"

"اتنا تو میں جانتا ہوں کہ وہ تین ماہ پہلے فریالی آئی تھی۔ اس سے پہلے کراچی' لاہور اور اسلام آباد میں ماڈلنگ کیا کرتی تھی۔ پتا نہیں وہ ان شہروں میں کیسی لائف گزارتی رہی تھی؟ ان ماڈلز کی زندگی بڑی پُراسرار اور شرمناک ہوتی ہے۔"

وہ بولی۔ "انٹیلی جنس والے آپ سے سوالات کریں تو آپ صاف صاف کہہ دیں کہ ہم اسے صرف تین ماہ سے جانتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ کہاں تھی اور کیا کرتی پھرتی تھی' یہ ہم نہیں جانتے۔"

وہ تائید میں سرہلا کر چلا گیا۔ اریبہ نے فوراً ہی دروازے کو اندر سے بند کر کے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ میں بیڈ کے نیچے سے دیکھ رہا تھا اور دعائیں مانگ رہا تھا

کہ بڑے میاں جلد ہی یہاں سے چلے جائیں۔ میں سلیقہ کی داستان کے اس موڑ پر پہنچا تھا جہاں پڑھنے اور سننے والوں کا تجسس بڑھ جاتا ہے۔

میں بیڈ کے نیچے سے نکل کر کھڑا ہوگیا۔ وہ آکر گلے کا ہار بن گئی۔ اِدھر ڈائری کے تجسس نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ اُدھر یہ سحر طاری کر رہی تھی۔ میں نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "میری جان! مجھے تھوڑی سی مہلت دو۔ یوں سحرزدہ نہ کرو۔ اس بچے کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو رہا ہے۔ اس بچے کو اغوا کرنے والے کا نام معلوم ہو چکا ہے۔ آگے اور بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

وہ الگ ہوگئی۔ مجھے آزاد چھوڑ دیا۔ میں بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر پڑھنے لگا۔ عالم تابانی اپنے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ اب فون پر اسے دھمکی دے رہا تھا کہ اس کا بیٹا اسے واپس نہیں ملے گا۔ اگر وہ اپنے بیٹے کی سلامتی چاہتی ہے تو بیوی کی حیثیت سے اس کی زندگی میں واپس آجائے۔

اس نے جواباً کہا۔ "میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ بیٹے کو واپس نہیں کرو گے تو میں تمہیں عدالت میں چیلنج کروں گی۔ اپنا بیٹا تم سے حاصل کر کے رہوں گی۔"

"عدالت میں جانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اگر تم کسی سے بھی کہو گی کہ میں نے بیٹے کو تم سے چھین لیا ہے تو میں عامر کو گولی مار دوں گا۔ میں بہت پہلے ہی یہ رپورٹ درج کرا چکا ہوں کہ میری بیوی اور بیٹا کہیں گم ہوگئے ہیں؟ قانون کے محافظ جانتے ہیں کہ میں تم دونوں کے لئے کس قدر پریشان رہتا ہوں۔ وہ کبھی یقین نہیں کریں گے کہ میں نے اپنے ہی بیٹے کو گولی ماری ہے۔"

اس کی بہت بڑی کمزوری عالم تابانی کے ہاتھوں میں آگئی۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ بہت ہی خود غرض' بے حس اور سفاک درندہ ہے۔ اس کے کتنے ہی چاہنے والوں کو یا تو جان سے مار ڈالا ہے یا اپاہج بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ اس کے پہلے ہی ایک بیوی سے تین بچے ہیں۔ وہ عامر کو مار ڈالے گا تو اس کے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وہ ایک بہت بڑی پروڈکٹ مارکیٹ میں لانے والا تھا۔ اس کی کامیابی کا انحصار اسی بات پر تھا کہ وہ اپنے حسن اور اپنے گلیمر اور اپنے فِگر کو زیادہ سے زیادہ پُرکشش بناتی رہے

گی۔ وہ چھ ماہ بعد اچانک اسے نئی پروڈکٹ کے ایڈ میں لائے گا تو لوگ اس کے دیوانے ہوجائیں گے۔ اس کے لئے جو دیوانگی ہوگی' وہ تو لوگوں کو اس نئی پروڈکٹ کی طرف مائل کرے گی۔

عالم تابانی کاروباری ہتھکنڈے خوب جانتا تھا۔ چھ ماہ تک ماڈلنگ کی دنیا سے دور رکھ کر جب وہ.......... اپنی نئی پروڈکٹ کے ساتھ مارکیٹ میں لاتا تو اس کے مال کی قیمت دگنی ہوجاتی۔

میں ڈائری کے اوراق الٹ رہا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ ان دونوں میں صلح ہوگئی یا جنگ جاری رہی؟

عالم تابانی نے صاف طور سے کہہ دیا تھا کہ وہ بیٹے کے اغوا کا.......... الزام اسے نہیں دے گی۔ دنیا والوں کے سامنے کبھی یہ نہیں کہے گی کہ وہ بیٹے کو کمزوری بنا کر ایک ماں کو بلیک میل کر رہا ہے۔

چھ ماہ میں سے چار ماہ گزر چکے ہیں۔ وہ دو ماہ بعد نئی پروڈکٹ کو مارکیٹ میں لانے والا ہے۔ اگر وہ ایک ماہ کے اندر واپس نہیں آئے گی اور اس کے ایڈ میں اپنے حُسن و شباب کا جادو نہیں جگائے گی تو اسے بیٹے کی لاش ملے گی۔

آدھی ڈائری کے اوراق سادہ تھے۔ اس نے آخری چند صفحات میں لکھا تھا۔ ”میں تھک گئی ہوں۔ میری زندگی کا کل سرمایہ میرا بیٹا ہے۔ میرا یہ سرمایہ لٹ رہا ہے۔ میں بیٹے کے بغیر خالی ہوجاؤں گی۔ میری زندگی میں کچھ نہیں رہے گا۔ یہ شخص مجھے جھکا رہا ہے۔ مجھے جھکنا ہی ہوگا لیکن جھکنے سے پہلے میں نے ایک شرط پیش کی ہے۔

”میں نے اس سے کہا ہے کہ میں اس کی نئی پروڈکٹ کے ایڈ میں کام کروں گی لیکن اس سے پہلے وہ میرا بیٹا مجھے واپس کرے اور مجھے طلاق دے۔

”اس نے نئی پروڈکٹ کے سلسلے میں بے انتہا رقم خرچ کی ہے۔ صرف پبلسٹی کا بجٹ پچیس کروڑ روپے بتایا ہے۔ وہ اپنی کاروباری زندگی میں بہت بڑا جوا کھیل رہا ہے اور اس جوئے میں جیتنے کے لئے اسے میری سخت ضرورت ہے۔ اسے میری شرط ماننا ہی پڑے گی۔

”لیکن وہ انکار کر رہا ہے۔ بہت ڈھیٹ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب تک ستر کروڑ روپے

لگا چکا ہے۔ وہ یہ ساری رقم ہار جانے کا حوصلہ رکھتا ہے لیکن وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔ اس نے مجھے ایک ماہ کی مہلت دی ہے اور سختی سے کہا ہے کہ اگر میں اگلے ماہ کی چھ تاریخ تک اس کے پاس واپس نہیں جاؤں گی اور ایڈ کی تیاریوں میں بھرپور حصہ نہیں لوں گی تو سات تاریخ کو میرے بیٹے کی لاش کسی چوراہے پر ملے گی۔

”آہ! ایک ظالم میری بہت بڑی کمزوری سے کھیل رہا ہے۔ وہ ستر کروڑ کا نقصان برداشت کرنا منظور کرلے گا لیکن میں ایک بیٹے کا نقصان نہیں اٹھا سکوں گی۔ فی الحال میں اسلام آباد میں ہوں۔ ایک ٹاپ کی ماڈل سلیقہ میری رازدار ہے۔ میں نے عالم تابانی کو سلیقہ اور حامد خان کے فون نمبر دیئے ہیں اور اس سے کہہ دیا ہے کہ اگلے ماہ کی چھ تاریخ تک اس سے فون پر بھی بات نہیں کروں گی۔ سلیقہ اس سے میرے بیٹے کی خیریت معلوم کرتی رہے گی۔“

میں ڈائری پڑھتے پڑھتے چونک گیا۔ اس آخری حصے میں آکر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ نہ تو یہ ڈائری سلیقہ کی ہے اور نہ ہی عامر اس کا بیٹا ہے۔ اتنی دیر سے کسی دوسری حسینہ کی ڈائری پڑھ رہا ہوں جو ٹاپ کی ماڈل ہے۔

میں نے آگے پڑھنا شروع کیا۔ اس حسینہ نے لکھا تھا۔ ”میں اگلے ماہ کی چھ تاریخ تک صبر کر رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے انتظار میں میرے بیٹے کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ بہت زبردست بزنس مین ہے تقریباً سو کروڑ کے پروجیکٹ میں اب تک ستر کروڑ روپے لگا چکا ہے۔ وہ اتنی مہنگی بازی بہت جم کے کھیلے گا۔ مجھے حاصل کرنے کے لئے میرے بیٹے کو ضرور زندہ رکھے گا۔“

اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کے لئے آنسوؤں بھری دعائیں لکھی تھیں۔ درپردہ ایک جاسوس کی خدمات حاصل کی تھیں تاکہ وہ ایک ماہ سے پہلے اس کے بیٹے کو ڈھونڈ کر لے آئے۔ وہ اس امید پر جی رہی تھی کہ وہ نامور تجربہ کار جاسوس اس کے بیٹے کو ڈھونڈ کر لے آئے گا۔ اگر وہ ناکام رہے گا تو وہ چھ تاریخ سے پہلے عالم تابانی کے سامنے جھک جائے گی۔

اس کے بعد ڈائری کے اوراق سادہ تھے۔ شاید وہ سلیقہ کے پاس یہ ڈائری بھول کر چلی گئی تھی۔ میں نے اس ڈائری کو پھر سے الٹ پلٹ کر اِدھر اُدھر سے پڑھا کہ شاید اس

نے موجودہ پتا لکھا ہو۔ ڈائری کے جو ابتدائی صفحات پھٹ گئے تھے یا گم ہوگئے تھے ان میں پتا ضرور لکھا ہوگا لیکن وہ اوراق اب کہیں مل نہیں سکتے تھے۔ اتنا معلوم ہوا تھا کہ وہ اسلام آباد میں کہیں چھپی ہوئی ہے۔

میں نے ڈائری بند کر دی۔ اریبہ کو دیکھا' وہ گہری نیند سو گئی تھی۔ میں نے اٹھ کر لائٹ آف کی صبح ہونے والی تھی۔ مجھے بھی سونا چاہئے تھا لیکن اب جو نئے انکشافات ہوئے تھے' ان کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے کے لئے اتنا مواد جمع ہوگیا تھا کہ مجھے نیند نہیں آسکتی تھی۔

میں اریبہ کے پاس آکر لیٹ گیا۔ اس نے خوابیدہ آنکھوں سے مجھے دیکھا پھر مجھ سے چپک کر سوگئی۔ میں ڈائری پڑھنے کے دوران میں یہی خیال قائم کرتا رہا تھا کہ وہ سلیقہ کی ڈائری ہے اور سلیقہ نے اس میں اپنی روداد لکھی ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔

آخر میں انکشاف ہوا تھا کہ وہ ڈائری لکھنے والی کوئی دوسری ہستی ہے۔ سلیقہ کی سہیلی ہے' اس کی طرح ٹاپ کی ماڈل ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ تحریر حُسن بانو کی ہے۔ میں جس کی تلاش میں یہاں بھٹک رہا ہوں' اب تک اس کی ڈائری پڑھتا رہا ہوں۔ اب مجھے صرف حُسن بانو کو ہی نہیں' اس کے بیٹے کو بھی تلاش کرنا تھا۔ ماہِ رواں کی بیس تاریخ تھی۔ سولہ دن بعد اگلے ماہ کی چھ تاریخ تھی۔ میرے پاس صرف سولہ دن رہ گئے تھے۔ مجھے ان دنوں میں کچھ کر گزرنا تھا۔ میں سوچتے سوچتے سوگیا۔

☆======☆======☆

بڑے بڑے صنعت کار اور ان کے نمائندے وہ فیشن شو اٹینڈ کرنے آئے تھے۔

رات گیارہ بجے شو ختم ہوگیا۔ دوسری صبح وہ سب واپس جارہے تھے۔ کئی کاٹیج خالی ہو رہے تھے۔ میں نے ایک کاٹیج کرائے پر حاصل کیا۔ وہاں آرام سے بیٹھ کر میں نے انسپکٹر دلاور خان کو فون کیا۔ "میں اس بچے کے بارے میں بہت سے انکشافات کرنے والا ہوں۔ تم فوراً چلے آؤ۔"

بچے کا معاملہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ وہ فوراً آگیا۔ آتے ہی بولا۔ "کل پوری رات گزر گئی۔ آج کا آدھا دن گزر چکا ہے۔ اب یہ یقین کیا جارہا ہے کہ حامد خان سے پہلے سلیقہ کو قتل کیا گیا ہے۔ وہ بچہ سلیقہ اور حامد خان کا فون نمبر جانتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلیقہ اس بچے کی ماں ہے۔"

میں نے کہا۔ "سلیقہ اس کی ماں اور حامد خان اس کا باپ ہے۔ کیا بے تکی ہانک رہے ہو؟ آتے ہی ریکارڈ کی طرح بولنے لگے ہو۔ ذرا دم لو اور میری بات سنو۔"

وہ میرا منہ تکنے لگا۔ میں نے کہا۔ "کل رات تم سراغ رساں ظفر حمید کے ساتھ حامد خان کے بیڈ روم میں تلاشی لینے گئے تھے۔ اسی وقت میں نے سلیقہ کے بیڈ روم کی تلاشی لی۔ مجھے وہاں سے یہ ڈائری ملی ہے۔"

میں نے وہ پھٹی ہوئی ڈائری اس کے سامنے رکھ دی۔ اس نے پوچھا۔ "یہ پھٹی ہوئی کیوں ہے؟"

"میرا اندازہ ہے کہ سلیقہ نے اس کے ابتدائی صفحات پھاڑ کر ضائع کر دیئے تاکہ کوئی لکھنے والی کا نام اور پتا معلوم نہ کرسکے۔ میں نے سرخ روشنائی سے جن صفحات کو انڈر لائن کیا ہے۔ فی الحال انہیں پڑھ لو۔ اس طرح تمہیں اہم باتیں معلوم ہوجائیں

گی۔"

وہ اس کے اوراق الٹ کر خاص خاص انڈر لائن کی ہوئی باتیں پڑھنے لگا۔ میں اس دوران میں حسن بانو اور اس کے بچے کے متعلق سوچتا رہا۔ ذہن پر زور ڈالتا رہا کہ کس طرح ان ماں اور بیٹے تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے لازمی تھا کہ پہلے تابانی کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔

اس نے پڑھنے کے بعد ڈائری کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ اخبارات اور دوسرے میڈیا میں بہت شور ہے کہ عالم تابانی ایک نئی پروڈکٹ مارکیٹ میں لارہا ہے لیکن یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ اتنا بڑا سرمایہ دار ایک عورت اور اس کے بچے کے ساتھ ایسا ظالمانہ کھیل' کھیل رہا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "تم عالم تابانی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ کیا وہ اتنا ظالم ہے کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاک کردے؟"

"میں اسے ذاتی طور پر نہیں جانتا۔ اس کے متعلق اخبارات میں پڑھا ہے اور پھر اونچی سوسائٹی میں اس کا ذکر سنا ہے۔ اب تو اس کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔"

میں نے کہا۔ "زہرہ جمال جیسی عورتیں جو ماڈل گرلز کو اونچے مقامات تک پہنچاتی ہیں۔ وہ عالم تابانی کے بارے میں بہت کچھ بتاسکیں گی۔"

ہم اسی وقت وہاں سے روانہ ہوئے اور طلسم ہوش ربا کے کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔ کاؤنٹر گرل سے کہا۔ "ہم زہرہ جمال سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ بولی۔ "سوری.......... وہ ابھی میٹنگ میں ہیں۔"

انسپکٹر دلاور خان نے کہا۔ "اپنی میڈم سے کہو' میٹنگ فوراً کینسل کریں۔ ہماری میٹنگ زیادہ ضروری ہے۔"

کاؤنٹر گرل نے انٹر کام پر رابطہ کیا۔ زہرہ جمال سے کہا۔ "میڈم! انسپکٹر دلاور خان اور ایڈووکیٹ عبید نیازی آپ سے فوراً ملنا چاہتے ہیں۔ یہ سختی سے کہہ رہے ہیں کہ آپ اپنی میٹنگ کینسل کریں اور پہلے ان سے ملاقات کریں۔"

زہرہ جمال نے کہا۔ "ریسیور انسپکٹر کو دو۔ میں بات کروں گی۔"

کاؤنٹر گرل نے ریسیور انسپکٹر کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو!"

زہرہ جمال نے ناگواری سے کہا۔ "انسپکٹر! یہ کیا زبردستی ہے؟ آپ ہماری اہم میٹنگ کینسل کرانا چاہتے ہیں؟ کیا آپ دو گھنٹے انتظار نہیں کرسکتے۔"

وہ سخت لہجے میں بولا۔ "نہیں.......... یہ یقین ہوچکا ہے کہ سلیقہ کو بھی کسی نے ہلاک کیا ہے۔ ایک ہی رات میں دو قتل ہوچکے ہیں۔ آپ معاملے کی سنگینی کو سمجھیں اور فوراً ملاقات کریں۔"

وہ چند لمحے تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "اچھی بات ہے۔ آپ میرے چیمبر میں آجائیں۔"

ہم وہاں سے چلتے ہوئے ایک کوریڈور میں آئے۔ میں پہلے بھی اس چیمبر میں اس سے ملاقات کرچکا تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو زہرہ جمال کے سامنے میز کی دوسری طرف دو معمر اشخاص بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک اریبہ کے ڈیڈی تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے ملاقات کرنے کے لئے گھر آنے والا تھا لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کیسے سنگین حالات پیش آرہے ہیں۔"

ظہیر اکبر نے کہا۔ "کوئی بات نہیں بیٹے! تم آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے۔"

انسپکٹر نے زہرہ جمال سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ لوگوں کی میٹنگ میں مداخلت کررہا ہوں۔"

وہ بولی۔ "کوئی بات نہیں۔ ہم سلیقہ کی گمشدگی کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔ حامد خان کی ہلاکت نے بھی ہمیں بہت اپ سیٹ کردیا ہے۔"

پھر اس نے ایک معمر شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان سے ملئے ان کا نام مشیر احمد ہے اور یہ مشہور و معروف بزنس مین عالم تابانی کے مشیر ہیں۔"

میں نے اور انسپکٹر دلاور نے چونک کر مشیر احمد کو دیکھا۔ انسپکٹر نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مشیر احمد صاحب! آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔ ہم آپ سے بھی کچھ ضروری باتیں کرنا چاہیں گے۔"

ہم ان کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا آپ مجھے بھی اس کیس میں شامل کرنا چاہتے ہیں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم آپ کو فریالی میں پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔ دراصل ہم اس نئی پروڈکٹ کی بات کرنا چاہتے ہیں جس کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ سنا ہے عالم تابانی کوئی بہت مہنگی پروڈکٹ مارکیٹ میں لانے سے پہلے بہت ہی مہنگی ماڈل سے کنٹریکٹ سائن کرنے والے ہیں۔"

وہ بڑے فخر سے بولا۔ "ہماری اس نئی پروڈکٹ کا چرچا یہاں سے یورپ تک ہے۔ یورپ کے اخبارات اور تمام فیشن میگزین میں اس پروڈکٹ کے بارے میں بڑی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں۔ ہم نے زبردست پبلسٹی کیمپین چلائی ہے۔ اس پبلسٹی کیمپین کے لئے پچیس کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "اتنے مہنگے پبلسٹی کیمپین میں اس ماڈل کی اہمیت سب سے زیادہ ہے جو آپ کی پروڈکٹ کو اسکرین پر پیش کرے گی۔"

وہ بولا۔ "بے شک.......... ہماری پروڈکٹ کی کامیابی کا انحصار ایک ماڈل گرل پر ہے۔ لوگ قیاس آرائیاں کر رہے ہیں کہ یورپ اور امریکا کی ماڈلز کو پیش کیا جائے گا۔ کاروباری دنیا سے تعلق رکھنے والے درمیانے درجے کے لوگ حسن بانو پر سٹہ کھیل رہے ہیں۔ وہ پہلے بھی عالم تابانی کی کئی پروڈکٹس کو ڈسپلے کرچکی ہے اور نہایت ہی کامیاب ماڈل تسلیم کی گئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "لیکن وہ تو کہیں گم ہوچکی ہے۔ شاید اس نے ماڈلنگ چھوڑ دی ہے۔"

مشیر احمد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ٹاپ پر پہنچنے والی ماڈل گرلز غیر معمولی شہرت حاصل کرنے کے لئے کبھی کبھی روپوش ہوجاتی ہیں۔ یہاں سے یورپ تک کی مارکیٹ میں اپنے لئے تجسس پیدا کرتی ہیں پھر اچانک ہی کسی ایڈ میں پیش ہوکر حیران بھی کرتی ہیں اور خوش بھی کرتی ہیں اور پہلے سے کئی گنا زیادہ معاوضہ حاصل کرتی ہیں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حسن بانو کہیں روپوش ہے اور آپ لوگ اچانک اسے اسکرین پر لانے والے ہیں؟"

وہ ذرا گڑبڑا گیا پھر سنبھل کر بولا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا کہ حسن بانو کہیں روپوش ہے اور ہم اچانک اسے منظرِ عام پر لانے والے ہیں۔ میں نے تو عام ماڈلز کی بات کی ہے۔ وہ اکثر روپوش رہ کر اپنا بھاؤ بڑھاتی ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "آپ تو جانتے ہی ہیں۔ حسن بانو کی شادی ہوچکی ہے۔ اس کا ایک بیٹا بھی ہے؟"

"آپ حسن بانو کی باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہیں؟ میں کیا جانوں کہ وہ کیسی زندگی گزار رہی ہے؟"

زہرہ جمال نے کہا۔ "آپ موٹی عقل سے بھی سوچ سکتے ہیں کہ حسن بانو جیسی ٹاپ کی ماڈل نہ شادی کرتی ہیں' نہ بچے پیدا کرتی ہیں۔ وہ اپنا فگر برقرار رکھتی ہیں۔ اپنے بدن کے ایک ایک حصے کو پُرکشش بنا کر اپنا معاوضہ بڑھاتی رہتی ہیں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "آپ حسن بانو کو قریب سے جانتی ہوں گی۔ آپ دوسری ماڈلز کی بات نہ کریں۔ صرف حسن بانو کے بارے میں بتائیں۔ کیا وہ آٹھ برس کے بیٹے کی ماں نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں.......... آپ کہاں سے ایسی بے تکی خبر سن کر آئے ہیں؟ وہ ٹاپ کی ماڈل ہے۔ اس قدر مشہور ہے کہ اس کی نہ شادی چھپ سکتی ہے اور نہ بچہ چھپ سکتا ہے۔"

ہم کسی نہ کسی طرح اس سے سچ اگلوانا چاہتے تھے۔ میں نے کہا۔ "شادی تو چھپ جاتی ہے۔ چوری چھپے نکاح پڑھوالیا جاتا ہے اور ملک سے باہر جاکر کہیں بھی نو مہینے کا پیٹ چھپائے رکھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

وہ پریشان ہوکر بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا' آپ دونوں حسن بانو کے بارے میں ایسی بے بنیاد باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ پچھلی رات دو قتل ہوئے۔ آپ اتنی بھیانک واردات کو نظرانداز کرکے ایک ماڈل کے پیچھے پڑگئے ہیں۔"

انسپکٹر دلاور خان نے کہا۔ "ہم ان دو قتل کے سلسلے میں ہی تفتیش کر رہے ہیں اور ان دونوں قتل کا تعلق اس آٹھ سالہ بچے سے ہے اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے وہ بچہ حسن بانو کا ہے۔"

اریبہ کے ڈیڈی نے کہا۔ "نیازی! تمہیں میری بات کا یقین کرنا چاہئے۔ میں حُسن بانو سے کئی بار مل چکا ہوں' یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ نہ اس نے کسی سے شادی کی ہے اور نہ ہی کسی بچے کی ماں ہے۔"

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اریبہ کے ڈیڈی اس قدر سفید جھوٹ بولیں گے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ میں نے ان ہی کے گھر میں بیٹھ کر حُسن بانو کی ڈائری پڑھی ہے اور مجھے وہ تمام حقائق معلوم ہو چکے ہیں' جنہیں وہ چھپا رہے ہیں۔

ظہیر اکبر کے جھوٹ نے یہ سمجھا دیا کہ وہ تینوں حُسن بانو اور اس کے بچے کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔

انسپکٹر نے مشیر احمد سے کہا۔ "ہم جا رہے ہیں۔ آپ کا زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔ صرف ہم سے اتنا تعاون کریں۔ عالم تابانی صاحب سے ہماری ملاقات کرا دیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "میں پچھلے چھ برس سے ان کا مشیر ہوں۔ آج تک میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ فرینکفرٹ' لندن' پیرس اور استنبول میں رہتے ہیں۔ وہاں کے کاروباری حضرات شاید انہیں چہرے سے پہچان لیں' میرا خیال ہے پاکستان میں کسی نے ان کی صورت نہیں دیکھی ہے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے جو شخص یہاں سے یورپ تک کاروبار کر رہا ہے' کیا وہ کاروباری حضرات کی میٹنگ اور تقریبات میں جاتا نہیں ہو گا۔"

مشیر احمد نے کہا۔ "آپ یہاں سے کراچی تک کسی بھی بزنس مین سے پوچھ لیں۔ وہ یہی کہے گا کہ اس نے عالم تابانی سے فون پر بات کی ہے۔ ای میل کے ذریعے رابطہ کیا ہے یا فیکس کے ذریعے تبادلہ خیال کیا ہے۔ کاروباری حلقوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت بدصورت ہے اس لئے کسی کے سامنے نہیں آتا۔"

یہ ایک نیا انکشاف ہو رہا تھا۔ اب تک حُسن بانو کی روپوشی مجھے دوڑا رہی تھی۔ یہ عالم تابانی بھی روپوش نکلا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اتنے مشہور و معروف شخص کو منہ کیوں چھپانا پڑ رہا ہے۔ کیا کسی مجبوری سے منہ چھپا رہا ہے؟ یا یہ اس کی کوئی حکمتِ عملی ہے؟

انسپکٹر نے کہا۔ "ٹھیک ہے' آپ کے تابانی صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ فون

یا ای میل کے ذریعے بات تو ہو سکتی ہے۔"

مشیر احمد نے فون اور ای میل کے نمبر لکھ کر دیئے۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔ انسپکٹر دلاور خان نے باہر آ کر کہا۔ "یہ سب عالم تابانی کے وفادار ہیں۔ ان کے ذریعے ہم ماں بیٹے کا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔ بہتر ہے ہم فون یا ای میل کے ذریعے اس سے رابطہ کریں۔"

ہم اریبہ کی کوٹھی میں آئے۔ اریبہ نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔ "کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ کچھ کام بن رہا ہے یا نہیں؟"

"کچھ بن رہا ہے' کچھ بگڑ رہا ہے۔ یونہی بنتے بگڑتے کوئی بات بنے گی۔"

انسپکٹر نے وہاں بیٹھ کر فون کا ریسیور اٹھایا۔ عالم تابانی کے نمبر ڈائل کئے۔ میں نے فون کے وائڈ اسپیکر کو آن کر دیا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"ہیلو........ میں مسٹر تابانی کی سیکرٹری بول رہی ہوں۔ آپ فرمائیں؟"

"میں فریال ٹاؤن کا پولیس انسپکٹر دلاور خان بول رہا ہوں۔ مسٹر عالم تابانی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ ان سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"وہ ایک نئی پروڈکٹ مارکیٹ میں لانا چاہتے ہیں۔ میں اسی سلسلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ پوچھیں۔ میں جواب دوں گی۔"

"میں ان سے براہِ راست بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ صرف اہم معاملات پر گفتگو کرتے ہیں اور آپ کا کوئی اہم معاملہ نہیں ہے۔"

"دو مرڈر کیسوں کا سنگین معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں بات کرنی ہے۔"

"مرڈر کیس سے مسٹر تابانی کا کیا تعلق ہے؟"

"ان کا جو تعلق ہے' ان ہی سے کہا جا سکتا ہے۔"

"سوری' نہ ہی انہوں نے کسی کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ایسے فضول معاملات پر اپنا وقت ضائع کرنا پسند کرتے ہیں۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ انسپکٹر دلاور خان ریسیور کریڈل پر پٹخ کر بولا۔

"جس کی سیکرٹری اتنی مغرور ہے' وہ خود کتنا بد دماغ ہو گا۔"
اریبہ نے کہا۔ "ڈیڈی کے کمرے میں کمپیوٹر ہے۔ آپ ای میل سے رابطہ کریں۔"

ہم اس کمرے میں آئے۔ میں نے کمپیوٹر کو آپریٹ کیا۔ اس کے ای میل کے ریفرنس کے مطابق رابطہ کیا۔ اسکرین پر تحریر ابھرنے لگی۔ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔
"آپ اس وقت مسٹر عالم تابانی سے ٹچ ہیں۔"

میں نے انسپکٹر کی مرضی کے مطابق کہا۔ "مسٹر تابانی! میں فریالی ٹاؤن کا انسپکٹر دلاور خان بول رہا ہوں۔ آپ سے اہم معالات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "سوری' آپ ابھی فون پر باتیں کر چکے ہیں۔ جواب آپ کو مل چکا ہے۔"

ای میل کا رابطہ بھی ختم ہو گیا۔ انسپکٹر دلاور خان نے جھنجلا کر آئی جی آف پولیس سے رابطہ کیا۔ "سر! میں فریالی ٹاؤن کا انسپکٹر دلاور خان ہوں۔ آپ تک یہ اطلاع پہنچ چکی ہے کہ یہاں پچھلی رات دو قتل ہو چکے ہیں۔ میں اس سلسلے میں ہاشمی گروپ آف انڈسٹریز کے مالک عالم تابانی سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ بات کرنے سے انکار کر رہا ہے۔"
"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ چھوٹے افسران کو منہ نہیں لگاتا ہے اور بڑے افسران سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا ہے پھر یہ کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ یورپ کے مختلف شہروں میں رہتا ہے۔ اس کے خلاف جب تک ٹھوس ثبوت نہ ملے' تب تک ہم اسے ملاقات کرنے پر مجبور نہیں کر سکیں گے۔"

"سر! ایک ٹھوس ثبوت ہے۔ میرے پاس ایک مشہور ماڈل کی لکھی ہوئی ڈائری ہے۔ اس کی تحریر سے انکشاف ہوتا ہے کہ عالم تابانی نے غصے اور جنون میں کئی مرڈر کئے ہیں۔ اس نے اس ماڈل کے بیٹے کو اغوا کیا ہے اور اس بچے کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔"
"تم وہ ڈائری لے کر ابھی میرے پاس آجاؤ۔"
"آل رائٹ سر! میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ فون بند کرتے ہوئے مجھ سے بولا۔ "میں ڈائری لے کر جارہا ہوں۔ واپسی میں

اس کی گرفتاری کا وارنٹ لے کر آؤں گا۔"
"اگر وہ اس ملک میں نہ ہوا تو؟"
"ہم دوسرے ملک کی پولیس سے تعاون کی درخواست کریں گے۔ میں اس بد دماغ شخص کو ہتھکڑیاں ضرور پہناؤں گا۔ وہ کتا ہم جیسے جونیئر افسروں سے بات کرنا گوارا نہیں کرتا ہے۔ ایک بار وہ میری گرفت میں آئے گا تو اسے دن میں تارے دکھا دوں گا۔"
وہ غصے سے بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ اس وقت رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ اریبہ نے میرے قریب بیٹھ کر کہا۔ "تمہیں کچھ کھانے پینے کا بھی ہوش ہے۔ اپنی حالت دیکھو۔ معلوم ہوتا ہے' صحرا کی خاک چھان کر آرہے ہو۔"
میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں غسل کرنے جارہا ہوں۔ تم میرے لئے گرما گرم کھانا تیار کرو۔"
"کیا غسل کرنے کے بعد یہی لباس پہنو گے؟"
"میرے بیگ میں دوسرا لباس ہے۔ میں نے ایک کاٹیج کرائے پر لیا ہے۔ تاکہ تمہارے ڈیڈی کو اطمینان رہے۔ رات کو یہ چور تمہارے کمرے میں آیا کرے گا۔"
میں بیگ سے لباس نکال کر باتھ روم میں چلا گیا۔ آدھے گھنٹے بعد واپس آیا۔ فون کا بزر بول رہا تھا۔ میں نے اسے آن کر کے کان سے لگایا۔ "ہیلو' میں عبید نیازی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے منیر ہاشمی کی آواز سنائی دی۔ "تم زندہ ہو یا مر چکے ہو؟ زندہ ہو تو مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہے ہو؟"
"میں تمہاری حسن بانو کو تلاش کر رہا ہوں۔ تمہیں فون کر کے یہ سمجھانے والا تھا۔ اس حسینہ کے حصول سے باز آجاؤ۔ وہ کروڑ پتی اور ارب پتی لوگوں کا کھلونا ہے۔ اس کی خاطر قتل جیسی وارداتیں بھی ہو رہی ہیں۔"
"کیا مجھے ڈرا رہے ہو' انسانی تاریخ اٹھا کر پڑھو۔ نیل کی حسینہ قلوپطرہ ہو یا آج کی حسین ترین ماڈل گرل ہو' اس کے لئے قتل و غارت گری ہوتی رہتی ہے۔ خالص حسن کی پہچان یہی ہے کہ مرد اس کے لئے تلوار اٹھائے اور گولیاں چلائے۔ تم زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ میں ایبٹ آباد میں ہوں۔ صبح واپس چلا جاؤں گا۔"

میں نے کہا۔ "میں انتہائی شمالی علاقے میں ہوں۔ ایبٹ آباد یہاں سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ہموار راستہ ہوتا تو میں ایک گھنٹے میں پہنچ جاتا۔ پہاڑی راستے پر ڈرائیونگ بہت مشکل ہوتی ہے۔ میں دو ڈھائی گھنٹے میں پہنچوں گا۔ انتظار کرو۔"

میں نے فون بند کیا۔ اریبہ نے کھانا تیار کر دیا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ پیٹ بھر کر کھایا پھر پیار سے رخصت ہوگیا۔ پہاڑی راستے انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔ میں ایسے راستوں سے بارہا گزر چکا تھا۔ بڑی مہارت سے ڈرائیو کرتا ہوا ایبٹ آباد کے ایک ایسے مکان میں پہنچا جو خاصی اونچائی پر بنا ہوا تھا اور شہری آبادی سے ذرا فاصلے پر تھا۔ منیر ہاشمی نے اس مکان کا پتا بتایا تھا۔ وہ مکان خاصی چڑھائی پر تھا۔ میں بہت آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ اس مکان کے اندر صرف ایک کمرے میں روشنی تھی۔ میں نے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر پوچھا۔ "میں تمہارے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا ہوں۔ مکان کی دیوار پر مردم شماری کا نمبر302 لکھا ہوا ہے۔ اگر یہی مکان ہے تو دروازہ کھولو۔"

منیر ہاشمی نے کہا۔ "میں نے تین سو دو نہیں دو سو تین کہا تھا۔ کیا اونچا سننے لگے ہو۔ تم اسی پہاڑی پر دیکھو تقریباً سو میٹر کے فاصلے پر ایک اور مکان ہے۔ وہاں آؤ۔ میں دروازہ کھول کر باہر آرہا ہوں۔"

میں نے فون بند کیا پھر کار کو آہستگی سے آگے بڑھایا۔ ایسے ہی وقت اس مکان کے روشن کمرے سے دوسری طرف کی دیوار دکھائی دی۔ اس دیوار پر ایک شخص کا سایہ دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گن تھی اور اس کی حرکات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گن کو لوڈ کر رہا ہے۔ میں نے سوچتی ہوئی نظروں سے اس سائے کو دیکھا پھر اس خیال سے آگے بڑھ گیا کہ کتنے ہی گھروں میں گنیں ہوتی ہیں۔ شاید کوئی اپنی گن چیک کر رہا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ وہ کسی واردات کے لئے گن لوڈ کر رہا ہو۔ اس وقت میں نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

منیر ہاشمی دروازہ کھول کر برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ میں کار سے اتر کر اس کے قریب آیا۔ اس نے کہا۔ "تم وہاں کیوں مرنے چلے گئے تھے؟ میں نے تمہیں مکان کا نمبر بتایا تھا' تمہیں غور سے سننا چاہئے تھا۔"

"بھئی' مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اگر اس مکان کی طرف بھٹک کر چلا گیا تو کون سی

قیامت آگئی۔ اندر چلو اور کام کی باتیں کرو۔"

ہم کمرے کے اندر آئے۔ وہاں اس کی ایک اٹیچی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم ابھی نہ آتے تو میں اسلام آباد چلا جاتا۔ میں نے تمہارے جیسے کئی جاسوس اس کے پیچھے لگائے ہوئے ہیں۔ ابھی ایک نے اطلاع دی ہے کہ اس نے اسلام آباد میں اسے دیکھا ہے۔ وہ ایک بہت ہی مہنگی گاڑی میں بیٹھ کر مارگلہ کی طرف جارہی تھی۔ میں ابھی ادھر ہی جارہا ہوں۔ مارگلہ ایک چھوٹا سا ٹاؤن ہے۔ وہاں اسے ڈھونڈنے میں آسانی ہوگی۔"

"تم میرے کلاس فیلو رہ چکے ہو۔ بچپن کے دوست ہو۔ میں تمہیں بہت ہی نیک مشورہ دے رہا ہوں۔ اس حُسن بانو کا خیال دل سے نکال دو۔ تم نہیں جانتے وہ آٹھ برس کے ایک بچے کی ماں ہے۔"

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا پھر میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اس سے بڑا لطیفہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ تم ایک ٹاپ کی ماڈل گرل کو آٹھ برس کے بچے کی ماں بنا رہے ہو۔ یار تم ایڈووکیٹ کیسے بن گئے۔"

وہ پھر ہنسنے لگا۔ میں نے کہا۔ "تم یقین کیوں نہیں کرتے؟ میں نے حُسن بانو کی لکھی ہوئی ڈائری پڑھی ہے۔"

وہ ہنستے ہنستے ایک دم سے چپ ہوگیا۔ مجھے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ "کیا کہا تم نے؟ تم نے اس کی ڈائری پڑھی ہے؟ تمہیں اس کی ڈائری کہاں مل گئی؟"

"ایک اور ٹاپ کی ماڈل گرل تھی۔ اس کا نام سلیقہ تھا۔ وہ حُسن بانو کی رازدار سہیلی تھی۔ کل رات اسے اور اس کے ایک دوست حامد خان کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ وہ ڈائری میں نے سلیقہ کی الماری سے حاصل کی تھی۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کہاں ہے وہ ڈائری؟"

"وہ پولیس انسپکٹر دلاور خان کے پاس ہے۔"

وہ غصے سے گرجتے ہوئے بولا۔ "تم میرے لئے کام کر رہے ہو۔ تم نے مجھ سے پانچ لاکھ روپے لئے ہیں۔ کامیابی کی صورت میں اور پانچ لاکھ لینے والے ہو۔ وہ ڈائری مجھے لاکر دینی چاہئے تھی۔ تم نے کسی انسپکٹر کو کیوں دے دی؟"

"میں اس انسپکٹر کے تعاون سے ان ماں بیٹے کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"تمہیں ماں بیٹے کو نہیں، حُسن بانو کو تلاش کرنا چاہیے۔"

"میں حُسن بانو کی بات کر رہا ہوں۔ تم مانتے کیوں نہیں کہ وہ ایک بچے کی ماں ہے۔"

"میں کیسے مان لوں۔ میں نے اس کے ساتھ دو راتیں گزاری ہیں اور میں ایسا اناڑی نہیں ہوں کہ خلوت میں ایک بچے کی ماں کو نہ پہچان سکوں۔ کیا اس ڈائری پر حُسن بانو کا نام لکھا ہوا تھا؟"

"اس ڈائری کے ابتدائی صفحات پھٹے ہوئے تھے۔ کہیں گم ہوگئے تھے۔ اس کا نام کہیں نہیں لکھا تھا۔"

"اوہ گاڈ! میں کیوں تمہارے جیسے احمق کی خدمات حاصل کر رہا ہوں۔ جب اس کا نام نہیں لکھا ہوا ہے تو اسے حُسن بانو کی ڈائری کیوں کہہ رہے ہو؟ کیا تم اس کی تحریر پہچانتے ہو؟"

"میں نے اس سے پہلے کبھی اس کی کوئی تحریر نہیں پڑھی ہے لیکن حُسن بانو کی گمشدگی، ایک بچے کا اغوا اور عالم تابانی کا کردار ایسا ہے کہ کڑی سے کڑی ملا کر سوچا جائے تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ڈائری اور وہ بچہ حُسن بانو کا ہے۔"

وہ میری طرف تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔ "میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں۔ دوسرے چکر میں نہ پڑو صرف حُسن بانو کو تلاش کرو اور یہ عالم تابانی کون ہے۔ کیا یہ وہی شخص ہے جو حُسن بانو کو مجھ سے چھین رہا ہے؟"

"اس ڈائری کے مطابق عالم تابانی حُسن بانو کا شوہر ہے تم اسی کو اپنا رقیب کہہ سکتے ہو۔"

وہ ایک مکا دکھاتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس کا پتا اور فون نمبر بتاؤ۔ میں ابھی جا کر اس کا سر توڑ دوں گا۔"

"وہ بہت بڑا صنعت کار ہے۔ کسی نے آج تک اس کی صورت نہیں دیکھی۔ یورپ کے کاروباری حلقوں میں لوگ اسے جانتے ہوں گے۔ پتا نہیں کیوں وہ پاکستان آکر روپوش ہو جاتا ہے؟ وہ بے انتہا دولت مند ہے تم اس کے منہ نہ لگو تو بہتر ہے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولا۔ "وہ مجھ سے زیادہ دولت مند نہیں ہوگا۔ تم میرے بارے میں

کچھ نہیں جانتے۔ تم مجھے اس کا پتا اور فون نمبر بتاؤ۔ میں اسے چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔"

"تم میرے بہترین دوست ہو۔ ایک طویل مدت کے بعد ملے ہو۔ میں نہیں جانتا تم کتنے دولت مند اور کتنے وسیع اختیارات کے مالک ہو لیکن موت تو تمہیں بھی آسکتی ہے۔ اور عالم تابانی کو بھی؟ میں نہیں چاہوں گا کہ تم اس پہاڑ سے ٹکرا لو۔"

"اے نیازی! بس آگے نہ بولنا۔ تم اسے پہاڑ کہہ کر میری انسلٹ کر رہے ہو۔ مجھے اس کا پتا بتاؤ۔"

میں نے عالم تابانی کا فون نمبر اور ای میل ایڈریس لکھ کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "میرا کام سمجھانا تھا۔ میں نے سمجھا دیا پھر کہتا ہوں مارگلہ جاؤ۔ عالم تابانی سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر حُسن بانو تک پہنچو۔ اگر وہ وہاں نہیں ہوگی تو فریالی کی طرف کہیں ضرور چھپی ہوگی۔ اگر وہ بچہ اس کا ہے تو پھر وہ مارگلہ میں نہیں ہوگی۔ اپنے بچے کے آس پاس کہیں منڈلا رہی ہوگی۔"

وہ اپنا سوٹ کیس اٹھا کر بولا۔ "یہاں سے چلو۔ میں مارگلہ جا رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر تمہیں فون کروں گا اور اگر عالم تابانی میرا رقیب ثابت ہوا تو تم کل صبح تک سنو گے کہ وہ جہنم میں پہنچ گیا ہے۔"

میں اس کے ساتھ چلتا ہوا باہر آیا۔ اس نے دروازے کو لاک کیا پھر اپنی کار میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں اپنی کار میں آگیا ہم دونوں آگے پیچھے کار ڈرائیو کرتے ہوئے مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے مین روڈ پر آگئے۔ یہاں سے مجھے شمال کی طرف جانا تھا اور اسے جنوب مشرق کی طرف۔ وہ اپنے راستے پر مڑ کر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا جانے لگا۔ میں اپنے راستے پر چل پڑا۔ آگے جا کر میں نے گاڑی روک دی۔ کبھی کبھی میری چھٹی حس بہت پریشان کرتی ہے۔ مجھے مکان نمبر302 یاد آرہا تھا۔ اس کی دیوار پر ایک شخص کا سایہ تھا اور وہ اپنی گن لوڈ کر رہا تھا۔

منیر ہاشمی سے ملنے اور اس سے گفتگو کرنے کے دوران میں اسے بھول جانا چاہتا تھا لیکن وہ میرے لاشعور میں کہیں چبھ رہا تھا۔ میں اسے نظرانداز نہ کرسکا۔ گاڑی کو اسی مکان کی طرف موڑ کر جانے لگا۔ میں نے اس بار گاڑی کو اس مکان سے بہت دور روک

دیا۔ وہاں سے چلتا ہوا اس مکان کے پاس آیا پھر دبے قدموں اس مکان کے چاروں طرف چلنے لگا بند کھڑکیوں کے قریب جاکر کان لگا کر سننے لگا۔ جس کمرے میں روشنی تھی' اس کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ایک ادھیڑ عمر کی عورت کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بیڈ کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بیڈ پر جھکی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "تم نے اپنی پسند کی ڈش کھائی ہے۔ تمہارے ڈیڈی نے تمہیں خوب پیار کیا ہے۔ وہ پھر آئیں گے پھر تمہیں پیار کریں گے۔ اب تمہیں چپ چاپ سوجانا چاہئے۔"

وہ کسی بچے کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی۔ کمرے کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا اور کچھ حصہ نظروں سے اوجھل تھا۔ کسی رائفل بردار کا سایہ دیوار پر دیکھ کر میری چھٹی حس کہتی رہی کہ وہاں کچھ ہونے والا ہے۔

لیکن اب تک کچھ نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس سائے کے ساتھ گن دیکھی تھی لیکن اب تک گولی نہیں چلی تھی۔ اس مکان کے اندر امن و امان تھا۔ ایک ماں اپنے بچے کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی۔ میں وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔

پھر ایک دم سے میرے قدم رک گئے۔ ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا بچے کی آواز سنائی دی۔ "میں ممی کے پاس جاؤں گا۔ میری ممی کہاں ہیں' میں یہاں نہیں رہوں گا۔ ممی کے پاس جاؤں گا۔"

چشم زدن میں ٹیلی فون پر اس بچے کی آواز میرے دماغ میں گونجنے لگی۔ وہی آواز تھی۔ وہی لہجہ تھا۔ وہ بھی اپنی ماں کو پکار رہا تھا اور یہ بھی ماں کے پاس جانے کے لئے مچل رہا تھا۔ میں پھر کھڑکی کی طرف پلٹ گیا۔ اسی وقت کمرے میں دوسرے حصے سے ایک شخص چلتا ہوا آیا۔ اس کے ہاتھ میں گن تھی۔ وہ بیڈ کی طرف گن سے نشانہ لیتے ہوئے بولا۔ "اس کتے کے پلے نے پریشان کردیا ہے۔ یہ نہ خود سوئے گا نہ ہمیں سونے دے گا۔ میریا! اسے نیند کی گولی کھلاؤ اور دودھ پلاؤ۔"

میں نے اپنے لباس کے اندر سے ریوالور نکالا۔ دوسرے تمام کمروں میں تاریکی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ میں نے اس شخص کے دائیں بازو کا نشانہ لیتے ہی گولی چلادی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی اس کے حلق سے چیخ نکلی اور گن ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دو قدم پیچھے گیا۔ وہاں اس نے کھڑکی کی

طرف دیکھا پھر مجھے دیکھتے ہی بڑی پھرتی سے جھک کر دوسرے ہاتھ سے گن کو اٹھانا چاہا۔ میں نے اس کے دوسرے ہاتھ پر بھی گولی مار دی۔ وہ چیخ مار کر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ وہ عورت دونوں ہاتھوں سے منہ دبا کر اپنی چیخیں روک رہی تھی اور خوف زدہ ہو کر مجھے دیکھ رہی تھی۔

میں نے ریوالور سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ "زندہ رہنا چاہتی ہو تو بچے کو باہر یہاں کھڑکی کے پاس لے آؤ۔ کوئی چالاکی دکھاؤ گی تو میں اس کے سینے میں گولی اتار دوں گا۔"

وہ زخمی کو دیکھ کر اپنے سر کو انکار میں ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں نہیں.......... اسے نہ مارو۔ میں بچے کو لے کر آرہی ہوں۔ ابھی آرہی ہوں۔"

اس نے بچے کا ہاتھ پکڑا وہ بیڈ سے اتر گیا۔ میں نے پہلی بار اسے دیکھا وہ آٹھ برس کا خوبصورت سا لڑکا تھا۔ وہ سہم کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "بیٹے! ڈرو نہیں۔ تمہاری می نے مجھے بھیجا ہے۔ فوراً میرے پاس آؤ ورنہ یہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔"

وہ کسی حد تک مطمئن دکھائی دیا۔ وہ عورت اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے چلی گئی۔

میں نے ریوالور کا رخ اس شخص کی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔ "عالم تابانی کہاں ہے؟"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "میں کسی عالم تابانی کو نہیں جانتا۔ میرے بھائی اور بھابی نے اس بچے کو فریالی سے لاکر ہمارے حوالے کیا تھا اور کہا تھا کہ اس بچے کو چھپا کر رکھا جائے تو ہمیں ایک لاکھ روپے ملیں گے۔ میرے بھائی نے پچیس ہزار روپے ایڈوانس کے طور پر دیئے تھے۔"

میں نے پوچھا۔ "باقی رقم تمہیں کون دے گا اور کب دے گا؟"

وہ بولا۔ "ابھی ایک گھنٹے پہلے ایک رئیس آدمی بہت مہنگی کار میں آیا تھا۔ اس نے مجھے پچاس ہزار روپے دیئے اور وعدہ کیا ہے کہ اسے چھپا کر رکھوں گا اور اس کی حفاظت کرتا رہوں گا تو وہ مجھے مزید پچاس ہزار روپے دے گا۔"

وہ عورت آٹھ برس کے عامر کو میرے پاس لے آئی۔ میں نے محبت سے عامر کا ہاتھ تھام لیا پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "بیٹے! تم بہت بہادر ہو۔ میں تمہاری ماں کے پاس تمہیں پہنچاؤں گا۔"

میں نے اس عورت کو مکان کے اندر بھیج کر دروازے کو باہر سے بند کیا۔ اس مکان کا پچھلا دروازہ بھی باہر سے بند تھا پھر عامر کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چلتا ہوا اپنی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ عامر نے پوچھا۔ "ممی کہاں ہیں؟"

میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک ایسی جگہ چھپی ہوئی ہیں جہاں دوست یا دشمن کسی کو بھی نہیں جانا چاہئے۔ اگر ہم بھی جائیں گے تو دشمن ہمارا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچ جائیں گے پھر وہ تمہاری ممی کو نقصان پہنچائیں گے۔"

وہ بولا۔ "ڈیڈی' میری ممی کے دشمن ہیں۔ وہ فون پر کہہ رہے تھے کہ وہ واپس نہیں آئیں گی تو ان کے منہ پر تیزاب پھینک دیں گے۔ میرے ڈیڈی اچھے نہیں ہیں۔"

"تم سمجھدار ہو' یہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ تمہاری ممی کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ کہیں چھپی رہیں۔ ابھی تم میرے گھر چلو۔ میں تمہارے ڈیڈی کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کے بعد تمہاری ممی کے پاس تمہیں پہنچادوں گا۔"

میں اسے بڑے پیار سے سمجھا رہا تھا۔ وہ اب تک دشمنوں کے ہتھے چڑھتا رہا تھا۔ مجھے بھی اپنا دشمن سمجھ سکتا تھا لیکن میں نے بڑی محبت سے باتیں بنا کر اس کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔

عامر کے سلسلے میں چند سوالات پیدا ہونے لگے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ انسپکٹر دلاور خان اس کیس میں میرا بھرپور ساتھ دے رہا ہے۔ کیا میں اسے عامر کی بازیابی کے بارے میں بتاؤں؟

اسے ہم راز بنانے سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن وہ پولیس کے اصولوں کے مطابق اپنے اعلیٰ افسران کو عامر کی بازیابی کی رپورٹ پیش کرے گا تو یہ معاملہ راز میں نہیں رہے گا۔ ڈائری کی مثال سامنے تھی۔ اسے ظاہر نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن انسپکٹر دلاور خان نے اسے آئی جی تک پہنچادیا تھا۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اریبہ کو رازدار بنایا جاسکتا تھا۔ میں خلوت میں اس کے بدن کا رازدار تھا۔ وہ میری رازدار بن کر عامر کی نگرانی اور حفاظت کر سکتی تھی۔ مجھے اس پر مکمل اعتماد تھا لیکن ایک قباحت تھی' اس کا باپ ظہیر اکبر قابلِ اعتماد نہیں تھا۔ وہ درپردہ عالم تابانی کا وفادار تھا۔ عامر پر اس کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے۔

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا پنڈی کی طرف جارہا تھا۔ منیر ہاشمی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ حُسن بانو ایک بچے کی ماں ہے۔ اب میں ثبوت کے طور پر عامر کو پیش کروں گا تو وہ حیران رہ جائے گا۔ شاید پھر بھی یقین نہیں کرے گا۔ دیوانہ عاشق ہے۔ اپنی ہی بات پر اڑا رہتا ہے۔

میں نے سر گھما کر عامر کو دیکھا۔ وہ کھڑکی سے باہر گزرتے ہوئے مناظر کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "عامر! تم تو کافی سمجھدار ہو۔ اپنی ممی اور ڈیڈی کا نام بھی جانتے ہوگے؟"

وہ بولا۔ "جی ہاں.......... میری ممی کا نام حُسن بانو ہے۔ وہ بہت مشہور ہیں۔ کتنے ہی اردو اور انگریزی رسالوں میں ان کی تصویریں چھپتی رہتی ہیں۔"

"اور تمہارے ڈیڈی کا نام کیا ہے؟"

اس نے سہم کر ناگواری سے مجھے دیکھا پھر کہا۔ "انہیں تو دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ میں تو ان کو ڈیڈی بھی نہیں کہتا۔ ان کا نام بھی نہیں لیتا۔ کیا دوسرے بچوں کے باپ بھی ایسے ہی ہوتے ہیں؟"

"نہیں بیٹے.........! ماں باپ اچھے ہوتے ہیں۔ وہ اولاد سے محبت کرتے ہیں۔ تمہارے باپ جیسے ظالم لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ ویسے رات بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ تم پچھلی سیٹ پر جاکر آرام سے سوجاؤ۔"

وہ وہاں سے پچھلی سیٹ کی طرف چلا گیا۔ آرام سے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا بیگ بھی لے آیا تھا۔ اس بیگ میں اس کے کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں ہوں گی۔ میں نے سوچا۔ "وہ بچہ ہے پھر بھی اس کے بیگ کی تلاشی لینی چاہئے۔ پنڈی پہنچتے ہی میں اس بیگ کو کھول کر دیکھوں گا۔"

پنڈی میں کشمیر روڈ پر میرا ایک مکان ہے۔ وہاں میری والدہ رہتی ہیں۔ میں نے انہیں عامر کے متعلق بتایا۔ میری والدہ نے پریشان ہو کر کہا۔ "عالم تابانی! دولت مند بھی ہے اور اثر و رسوخ والا بھی ہے۔ اس کے جاسوس عامر کو ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ وہ ایسا بھی اثر و رسوخ

والا نہیں ہے کہ ابھی یہاں پہنچ جائے۔ اسے آپ صرف ایک ہفتہ یہاں چھپا کر رکھیں۔ یہ بہت سمجھ دار ہے۔ اپنی ممی تک پہنچنے کے لئے آپ دونوں کی ہدایات پر عمل کرتا رہے گا۔"

وہ میری امی سے لگا بیٹھا تھا اور وہ اس کی پیشانی کو چوم کر اس کا سر سہلا رہی تھیں۔ وہ ممتا سے محروم تھا' مجھے یقین تھا کہ امی اس کی یہ محرومی دور کرتی رہیں گی۔ میں نے ان سے پوچھا۔ "عامر! کیا تم اپنا بیگ کھول کر دکھاؤ گے۔"

وہ اسے کھول کر کپڑے' کتابیں اور بہت مہنگے کھلونے نکال کر دکھانے لگا۔ ان کھلونوں میں ایک چھوٹے سائز کی البم بھی رکھی ہوئی تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

"اس میں میری اور ممی کی تصویریں ہیں اور اس میں وہ آدمی بھی ہے۔"

وہ باپ کو باپ نہیں کہہ رہا تھا۔ اس کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اس وقت بھی اسے ڈیڈی نہیں آدمی کہہ رہا تھا۔ میں نے اس البم کو کھول کر دیکھا۔ پہلی تصویر ماں بیٹے کی تھی۔ میں نے حُسن بانو کو فیشن میگزین میں دیکھا تھا۔ عامر کے ساتھ دیکھتے ہی پہچان گیا۔ میں ایک ایک تصویر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دونوں ماں بیٹے کی ہنستی کھیلتی تصویریں تھیں۔ ایک تصویر میں ایک قد آور اور باوقار شخص کو دیکھ کر میں چونک گیا۔

میں نے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولا۔ "ڈیڈی ہیں.........."

میں نے پوچھا۔ "ڈیڈی.........؟ یہ تمہارے ڈیڈی ہیں.........؟ کیا ان کا ہی نام عالم تابانی ہے؟"

وہ منہ پھیر کر بولا۔ "جی ہاں۔ میں نے اس البم سے ان کی تصویر پھاڑ کر پھینک دی ہے۔ یہ تصویر ممی کے ساتھ ہے۔ میں اسے پھاڑ نہیں سکتا۔ اپنی ممی سے اس آدمی کو الگ نہیں کرسکتا۔ اس تصویر میں میری ممی بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ میں اس آدمی کی تصویر پر ہاتھ رکھ کر اس کا منہ چھپا کر اپنی ممی کی تصویر کو دیکھتا ہوں۔"

حُسن بانو واقعی حُسن کا شاہکار تھی۔ اس نے فر کا کوٹ پہن رکھا تھا اور فر کے کوٹ کا کاروبار یہاں سے اوور سیز تک ماجد خان کرتا تھا۔

حُسن بانو ان بے شمار ایکسپورٹ ہونے والے فر کوٹ کے پیچھے کہیں چھپی ہوئی تھی۔ میں نے طے کرلیا۔ جب تک اسے ڈھونڈ نہیں لوں گا۔ تب تک عامر کا ذکر اپنے سائے سے بھی نہیں کروں گا۔ اپنی جان حیات اریبہ کو بھی اس کی بازیابی کے بارے میں نہیں بتاؤں گا اور منیر ہاشمی سے بھی اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسے بچے سے نہیں صرف حُسن بانو سے دلچسپی ہے اور وہ بچہ جلد ہی حُسن بانو کو میرے قریب لانے والا تھا۔

☆======☆======☆

میں رات ہی کار ڈرائیو کرتا ہوا چار بجے فریالی واپس آگیا۔ میں نے رات کے ایک بجے اریبہ کو فون کیا تھا۔ وہ میرے انتظار میں جاگ رہی تھی۔

اس نے پوچھا۔ "کہاں رہ گئے ہو' کیا واپس نہیں آؤ گے؟"

میں نے جھوٹ کہہ دیا۔ "میرے کلائنٹ منیر ہاشمی سے مزید پانچ لاکھ کی وصولی کے سلسلے میں باتیں ہو رہی ہیں۔ میں صبح سے پہلے واپس نہیں آسکوں گا۔ تم بہت یاد آرہی ہو مگر کیا کروں' میری مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے' سو جاؤ۔"

تقریباً دو بجے منیر ہاشمی نے فون پر پوچھا۔ "تم جاگ رہے ہو؟"

"فون اٹینڈ کر رہا ہوں تو اس کا مطلب ہے جاگ رہا ہوں۔ کیا حُسن بانو تک پہنچ گئے؟"

وہ بیزاری سے بولا۔ "اس بے وفا کا سایہ تک دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ میرے اس جاسوس کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ یہ جاسوس کہلانے والے بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم بھی مجھ بڑی رقم لے کر گئے ہو لیکن اب تک حُسن بانو کا ناخن بھی نہیں دیکھ سکے۔"

"کسی جاسوس کے ہاتھ میں طلسمی چراغ نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنی ذہانت اور حکمت عملی سے اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا پڑتا ہے۔ میں نے بڑی رقم لی ہے تو کام بھی دکھاؤں گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ میں دو دنوں کے اندر اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

"یہ کہہ کر تم میرا دل خوش کر رہے ہو۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ بتاؤ فر کے کوٹ کے بیوپاری ماجد خان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ یہاں بڑے خوبصورت ڈیزائن کے فر کوٹ تیار کراتا

ہے۔ یورپ کی مارکیٹ میں اس کی بڑی ڈیمانڈ ہے۔ حُسن بانو فر کوٹ کے ایڈز میں کام کرتی رہی ہے۔ بائی دا وے تم ماجد خان کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس کے ذریعے حُسن بانو تک پہنچ سکوں گا۔"

"تم اپنا وقت ضائع کرو گے۔"

"اگر میں پورے یقین سے کہوں کہ وہ تمہارا رقیب ہے تو..........؟"

"مجھے بھی اتنی عقل ہے۔ ماجد خان فر کوٹ کے ایڈز میں اب تک کروڑوں روپے حُسن بانو کو دے چکا ہے۔ وہ ضرور اسے پھانس چکا ہے۔ اسی رقیب نے اسے کہیں چھپا رکھا ہے۔ میں ماجد خان کو یہاں سے یورپ اور امریکا تک تلاش کر رہا ہوں۔ جس دن وہ مل جائے گا' اس کے پیچھے چھپی ہوئی حُسن بانو بھی مل جائے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ وہ عاشقی اور دیوانگی کی انتہا کر رہا تھا۔ حُسن بانو کو پالینے کے لئے یورپ اور امریکا تک ماجد خان کو بھی تلاش کر رہا تھا۔ پتا نہیں کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ روپے صرف ایک حُسن و شباب کی خاطر لٹا رہا تھا۔

بہرحال میں صبح چار بجے فریالی ٹاؤن پہنچ گیا۔ ابھی رات کی تاریکی باقی تھی۔ سردی کے باعث شبنمی دھند چھائی ہوئی تھی۔ اسٹریٹ لیمپس کی روشنیاں دھندلا گئی تھیں۔ میں ایک اسٹریٹ سے گزر رہا تھا۔ میری کار کی رفتار سُست تھی۔ میں نے اور سُست کر دی۔ ہیڈ لائٹس بجھا دیں کیونکہ زہرہ جمال کے بنگلے کے سامنے ایک کار نظر آرہی تھی۔ وہ اس کار کی کھڑکی پر جھکی ہوئی کسی سے باتیں کر رہی تھی۔

مجھ سے کافی فاصلہ تھا۔ میں نے کار روک دی۔ اتنی دُور سے میں زہرہ جمال اور کسی اور کو دھندلکے میں پہچان نہیں سکتا تھا۔ ایک اندازہ تھا کہ وہ زہرہ جمال ہوگی۔ کیونکہ وہ اسی کا بنگلا تھا۔ چند منٹ کے بعد وہ گاڑی وہاں سے جانے لگی۔ دھند میں آگے والے کو تعاقب کا اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اگلی کار اریبہ کے بنگلے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اس بنگلے کے سامنے رک گئی۔ شاید کار والے نے فون کے ذریعے ظہیر اکبر سے رابطہ کیا ہوگا۔ وہ دروازہ کھول کر بنگلے سے باہر آیا۔ تیزی سے چلتا ہوا اس کار میں آکر بیٹھ گیا۔ وہ کار پھر آگے جانے لگی۔ اب اس کا رخ اس گودام کی طرف تھا جہاں فر کے کوٹ پیک کر کے رکھے جاتے تھے۔

اس گودام کے آگے پہلے سے ایک کار آ کر رکی ہوئی تھی۔ اس کار سے زہرہ جمال اور مشیر احمد باہر آ کر ایک دفتر کے کمرے کی طرف جارہے تھے۔ زہرہ جمال نے شوخ رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کی پلاننگ کچھ سمجھ میں آ رہی تھی۔ زہرہ جمال اپنی کار میں عالم تابانی کے مشیر' مشیر احمد کو لے کر آئی تھی اور جس گاڑی کا تعاقب میں کر رہا تھا' اس میں سے ظہیر اکبر اور جلال الدین آزاد باہر آ کر اس دفتر میں جارہے تھے۔ کسی اہم مسئلے نے ان کی نیندیں اُڑا دی تھیں۔ وہ سب گودام والے دفتر میں جمع ہو رہے تھے۔

یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ زہرہ جمال' ظہیر اکبر اور مشیر احمد یہ تینوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ یہ تینوں عالم تابانی کے وفادار اور رازدار ہیں۔ انہوں نے پچھلی بار حُسن بانو کے بیٹے سے لاعلمی ظاہر کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ عالم تابانی کے اہم رازوں کے امین ہیں۔

اب وہاں جلال الدین آزاد کی موجودگی نے مجھے چونکا دیا۔ وہ ایک سماجی لیڈر تھا۔ منشیات کے خلاف تحریک چلاتے رہنے کے باعث شمالی علاقہ جات میں بہت مشہور ہو گیا تھا۔ ان علاقوں کی پولیس اور انتظامیہ بھی اس کی عزت کرتی تھی اور انسداد منشیات کے سلسلے میں اس سے تعاون کرتی تھی۔

میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ ان پُراسرار کاروباریوں سے ایک سماجی رہنما کا کیا تعلق؟ میں نے اپنی کار کو اس گودام سے بہت دور روکا تھا۔ وہاں سے دبے قدموں چلتا ہوا اس دفتر کے قریب آ کر ایک نائٹ چوکیدار کے کیبن کے پیچھے چھپ گیا۔ زہرہ جمال نے اس چوکیدار سے کہا۔ "ہمارے لئے گرم کافی لے آؤ۔"

وہ کیبن سے نکل کر اندر کچن کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں ایک ایک قدم جما کر چلتا ہوا اس دفتر کی کھڑکی کے پاس آیا۔ وہاں آ کر کان لگا کر سننے لگا۔ باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جلال الدین آزاد ان لوگوں سے پوچھ رہا تھا۔ "کیا یہ اطلاع تابانی صاحب نے دی ہے؟"

مشیر احمد نے کہا۔ "ہاں ابھی آدھا گھنٹہ پہلے انہوں نے فون پر بتایا کہ اس بچے کو ایبٹ آباد میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ وہاں ایک عیسائی عورت اور مرد کو اس کی نگرانی کے لئے رکھا گیا تھا لیکن اچانک ہی کسی شخص نے ان پر حملہ کیا۔ اس شخص کے دونوں

بازوؤں کو زخمی کیا پھر عامر کو وہاں سے لے گیا۔ اس بچے کو رات گیارہ بجے اغوا کیا گیا تھا لیکن اس زخمی ہونے والے شخص نے تقریباً پانچ گھنٹے بعد تابانی صاحب کو اطلاع دی۔ وہ مجبور تھا۔ زخمی ہونے کے باعث اسپتال والے پولیس کی اجازت کے بغیر اس کی مرہم پٹی نہیں کر رہے تھے۔ اس کے بعد پولیس والے اسے پریشان کرتے رہے تھے۔"

ظہیر اکبر نے کہا۔ "پولیس والوں کو جہنم میں جانے دو! اس زخمی نے بچے کو اغوا کرنے والے کا کچھ حلیہ بتایا؟"

وہ تقریباً چھ فٹ کا جوان تھا۔ صحت مند تھا۔ اس نے جینز پر بلیک جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ سر کے بال کسی حد تک سنہری تھے۔

وہاں میرا حلیہ بیان کیا جارہا تھا۔ اس وقت بھی میں وہی لباس پہنے ہوئے تھا اور میرے سر کے بال کسی حد تک سنہری تھے۔ مشیر احمد کہہ رہا تھا۔ "ایسے لباس اور ایسے بالوں والا فریالی ٹاؤن میں ہی موجود ہے۔ یہاں کسی کرائے کے کاٹیج میں اسے تلاش کیا جائے تو وہ ضرور ملے گا۔"

عالم تابانی جہاں بھی تھا۔ وہاں سے انہیں صحیح طور پر گائیڈ کر رہا تھا۔ اس کی نظر مجھ پر بھی تھی۔ ظہیر اکبر نے کہا۔ "ہمیں فوراً اپنے مسلح حواریوں کو کال کرنا ہوگا۔ وہ لوگ اسے کسی کاٹیج سے ڈھونڈ کر نکالیں گے۔ اس نے بچے کو یہیں فریالی میں چھپا رکھا ہوگا۔"

ان میں سے کسی کے فون کا بزر سنائی دیا پھر زہرہ جمال کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو! میں زہرہ بول رہی ہوں۔"

پھر وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگی۔ اس کے بعد بولی۔ "سر! مسٹر تابانی آپ کو کیوں پریشان کر رہے ہیں؟ آپ تو لندن میں ہیں۔ بچے کو نہ آپ نے اغوا کیا ہے نہ کرایا ہے۔"

وہ پھر دوسری طرف کی باتیں سننے لگی پھر بولی۔ "اگر مسٹر تابانی کہتے ہیں کہ بچے کو آپ نے یہاں فریالی میں چھپا رکھا ہے تو ہم یہاں کے ایک ایک گھر کی تلاشی لیں گے۔ بچہ ملے گا تو اسے مسٹر تابانی کے حوالے کر دیں گے۔"

وہ پھر دوسری طرف کی باتیں سن کر بولی۔ "جی ہاں! مسٹر تابانی انتقاماً آپ کے کاروبار کے خلاف مصیبتیں کھڑی کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں ایسا کرنے کا موقع نہیں دیں گے۔ اس

سے پہلے ہی بچے کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ جی.......... جی ہاں.......... وہ تو شک کرتا ہے کہ حُسن بانو کو آپ نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں اور ظہیر اکبر اس کی یہ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں آپ کو دو گھنٹے بعد فون کروں گی۔"

فون کا رابطہ ختم ہوگیا۔ اب وہ بول رہی تھی۔ "آپ سب سمجھ گئے ہوں گے۔ ہمارے باس ماجد خان تھے۔ ایک تو مسٹر تابانی پہلے ہی شک کر رہے تھے کہ ماجد خان نے حُسن بانو کو بہت بڑی آفر دے کر ان سے چھین لیا ہے اور اسے چھپا کر رکھا ہے اور اب بچے کے اغوا کے سلسلے میں بھی انہی پر شک کر رہے ہیں۔"

مشیر احمد نے کہا۔ "میں اپنے باس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کا شک غلط نہیں ہوگا۔ وہ جینز اور کالی جیکٹ اور سنہری بالوں والا ضرور ماجد خان کا کوئی زر خرید بندہ ہوگا۔ ظہیر صاحب! آپ ابھی مسلح حواریوں کو کال کریں۔"

مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں فوراً ہی پلٹ کر کیبن کے پیچھے چلا گیا۔ وہ نائٹ چوکیدار ان کے لئے کافی تیار کر کے لایا تھا۔ جیسے ہی وہ کافی کی ٹرے لے کر اندر گیا میں کیبن کے پیچھے سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا اپنی کار میں آ کر بیٹھ گیا' پھر اسے اسٹارٹ کر کے ڈرائیو کرتا ہوا اپنے کاٹیج کی طرف جانے لگا۔ وہاں تک جانے کے لئے میں نے فریالی کے باہر سے گزرنے والا راستہ اختیار کیا۔ اس راستے کے ایک طرف ہزاروں فٹ گہری کھائی تھی۔ میں نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔ اس کا دروازہ کھول کر باہر کھائی کی طرف آیا۔ اپنی جیکٹ کی جیبیں خالی کر کے پھر اسے تہہ کر کے باؤلنگ کے انداز میں دور پھینکا پھر ذرا آگے بڑھ کر سر جھکا کر دیکھا وہ سیاہ جیکٹ ہزاروں فٹ کی گہرائی میں لہراتی ہوئی جا رہی تھی۔

میں نے جو جینز پہنی ہوئی تھی' اس ایک کے علاوہ میرے پاس دوسری قسم کی پتلون' کوٹ اور شرٹس وغیرہ تھیں۔ میں نے اندر نیکر پہنی ہوئی تھی۔ جینز کو اتار کر اسے بھی کھائی میں پھینک دیا پھر کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ اسے اسٹارٹ کر کے ڈرائیو کرتا ہوا اس کرائے کے کاٹیج میں پہنچ گیا۔ صبح کا اجالا پھیل رہا تھا لیکن شبنمی دھند کے باعث آس پاس واضح طور پر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسی دھند میں کسی نے مجھے نہیں دیکھا۔

میں نے کاٹیج کے اندر آ کر اپنے بیگ سے شلوار قمیض نکالی پھر اسے پہننے کے بعد

انسپکٹر دلاور خان کو فون پر مخاطب کیا۔ وہ سو رہا تھا۔ نیند سے اٹھ کر بیزاری سے بولا۔ "کیا مصیبت ہے۔ تم کسی دوسرے وقت فون نہیں کر سکتے تھے۔ پچھلی رات آئی جی صاحب دو بجے تک جگاتے رہے۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے میری آنکھ لگی تھی۔ اب تم نے جگا دیا۔ بولو کیا بات ہے؟"

"تم نے کہا تھا۔ میری حفاظت کے لئے دو مسلح سپاہی بھیج دو گے۔ کہاں ہیں وہ سپاہی؟ کیا میں اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو جاؤں گا تب وہ فاتحہ پڑھنے آئیں گے۔"

"تم اتنی جلدی مرنے والوں میں سے نہیں ہو۔ خواہ مخواہ اتنی سی بات کے لئے میری نیند خراب کر دی۔"

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔ میری جان کو خطرہ ہے۔ میں اپنے کاٹیج میں ہوں۔ یہاں کسی وقت بھی مجھ پر حملہ ہو سکتا ہے۔ تم ابھی دو مسلح سپاہیوں کو یہاں بھیج دو۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ دو مسلح سپاہی آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے اور خبردار دوپہر تک مجھے فون نہ کرنا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے کاٹیج کے دروازے کو اندر سے بند کر کے اپنا ریوالور چیک کیا۔ اس کی دو گولیاں ایبٹ آباد میں کام آئی تھیں۔ اس میں چار رہ گئی تھیں۔ میں نے دو اور ڈال دیں۔ وہ ریوالور پوری طرح لوڈ ہو گیا۔ میں نے اسے تکئے کے نیچے رکھا پھر آرام سے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ میرے چاہنے والے کسی وقت بھی آنے والے تھے۔ یہ بات میرے لئے پریشان کن تھی کہ عالم تابانی مجھے کہیں سے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کی نظروں میں آگیا تھا۔ میں جس شخص کو زخمی کر کے بچے کو وہاں سے لے گیا تھا' اس شخص نے میرا حلیہ بیان کیا ہے لیکن عالم تابانی نے میرا حلیہ سن کر یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں فریالی ٹاؤن میں کہیں ہوں۔

میرے اس سوال کا جواب وہی دے سکتا تھا اور میں اسے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ سیر پر سوا سیر ہوں۔ میں اس روپوش رہنے والے کو بڑی آسانی سے بے نقاب کر سکتا تھا لیکن اسے بے نقاب کرنے سے پہلے حُسن بانو کو ڈھونڈ نکالنا بہت ضروری تھا۔

حُسن بانو ہی ایک بیوی کی حیثیت سے اسے شناخت کر سکتی تھی۔ پتا نہیں وہ کس کی

پناہ میں تھی۔ اپنے بچے کی خاطر عالم تابانی کی دی ہوئی مہلت کے مطابق اگلے ماہ کی چھ تاریخ سے پہلے تابانی کے سامنے پیش ہونے والی تھی۔

اب اگر اسے معلوم ہوجائے کہ اس کا بیٹا ایک قسائی باپ کی قید میں نہیں ہے۔ اب وہ معصوم کسی مہربان کی پناہ میں آگیا ہے تو پھر وہ تابانی کے سامنے نہیں جھکے گی بلکہ اسے اپنے سامنے جھکا دے گی۔

مسئلہ یہ تھا کہ حسن بانو کو یہ حقیقت کیسے بتائی جائے۔ اس کا نہ کوئی فون نمبر تھا اور نہ ہی کوئی ای میل ایڈریس تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بے چینی سے سوچنے لگا' کسی بھی طرح یہ حقیقت حسن بانو کو معلوم ہونی چاہئے۔ اس طرح ایک ماں کے دل کو ٹھنڈ بھی پہنچے گی' تابانی کی بلیک میلنگ سے نجات بھی حاصل کرلے گی اور اپنے بچے کی خاطر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے گی۔

میں نے اپنا موبائل فون اٹھا کر ایک صحافی دوست سے رابطہ کیا۔ وہ ایک مشہور و معروف روزنامے کا معاون مدیر بھی تھا۔ میں نے رابطہ ہونے پر کہا۔ "امجد صاحب! میں ایڈووکیٹ عبید نیازی بول رہا ہوں۔"

اس نے کہا۔ "آہا......... نیازی صاحب! بہت دنوں بعد میری یاد آئی' خیریت تو ہے؟"

"میں اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر چھپوانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ خبر آج شائع ہوسکے گی؟"

"شام کے اخبار میں شائع ہوسکے گی اور صبح کے اخبار میں کل شائع ہوسکے گی۔ ویسے خبر کیا ہے؟"

"لکھنا یہ ہے کہ ایک ماں کے نام......... اس ماں کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ اس کا بیٹا ایک قسائی باپ کی قید میں نہیں ہے۔ وہ ایک محفوظ پناہ گاہ میں پہنچ گیا ہے۔ وہ ماں اس قسائی کی بے بسی معلوم کرسکتی ہے۔"

وہ بولا۔ "یہ تو بہت ہی چونکا دینے والی سسپنس فل خبر ہے۔ آپ ایسی خبر کیوں شائع کرانا چاہتے ہیں؟ کیا یہ سچی خبر ہے؟"

"ہاں......... خبر سچی ہے لیکن اس کے لئے راز داری شرط ہے۔ ایک مظلوم ماں نے مجھ سے فون پر کہا تھا کہ اس کے شوہر نے اس کے بیٹے کو اغوا کرکے کہیں قید کردیا

ہے۔ اس سے کوئی ایسی بات منوانا چاہتا ہے جسے وہ ماننا نہیں چاہتی۔ بات نہ ماننے کی صورت میں وہ اس کے بیٹے کو قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"کیا وہ ماں یہ چاہتی تھی کہ آپ اس بچے کو تلاش کریں۔"

"ہاں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ فون پر بات نہ کرے۔ میرے روبرو آئے لیکن وہ ظالم شوہر کے خوف سے کہیں چھپی ہوئی ہے۔ اتفاق سے ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بچہ اب اپنے ظالم باپ کی قید میں نہیں ہے۔ ایک محفوظ پناہ گاہ میں ہے۔ اس ماں نے اپنا کوئی فون نمبر بھی نہیں دیا تھا اس لئے یہ خبر چھپوانے کی ضرورت پیش آرہی ہے۔"

"ماں بیٹے کو ملانے کے لئے یہ خبر ضرور شائع ہونی چاہئے لیکن چیف ایڈیٹر اور مالکان اخبار مجھ سے سوال کریں گے کہ یہ تجسس پیدا کرنے والی خبر کس نے شائع کرائی ہے؟ کیا مجھے آپ کا نام بتانا چاہئے؟"

"ہرگز نہیں......... ان کے ذریعے اس ظالم شوہر کو میرا پتا معلوم ہوگا تو وہ میری جان کا دشمن ہوجائے گا۔"

"تو پھر میں کس کا نام پتا بتاؤں؟"

"کوئی فرضی نام بتادیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص اس خبر کی اشاعت کے لئے اس کا مقررہ معاوضہ اور اپنا نام پتا دے کر گیا ہے۔ یہ خبر مسلسل ایک ہفتے تک شائع کریں۔ میں اس خبر کا معقول معاوضہ دوں گا۔"

میں نے اسے اپنا موبائل نمبر دے کر پھر ایک بار تاکید کی کہ اس سلسلے میں کسی سے میرا ذکر نہ کیا جائے۔ پھر گھر فون کرکے امی سے عامر کی خیریت دریافت کی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان سے مانوس ہوگیا ہے اور ابھی آرام سے سو رہا ہے۔

میں نے فون بند کیا' دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے دروازے کے پاس آکر پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی۔ "نیازی صاحب! ہم تھانے سے آئے ہیں۔"

میں نے دروازے کی ڈور آئی سے آنکھ لگا کر دیکھا۔ ایک سپاہی دکھائی دیا۔ دروازہ کھولنے پر دو مسلح سپاہی دکھائی دیئے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا۔ میں نے کہا۔ "میں تقریباً چھ گھنٹے تک سوتا رہوں گا۔ تم یہاں سے دو کرسیاں لے جاؤ اور باہر بیٹھے رہو۔ کوئی

خطرے کی بات ہو تو مجھے جگا دینا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی ایک جیپ کار میں مسلح شخص آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ دور دور بنے ہوئے کاٹیجز کے اندر جا رہے تھے۔ اس جیپ کے ساتھ ایک کار تھی۔ اس میں مشیر احمد' زہرہ جمال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں مجھے کاٹیج کے دروازے پر دیکھ کر میرے پاس آئے۔

زہرہ جمال مسکرا کر بولی۔ "مسٹر نیازی! آپ اس کاٹیج میں ہیں؟"

وہ دونوں میرے سر کے بالوں کو دیکھ رہے تھے کیونکہ وہ سنہری تھے۔ میں نے کہا۔ "میں تو یہاں ہوں لیکن یہ آپ کے آدمی ایک ایک کاٹیج میں کیوں جا رہے ہیں؟ جیسے تلاشی لے رہے ہوں۔"

وہ بولی۔ "ہمارے ایک درجن فر کے کوٹ چوری ہوگئے ہیں۔ ان کی مالیت تقریباً سات لاکھ روپے ہے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "ایک درجن کوٹ کی قیمت سات لاکھ روپے؟ کیا فر کے کوٹ میں ہیرے موتی جڑے ہوئے ہیں۔"

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے فوراً بات بنائی۔ "میں ایک درجن کی نہیں' پورے اسٹاک کی مالیت بتا رہی ہوں۔ آپ کو تو ایڈووکیٹ نہیں جاسوس ہونا چاہئے۔"

"آپ کی یہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔ حالات مجھے جاسوس بنا رہے ہیں۔ میں کل رات جاسوسی کے سلسلے میں انسپکٹر دلاور خان کے ساتھ مصروف رہا۔ جاسوس بنتے ہی میرے لئے خطرات پیدا ہوگئے ہیں اس لئے دو مسلح گارڈ میرے ساتھ رہنے لگے ہیں۔"

انہوں نے مسلح سپاہیوں کو دیکھا پھر مشیر احمد نے کہا۔ "مسٹر نیازی! آپ کچھ خیال نہ کریں۔ ہم آپ کے کاٹیج کی بھی تلاشی لینا چاہیں گے؟"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ سرچ وارنٹ لائے ہیں؟"

زہرہ جمال نے کہا۔ "فریالی ٹاؤن میں ہمارا قانون چلتا ہے۔ میں ابھی آئی جی کو فون کروں گی تو وہ خود پولیس فورس کے ساتھ آکر یہاں کی تلاشی لیں گے۔"

میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "مجھے اندازہ ہے کہ ان علاقوں میں آپ لوگوں کی حکمرانی ہے۔ میں بات نہیں بڑھاؤں گا۔ آپ دونوں اندر آکر تلاشی لے سکتے ہیں لیکن یہ

جو مسلح بدمعاش دکھائی دے رہے ہیں' انہیں میں کاٹیج میں گھسنے نہیں دوں گا۔"

وہ دونوں اندر آکر دیکھنے لگے۔ وہ دو کمروں کا کاٹیج تھا۔ فرنیچر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کرائے دار چند ہفتوں یا مہینوں کے لئے آتے تھے۔ چلے جاتے تھے لہٰذا فاضل یا غیر ضروری سامان نہیں تھا۔ میرا ایک سفری بیگ تھا۔ میں نے اسے کھول کر بیڈ پر الٹ دیا۔ اس کا سامان باہر بکھر گیا۔ انہیں جینز اور کالی جیکٹ دکھائی نہیں دی۔ کسی کمرے میں یا بیڈ کے نیچے بچہ نظر نہیں آیا۔

میں نے کہا۔ "اگر تسلی ہوگئی ہو تو آپ تشریف لے جائیں۔"

انہوں نے مجھے ناگواری سے دیکھا پھر باہر جا کر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد میرے والد نے فون پر بتایا کہ تین آدمی وہاں آئے تھے۔ ایک نے سی آئی ڈی ڈیپارٹمنٹ کا کارڈ دکھایا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایک افسر ہے اور ایک اغوا کئے ہوئے بچے کو تلاش کر رہا ہے۔ میرے والدین پریشان ہوگئے تھے۔ انہوں نے جبراً مکان میں گھس کر عامر کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

میرے والدین حیران و پریشان تھے۔ عامر مکان کے اندر تھا لیکن کہیں غائب ہوگیا تھا۔ میرے والدین نے ان تینوں کے سامنے اقرار نہیں کیا کہ ان کے گھر میں کسی بچے کو لایا گیا ہے۔ اس افسر نے جھنجلا کر کہا۔ "ہمیں یہ پکی خبر ملی ہے کہ پچھلی رات یہاں ایک بچے کو لایا گیا ہے۔ آپ نے اسے کسی دوسری جگہ چھپا دیا ہے۔"

میرے والد نے کہا۔ "آپ کے اس طرح الزام دینے سے ہم اغوا کرنے والے مجرم ثابت نہیں ہو سکیں گے۔ ہم عزت دار لوگ ہیں اور جرائم سے پاک زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر آپ پریشان کریں گے تو ہم بھی جوابی کارروائی کرنا جانتے ہیں۔"

وہ تینوں وہاں سے چلے گئے۔ میرے والدین پریشان ہوتے رہے کہ عامر کہاں غائب ہوگیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ چھت سے اتر کر آیا۔ انہوں نے خوش ہو کر پوچھا۔ "تم چھت پر تھے؟"

وہ بولا۔ "جب وہ تینوں باہر گاڑی سے اتر کر آ رہے تھے۔ تب میں نے دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک میرے ڈیڈی تھے۔ مجھے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملی' میں چھت پر چلا گیا۔"

میری والدہ نے کہا۔ "بیٹے فوراً اپنے بیگ میں سامان رکھو۔ میں تمہیں اپنی بہن کے گھر چھوڑ کر آؤں گی پھر کوئی تمہاری تلاش میں وہاں تک نہیں پہنچے گا۔"

میرے والد نے فون پر یہ سب کچھ بتایا۔ امی' عامر کو لے کر خالہ کے گھر چلی گئی تھیں۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد میں نے اپنی ذہانت کا ماتم کیا۔ میں نے پہلے یہ کیوں نہیں سوچا کہ عالم تابانی یہاں کاٹیج میں میری رہائش کے بارے میں جانتا ہے تو اور بھی بہت کچھ جان سکتا ہے اور بچے کی تلاش میں میرے گھر تک پہنچ سکتا ہے۔"

بہرحال مجھ سے ایک بڑی غلطی ہوگئی تھی اور اس غلطی کو ایک بچے نے سنبھال لیا تھا۔ دن کے نو بج چکے تھے اور مجھے اب تک سونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے مسلح سپاہیوں سے کہا۔ "اب کوئی بھی آئے تو کہہ دینا میں سو رہا ہوں۔ دوپہر دو بجے کے بعد ملاقات کروں گا۔"

انہیں یہ تاکید کرکے میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر بستر پر آگیا۔ پچھلی رات سے بڑی بھاگ دوڑ ہوتی رہی۔ اب ذرا کمر سیدھی کرسکتا تھا۔ میں نے چاروں شانے چت لیٹ کر ہاتھ پاؤں پھیلائے۔ آنکھیں بند کرلیں۔ ہائے نیند بھی کیا چیز ہے۔ انسان کو نیند میں سب سے زیادہ سکون ملتا ہے۔ بشرط یہ کہ خطرے کی گھنٹی نہ بجے۔

گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ میرے فون کا بزر بول رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے آنکھ بند کرتے ہی آنکھ کھل گئی ہو لیکن گھڑی دیکھی تو ایک بجا تھا۔ میں چار گھنٹے تک سوتا رہا تھا۔

میں نے اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو کون.........؟"

ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "تم بہت ہوشیار بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"

میں نے کہا۔ "تم جیسے لوگوں سے ہوشیاری سیکھ رہا ہوں۔ اپنی ہوشیار پر توجہ دو۔ آواز بدل کر بول رہے ہو۔ کیا تمہیں اندیشہ ہے کہ میں تمہاری اصل آواز سن کر تمہیں پہچان لوں گا؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ بچہ کہاں ہے؟"

"پیدا کرکے چھوڑ دیتے ہو اور دوسروں سے پوچھتے پھرتے ہو۔ تمہارے اس سوال نے بتا دیا ہے کہ تم عالم تابانی ہو۔"

"بچہ کہاں ہے؟ میں آگ ہوں' مجھ سے نہ کھیلو۔"

"میں آگ پروف ہوں۔ میری فکر نہ کرو۔"

"کیا مرنا چاہتے ہو؟"

"بچہ حاصل کئے بغیر تو تمہارا باپ بھی مجھے نہیں مارے گا۔ خواہ مخواہ میرے گھر تک دوڑے گئے تھے۔ مجھے اتنا بھی نادان نہ سمجھو کہ میں اسے جیب میں لئے پھروں گا اور تم آسانی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے نکال لے جاؤ گے۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی میں نے پوچھا۔ "پڑ گئے نا الجھن میں؟"

وہ بولا۔ "بچے کی قیمت بتاؤ۔ اتنے نوٹ دوں گا کہ گنتے گنتے تھک جاؤ گے۔"

"بھئی تھکانے والی بات نہ کرو۔ میں تو حُسن بانو کو تلاش کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اب تو وہ ضرور ملے گی۔ بچے کی خاطر مجھ سے رابطہ کرے گی پھر میں اس سے پوچھوں گا کہ وہ تم سے زیادہ رقم دے سکے گی یا نہیں؟ وہ نہ دے سکی تو پھر تم سے سودا کروں گا۔"

"مجھ سے زیادہ رقم تمہیں کوئی نہیں دے سکے گا۔"

"بات صرف رقم کی نہیں ہے۔ میں اس سے کچھ اور بھی حاصل کروں گا؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اس سے اور کیا حاصل کرو گے؟ اپنی اوقات دیکھو۔ وہ تمہیں گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔"

"فی الحال تو تمہیں گھاس نہیں ڈل رہی ہے۔ یہی تمہاری اوقات ہے۔"

"کیا تم کام کی بات نہیں کرو گے؟"

"کیا سودے بازی میں وہ جو کچھ مجھے دے گی' وہ تم دے سکتے ہو؟ غلط نہ سمجھو' میں نیک نیتی سے کہہ رہا ہوں۔"

"تم اس سے رقم کے علاوہ اور کیا لینا چاہتے ہو؟"

"رقم نہیں لوں گا۔ اسے ایک بیٹا دے کر ماں کی دعائیں لوں گا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں تمہیں دس لاکھ روپے دوں گا۔"

"صرف دس لاکھ؟"

"بیس لاکھ لے لو۔ پچیس لے لو۔ پچاس لے لو۔ تم نے کبھی پچاس لاکھ روپے

نہیں دیکھے ہوں گے۔"

"تم ایک بچے کی قیمت دے رہے ہو۔ میں ایک ماں کی قیمت چاہوں گا۔ کیا اتنا خزانہ ہے تمہارے پاس کہ ممتا کو خرید سکو؟"

وہ حلق کے بل دہاڑتے ہوئے بولا۔ "فلمی مکالمے نہ بولو۔ بچہ نہ ملا تو تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"غصے میں اب تم اصل آواز میں بول رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں پہچان لوں۔"

اس نے فوراً ہی رابطہ ختم کردیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنا فون بند کردیا پھر غسل خانے میں چلا گیا۔ دن کے دو بج رہے تھے۔ بھوک لگ رہی تھی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر لباس پہن رہا تھا۔ ایسے وقت پھر موبائل فون بولنے لگا۔ میں نے اس کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ "ہیلو؟"

اریبہ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو کے بچے! کہاں ہو تم۔ تمہارے کاٹیج کا دروازہ بند ہے اور سپاہی کہہ رہے ہیں کہ تم دو بجے سے پہلے کسی سے نہیں ملو گے؟"

میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہ باہر اپنی کار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ موبائل کان سے لگائے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مجھے دیکھ کر رک گئی۔ میری طرف آتے ہوئے بولی۔ "تم تو وی آئی پی بن گئے ہو۔ اپنے دروازے پر ایک نہیں دو گارڈز رکھتے ہو۔"

وہ اندر آئی۔ میں نے دروازہ بند کرتے ہی اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ وہ کسمساتے ہوئے بولی۔ "کیا کرتے ہو' چھوڑو بھی.........."

"کل رات نہ آسکا۔ پچھلی رات کا قرضہ وصول کرلینے دو۔"

"اس نے قرضہ ادا نہیں کیا۔ صرف سود ادا کرکے الگ ہوگئی پھر بولی۔ "اب بتاؤ کل رات کہاں رہے؟"

"کل رات سے بھوکا ہوں۔ باہر کسی ریسٹورنٹ میں چلو۔ باتیں وہیں ہوں گی۔"

ہم دروازہ کھول کر باہر آئے۔ میں نے سپاہیوں سے کہا۔ "اب چھٹی کرو پھر ضرورت ہوئی تو بلالوں گا۔"

ہم کار میں آکر بیٹھ گئے۔ وہ کار اسٹارٹ کرکے ڈرائیو کرنے لگی۔ میں نے پوچھا۔

"تم جلال الدین آزاد کو کب سے جانتی ہو؟"

"یہی کوئی تین ماہ سے جانتی ہوں۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تمہیں یہ سن کر دکھ ہوگا کہ وہ جیسا نظر آتا ہے' ویسا نہیں ہے۔ وہ عالم تابانی کا چمچہ ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔ ایک نیک اور دیانت دار لیڈر کے خلاف ایسی باتیں نہ کرو۔"

"میں نے اپنی زندگی میں آج تک کوئی دیانت دار لیڈر دیکھا ہی نہیں ہے۔ دوسرے ملکوں میں ایسے لیڈر ہوں گے لیکن ہم پاکستانیوں کے نصیب میں کوئی ایسا نہیں ہے۔"

"تم آزاد صاحب کے خلاف کیوں بول رہے ہو؟"

"تمہیں اس آٹھ برس کے بچے کی روداد بڑی حد تک معلوم ہے۔ وہ بچہ کل رات اپنے ظالم باپ کی قید سے رہائی پاچکا ہے۔ کسی محفوظ پناہ گاہ میں پہنچ گیا ہے۔ یہاں کی تین معزز ہستیاں اسے تلاش کرکے پھر اسے ظالم کی قید میں پہنچانا چاہتی ہیں۔ ان میں سے ایک زہرہ جمال ہے۔ دوسری ہستی ہے جلال الدین آزاد اب تیسری ہستی کا نام لوں گا تو تم کبھی یقین نہیں کروگی لیکن یہ بات تمہارے علم میں لانا ضروری ہے۔ اس لئے تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ تیسری ہستی تمہارے ڈیڈی ہیں۔"

اس نے ایک دم سے بریک لگا کر گاڑی روکی۔ میں ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گیا۔ میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مجھے گھور کر بولی۔ "کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟ پہلے آزاد صاحب کے خلاف بول رہے تھے۔ اب ڈیڈی کے خلاف بول رہے ہو۔ میرے ڈیڈی ایسے ظالم نہیں ہیں کہ ایک معصوم بچے کو کسی قصائی کی قید میں پہنچانا چاہیں گے۔"

اس نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی۔ میں نے کہا۔ "میں تمہارے ڈیڈی کے خلاف بول رہا ہوں۔ تمہیں غصہ آرہا ہے لیکن ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو' تمہارے ڈیڈی ایک انسان ہیں۔ وہ گمراہ ہوسکتے ہیں۔"

"پلیز.......... چپ ہوجاؤ۔ میں تمہاری زبان سے اپنے ڈیڈی کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتی۔"

میں خاموش ہو گیا۔ منہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ مجھے دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کے باوجود میری زبان سے اپنے باپ کی برائی سننا اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے بنگلے کے احاطے میں آئی۔ میں نے کہا۔ "مجھے بھوک لگی ہے۔ میں کسی ریسٹورنٹ جانا چاہتا تھا۔"

وہ دروازہ کھول کو باہر نکلتے ہوئے بولی۔ "کل رات تم نے یہاں کھایا تھا۔ کیا آج تمہیں بھوکا رہنے دوں گی؟ چپ چاپ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھو۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔"

میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں ظہیر اکبر ایک صوفے پر بیٹھا فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی چہک کر بولا۔ "آہا.......... یہ لو.......... نیازی کا ذکر ہو رہا تھا اور وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ ہاں.......... ہاں.......... میری بیٹی کے ساتھ آیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی معاملات طے کرتے ہی آپ کو فون کرتا ہوں۔"

میں نے اریبہ کی طرف جھک کر آہستگی سے کہا۔ "سچائی جاننا چاہتی ہو تو یہاں سے جاؤ اور چھپ کر ہماری باتیں سنو۔ یہاں کچھ معاملات طے ہونے والے ہیں۔"

ظہیر اکبر فون بند کر کے صوفے سے اٹھ کر میرے پاس آیا پھر بڑی محبت سے بولا۔ "آؤ بیٹے! تم کل سے کہاں غائب ہو۔ میں اریبہ سے بھی تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

پھر اس نے اریبہ سے کہا۔ "بیٹی! تم اندر جاؤ۔ میں نیازی سے کچھ ضروری باتیں کروں گا۔"

اریبہ نے مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ "بیٹی! ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ میں تمہارے ہی دل کی بات اس سے کہنے والا ہوں۔ سنو گی تو شرما جاؤ گی۔ اس لئے جاؤ اور نیازی کے کھانے پینے کے لئے کچھ لے آؤ۔"

وہ باپ کے سامنے شرماتے ہوئے چلی گئی۔ ظہیر اکبر نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس صوفے پر بٹھایا پھر کہا۔ "اریبہ نے بتایا ہے اب تم لاکھوں روپے کمانے لگے ہو۔ میں تو پہلے ہی سمجھانا چاہتا تھا کہ دیانت داری سے وکالت کرو گے تو کبھی اونچے مقام تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

میں نے کہا۔ "میں اب بھی دیانتداری سے کام کر رہا ہوں۔ میرا کلائنٹ حسن بانو کا عاشق ہے' دیوانہ ہے۔ وہ اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں دس لاکھ روپے دے رہا ہے۔"

"تمہیں اس سے بھی زیادہ امیر کبیر کلائنٹ ملیں گے۔ اب میں تمہیں فخر سے اپنا داماد بنا سکتا ہوں۔ جلد سے جلد اریبہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دینا چاہتا ہوں۔ تم اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہو گے؟"

اب وہ میرے ہونے والے سسر تھے۔ اس لئے میں نے پہلی بار انہیں انکل کہا۔ "انکل! آپ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔ آپ اجازت دیں گے تو میں کل ہی اپنے والد کو رشتہ مانگنے کے لئے یہاں بھیج دوں گا۔"

"میں تمہارے والدین سے ملنا چاہوں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں میری ایک بات ماننا ہو گی۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر.......... آپ مجھ سے کیا منوانا چاہتے ہیں؟"

"میرے پاس ایک کلائنٹ ہے۔ وہ تمہیں پچاس لاکھ روپے دینا چاہتا ہے۔ ذرا سوچو.......... اتنی بڑی رقم حاصل کرنے کے بعد تم میری بیٹی کی ہر خواہش پوری کر سکو گے۔"

میں سمجھ گیا' وہ کیا کہنے والا ہے' پھر بھی انجان بن کر بولا۔ "پچاس لاکھ تو بہت ہوتے ہیں۔ وہ کلائنٹ کیا چاہتا ہے؟"

"اپنا بچہ واپس چاہتا ہے۔"

میں نے ذرا اونچی آواز میں کہا تاکہ اریبہ بھی سن لے۔ "انکل! آپ کس بچے کی بات کر رہے ہیں؟ کیا وہی جو عالم تابانی کا آٹھ برس کا بیٹا ہے؟"

"بیٹے! انجان نہ بنو۔ کل رات تم اس بچے کو تابانی صاحب کی قید سے نکال کر لے گئے ہو۔ وہ اتنا اثر و رسوخ والا ہے کہ تمہیں کہیں بھی' کسی وقت بھی گولی مار سکتا ہے۔"

"وہ بیٹا ماں کے لئے مچل رہا ہے اور وہ ماں اپنے بیٹے کو پا لینے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ عالم تابانی اس کی ممتا سے کھیل رہا ہے۔ وہ اس کی بات نہیں مانے گی تو بیٹے کو گولی مار دے گا۔ آپ کا ایمان' آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے' بچے کو ظالم باپ کے حوالے کیا جائے یا

اسے ممتا کی چھاؤں میں پہنچایا جائے؟"

"بیٹے! یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ عملی زندگی میں جذبات کام نہیں آتے۔ میں تمہیں بیٹی کا رشتہ اسی لئے دے رہا ہوں کہ تم لاکھوں کمانے کی راہ پر چل پڑے ہو۔ تم اس بچے کو تابانی کے حوالے کرکے میری بیٹی کے لئے پچاس لاکھ روپے حاصل کرلو۔"

اریبہ نے ڈرائنگ روم میں آکر کہا۔ "ڈیڈی! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا ہے۔ آپ ایک معصوم بچے کو قصائی کے حوالے کرکے میرے لئے پچاس لاکھ روپے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"بیٹی میں تمہارا باپ ہوں۔ تمہاری بہتری کے لئے نیازی کو صحیح مشورہ دے رہا ہوں۔"

"میں ایسی بہتری نہیں چاہتی جس سے ایمان کمزور ہوجائے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ یہاں سے جاؤ۔ ہمیں باتیں کرنے دو۔"

میں نے کہا۔ "آپ کیا باتیں کریں گے' میرا جواب اریبہ اپنی زبان سے دے رہی ہے۔ ویسے عالم تابانی چاہے تو یہ معاملہ دوسری طرح طے ہوسکتا ہے۔ میں بچے کو تابانی کے سامنے پیش کروں گا لیکن........."

"لیکن.........؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"جب میں بچے کو پیش کروں گا تو حُسن بانو کو وہاں موجود رہنا چاہئے۔"

وہ سوچ میں پڑگیا پھر بولا۔ "حُسن بانو لاپتا ہے۔ تابانی صاحب کے پاس اس کا فون نمبر بھی نہیں ہے۔"

"میں نے اپنے موبائل کے ذریعے اخبار کے معاون مدیر امجد شیرازی سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "امجد صاحب! اب اس خبر کو راز میں رکھنا ضروری نہیں ہے۔ آپ اس خبر کے نیچے میرا نام اور فون نمبر لکھ سکتے ہیں۔"

امجد شیرازی نے کہا۔ "شام کا اخبار شائع ہوچکا ہے۔ آپ کی ارسال کردہ خبر بھی شائع ہوچکی ہے۔ کل صبح کے اخبار میں خبر کے ساتھ آپ کا نام اور فون نمبر شائع ہوتا رہے گا۔"

اس سے رابطہ ختم ہوگیا۔ ظہیر اکبر نے پوچھا۔ "تم کون سی خبر شائع کرا رہے ہو؟"

"میں نے اخبار کے ذریعے ایک ماں کو مخاطب کیا ہے اور اسے یہ خبر پہنچائی ہے کہ اس کا بیٹا ایک ظالم باپ کی قید میں نہیں ہے۔ ایک محفوظ پناہ گاہ میں ہے۔"

وہ بولا۔ "تم بہت چالاک ہو۔ اب حُسن بانو عالم تابانی صاحب سے رابطہ کرکے اس خبر کی تصدیق کرنا چاہے گی۔ تابانی صاحب فون پر اس کے بیٹے کی آواز نہیں سنا سکیں گے۔ تب حُسن بانو اس خبر کی سچائی پر یقین کرکے تم سے بات کرکے اپنا فون نمبر اخبار میں ضرور شائع کرائے گی۔"

میں نے کہا۔ "اور کل سے میرا فون نمبر بھی اخبار میں شائع ہوتا رہے گا۔ اب آپ تابانی صاحب سے کہہ سکتے ہیں کہ بیٹا ضروری ہے تو حُسن بانو کو میرا فون نمبر دے کر اس سے میری بات کرائیں۔ بیٹا انہیں صرف حُسن بانو کی موجودگی میں ہی ملے گا۔"

ظہیر اکبر نے فون پر عالم تابانی سے رابطہ کیا۔ اسے میرے خیالات اور میری شرائط بتائیں۔ اس نے کہا۔ "میں ہر حال میں اور ہر قیمت پر اپنے بیٹے کی واپسی چاہتا ہوں۔ حُسن بانو کی موجودگی میں بھی اس کی واپسی منظور ہے لیکن نیازی کی یہ شرط ماننے کے بعد میں اسے پچاس لاکھ نہیں' صرف پانچ لاکھ دوں گا۔"

میں نے کہا۔ "مجھے رقم نہیں چاہئے۔ میں ماں کو بیٹے سے ملانا چاہتا ہوں۔"

عالم تابانی نے کہا۔ "حُسن بانو جب بھی مجھ سے رابطہ کرے گی' میں اسے نیازی کا نمبر بتادوں گا اور یہ تسلیم کروں گا کہ بیٹا میرے پاس نہیں ہے۔"

تابانی سے رابطہ ختم ہوگیا۔ میں نے ظہیر اکبر سے کہا۔ "دیکھئے انکل! کتنی خوش اسلوبی سے یہ پیچیدہ مسئلہ حل ہورہا ہے۔ اب تو آپ مطمئن ہیں؟"

"مسئلہ تو حل ہو رہا ہے لیکن تم زندگی میں کبھی ترقی نہیں کرو گے۔ تم نے پچاس لاکھ روپے ٹھکرائے ہیں۔ کیا میری بیٹی ایک کنگال کے ساتھ خوش رہ سکے گی؟"

اریبہ نے کہا۔ "ڈیڈی! میں آج بھی خوش ہوں۔ کل بھی نیازی کے ساتھ خوش رہوں گی۔ چلو نیازی! آج تمہارے نصیب میں ریسٹورنٹ کا ہی کھانا لکھا ہے۔"

وہ میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر جانے لگی۔ میں نے دروازے کے پاس رک کر ظہیر اکبر کی طرف پلٹ کر کہا۔ "ایک باپ کا فرض ہے کہ بیٹی کو لاعلمی کے اندھیرے میں نہ رکھے۔ آپ کی بیٹی جلال الدین آزاد کی اصلیت نہیں جانتی ہے۔ دوسروں کی طرح اس

کی اندھی عقیدت مند ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اسے بتائیں' وہ بھی اس بچے کو اس قصائی باپ کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے؟ جبکہ وہ ایک دیانت دار سماجی رہنما ہے۔ نوجوانوں کو نشے کی لعنت سے دور رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ ماؤں اور بہنوں کی دعائیں لیتا ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ ماؤں بہنوں کو دھوکا کیوں دے رہا ہے؟"

"تمہاری بکواس میری سمجھ سے باہر ہے۔ جلال الدین آزاد ایک نیک اور دیانت دار لیڈر ہے۔"

"کیا آج صبح پانچ بجے آزاد صاحب تمہاری خفیہ میٹنگ میں شامل نہیں تھے؟"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "یہ میٹنگ اس گودام کے ایک دفتر میں ہوئی تھی جہاں فر کے کوٹ اسٹاک کئے جاتے ہیں۔ وہاں زہرہ جمال' مشیر احمد اور جلال الدین آزاد کے علاوہ آپ بھی تھے۔ آپ سب اس بچے کی بازیابی کے لئے منصوبے بنا رہے تھے۔ جلال الدین آزاد اس منصوبے میں پیش پیش تھا۔"

"تم فضول باتیں کر رہے ہو۔ آج صبح ہماری کوئی میٹنگ نہیں ہوئی تھی۔ میں یہاں صبح سات بجے تک اپنے بنگلے میں سوتا رہا ہوں۔"

اریبہ نے کہا۔ "ڈیڈی! آپ جھوٹ کیوں کہہ رہے ہیں؟ صبح پونے پانچ بجے ایک کار ہمارے بنگلے کے سامنے آئی تھی۔ آپ اس میں بیٹھ کر گئے تھے۔ میں بالکونی سے دیکھ رہی تھی۔"

ظہیر اکبر کوئی جواب نہ دے سکا۔ بیٹی کو گھورنے لگا۔ وہ بولی۔ "اگر جلال الدین آزاد بہروپیا ہے تو کیا ایک بہروپیے سے بیٹی کو دور رکھنا آپ کا فرض نہیں ہے؟"

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ وہ بولی۔ "آؤ نیازی! مجھے جواب مل گیا ہے۔"

ہم باہر آکر کار میں بیٹھ گئے۔ ریسٹورنٹ کی طرف جانے لگے۔ اچھی خاصی سردی تھی اریبہ نے فر کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ مجھے کچھ یاد آیا۔ زہرہ جمال نے میرے کاٹیج کے سامنے کہا تھا کہ ان کے اسٹاک سے ایک درجن فر کے کوٹ چوری ہوگئے ہیں۔ ان کی مالیت سات لاکھ روپے ہے۔ اس بات نے مجھے چونکا دیا تھا۔

اس وقت سے یہ بات میرے لاشعور میں کھٹک رہی تھی۔ اگر فر کے کوٹ پورے کے پورے سونے چاندی سے تیار کئے جاتے تب بھی اس کی قیمت سات لاکھ نہیں ہوتی۔ بعد میں زہرہ جمال نے بات بدل دی تھی اور کہا تھا کہ میں ایک درجن کی نہیں پورے اسٹاک کی قیمت بتا رہی ہوں۔

ہم ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھانے لگے۔ میں نے اریبہ سے پوچھا۔ "تم نے یہ فرکوٹ پہن رکھا ہے۔ کیسا لگ رہا ہے؟"

وہ بولی۔ "ایک عام گرم کوٹ' جرسی اور سوئٹر وغیرہ سے بھی سردی دور ہو جاتی ہے لیکن بہترین ڈیزائن' بہترین معیار کا پہناوا دوسروں سے ممتاز اور نمایاں کر دیتا ہے۔ فر کوٹ ایک تو مہنگا ہوتا ہے اور اسے دولت مند عورتیں ہی پہنتی ہیں۔ یہ فرکوٹ اسٹیٹس سمبل (اونچی سوسائٹی کی علامت) بن گیا ہے۔ اسے پہن کر میں خود کو دوسری لڑکیوں سے مختلف' اعلیٰ اور افضل سمجھتی ہوں۔"

"ماجد خان یورپ میں فرکوٹ کا بیوپاری ہے۔ زہرہ جمال اور تمہارے ڈیڈی اس کے قابل اعتماد ملازم ہیں لیکن اس کے اعتماد کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اس کے رقیب عالم تابانی کے وفادار بنے ہوئے ہیں۔ جمال الدین آزاد ان معاملات میں کون سا رول پلے کر رہا ہے' یہ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کبھی سمجھ میں نہیں آتیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو رفتہ رفتہ سمجھ میں آتی ہیں۔ فی الوقت یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ زہرہ جمال' ظہیر اکبر اور جلال الدین آزاد یہ تینوں مل کر ماجد خان کو دھوکا دے رہے ہیں۔ درپردہ عالم تابانی کے وفادار بنے ہوئے ہیں۔

اریبہ نے کہا۔ "سلیقہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ کیا انسپکٹر دلاور خان اس کے اور حامد خان کے قاتلوں کو پکڑ نہیں سکے گا۔ تم اس بچے اور حُسن بانو کے معاملات میں الجھ گئے ہو۔ تم بھی سلیقہ کے قتل کو نظرانداز کر رہے ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ قاتل میرے سامنے ہے۔ میں اسے کسی وقت بھی دبوچ سکتا ہوں۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم قاتل کو پہچانتے ہو؟"

"تم نے حسن بانو کی ڈائری نہیں پڑھی ہے۔ میں نے اس ڈائری کے بارے میں تمہیں جتنا بتایا تھا' تم اسی حد تک جانتی ہو۔ اگر اسے خود پڑھ لیتیں تو یہ سمجھ لیتیں کہ عالم تابانی نے اسے قتل کرایا ہے۔"

"وہ کیوں قتل کرائے گا؟"

"میں حسن بانو کی تلاش میں یہاں آیا ہوں اور شروع ہی سے عالم تابانی کی نظروں میں ہوں۔ وہ بڑی چالاکی سے میری مصروفیات کو دیکھتا اور سمجھتا رہتا ہے۔ میں نے اور تم نے فیشن شو میں سلیقہ سے ملاقات کی تھی۔ میں اس سے حسن بانو کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کر رہا تھا۔ تمہیں یاد ہے اس رات سلیقہ بڑی عجلت اور پریشانی میں فیشن شو جیسا اہم پروگرام چھوڑ کر چلی گئی تھی؟"

"ہاں' مجھے اس کی عجلت اور پریشانی یاد ہے۔ ہم اس کا تعاقب کرتے ہوئے حامد خان کے بنگلے میں گئے تھے لیکن عالم تابانی نے اسے کیوں قتل کیا؟"

"سلیقہ یہ جانتی تھی کہ حسن بانو کا ایک آٹھ برس کا بیٹا ہے جسے تابانی نے اغوا کر کے ماں سے جدا کر دیا ہے اور اس کے ذریعے اس ماں کو بلیک میل کر رہا ہے۔ اسے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ سلیقہ ہمارے سامنے یہ راز اُگل دے گی۔ سلیقہ کے علاوہ حامد خان بھی اس بچے کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ تابانی نے پہلے سلیقہ کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کرائی اور اس کی لاش غائب کرادی۔"

"اس لاش کو غائب کرانے کی کوئی وجہ ہوگی؟"

"حامد خان ایک معزز شہری تھا۔ اگر ایک داشتہ کی لاش اس کے بنگلے میں پائی جاتی تو پولیس والے طرح طرح کے سوالات کرتے۔ حامد خان کی کمزوری شراب ہے۔ وہ نشے میں اس بچے کے بارے میں کچھ اگل سکتا تھا لہٰذا پولیس والوں کو اس سے دور رکھنے کے لئے سلیقہ کی لاش کو وہاں سے غائب کر دیا گیا۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر چند گھنٹوں بعد خان کو کیوں قتل کر دیا گیا؟"

"سلیقہ کے قتل کے بعد میں انسپکٹر دلاور خان کے ساتھ اس بچے کو تلاش کر رہا تھا۔ حامد خان نشے میں مدہوش پڑا تھا۔ تابانی نے سمجھ لیا تھا کہ جب مدہوشی ختم ہوگی اور وہ ہوش میں آئے گا تو ہم بچے کے بارے میں اس سے بہت کچھ اگلوا سکیں گے لہٰذا ہوش

میں آنے سے پہلے ہی اسے قتل کر دیا گیا۔"

"او گاڈ' یہ تابانی تو بہت ہی بے رحم قاتل ہے اور تم اسے اپنا بدترین دشمن بنا رہے ہو۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ تمہیں ڈائری کے ذریعے اپنے بچے کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں؟"

"یہ اسے بعد میں معلوم ہوا کہ ایک ڈائری نے مجھے اتنی دور تک پہنچا دیا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اس سے چھین کر لے گیا ہوں۔ اب وہ کشمکش میں ہے۔ مجبور ہے۔ اگر مجھے قتل کرے گا تو بیٹا اسے کبھی نہیں ملے گا۔"

"یعنی تم جان ہتھیلی پر لئے پھر رہے ہو۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم عامر کو اس سے چھین کر لے جاؤ گے۔ اس طرح تم خوش فہمی میں ہو کہ تم نے اسے جہاں بھی چھپایا ہے' تابانی وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ خدانخواستہ وہاں پہنچے گا تو تمہیں گولی مارنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔"

"مجھے خوش فہمی نہیں ہے۔ خدا پر بھروسا ہے۔ میں نیک نیتی سے کسی لالچ کے بغیر بچھڑے ہوئے ماں بیٹے کو ملانا چاہتا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ اس معاملے میں میرا خدا میرے ساتھ ہے۔"

ہم ریسٹورنٹ سے باہر آئے۔ اس وقت ہم ایک بہت بڑے شاپنگ سنٹر میں تھے۔ اریبہ نے کہا۔ "میں ایک سوٹ خریدنا چاہتی ہوں۔ آؤ کسی بوتیک میں چلیں۔"

ہم ایک بوتیک میں آ گئے۔ وہاں مختلف ڈیزائن کے ریڈی میڈ سوٹ' سوئٹر' جرسی اور جدید ڈیزائن کے فرکوٹ چاروں طرف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اپنے لئے شلوار سوٹ پسند کرنے لگی۔ مجھ سے پوچھتی رہی کہ اس پر کون سا کلر اور کون سا ڈیزائن جچے گا؟ ایسے ہی وقت وہاں جلال الدین آزاد نظر آیا۔ وہ دو بندوں کے ساتھ تھا۔ میں نے اریبہ سے کہا۔ "اسے معلوم نہ ہو کہ تم اسے بہروپیا سمجھ رہی ہو۔"

وہ قریب آ کر بولا۔ "ہائے اریبہ! ہیلو مسٹر نیازی! کیا خریداری ہو رہی ہے؟"

وہ بولی۔ "اپنے لئے ایک سوٹ خریدنے آئی ہوں۔ آپ لیڈیز بوتیک میں کیسے آ گئے؟"

"تمہارے ڈیڈی نے فون پر کہا ہے کہ اس دکان میں ہمارے دو غلط فرکوٹ آ گئے

ہیں۔ وہ دونوں ایکسپورٹ کوالٹی کے حامل نہیں ہیں۔ اگر میں مارکیٹ میں ہوں تو وہ دونوں کوٹ دکاندار سے واپس لے لوں۔"

"میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں کہ آپ فرکوٹ کے کاروبار میں شریک ہیں۔ میں تو آپ کو صرف ایک لیڈر سمجھتی تھی۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "لیڈر کو بھی دال روٹی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔"

دکاندار اندرونی کیبن سے باہر آکر گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر بولا۔ "آزاد صاحب! آپ میری دکان میں پہلی بار تشریف لائے ہیں۔ یہ بہت خوش قسمتی ہے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

جلال الدین آزاد نے کہا۔ "فرکوٹ نمبر83 اور نمبر106 غلطی سے یہاں آگئے ہیں۔ وہ قابلِ فروخت نہیں ہیں۔ آپ انہیں واپس کردیں۔ ان کی جگہ یہ دوسرے دو فرکوٹ رکھ لیں۔"

اس کے دو بندوں نے وہ دو فرکوٹ کاؤنٹر پر رکھ دیئے۔ دکاندار نے سیلز مین سے مطلوبہ فرکوٹ واپس لانے کو کہا پھر آزاد صاحب سے بولا۔ "جناب! میرے کیبن میں تشریف لائیں۔ ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ دکان دار کے ساتھ کیبن میں چلا گیا۔ میں نے اریبہ سے سرگوشی میں کہا۔ "اپنا کوٹ اتارو۔ اسے ہاتھ میں رکھو جیسے ہی وہ مخصوص نمبر کے دونوں کوٹ کاؤنٹر پر رکھے جائیں۔ تم پھرتی سے اپنا کوٹ وہاں رکھ کر ان میں سے کسی ایک کو اٹھا لینا۔ میں ان دو حواریوں کو باتوں میں الجھا رہا ہوں۔"

اریبہ کوٹ اتارتے ہوئے کاؤنٹر کے قریب آگئی۔ میں نے ان دونوں کے قریب آکر ایک کو مخاطب کیا۔

"ایکس کیوزمی! میں بڑی دیر سے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ کیا پہلے بھی ہماری ملاقات کہیں ہو چکی ہے؟"

دوسرے نے مسکرا کر کہا۔ "اس سے تو نہیں۔ مجھ سے ہو چکی ہے۔ میں آج صبح میڈم کے ساتھ آپ کے کاٹیج میں تلاشی لینے آیا تھا لیکن آپ نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اندر آنے سے منع کردیا تھا۔ میڈم نے آپ کے کاٹیج کی تلاشی لی تھی۔ ویسے

آپ کے دروازے پر دو سپاہی کیوں کھڑے ہوئے تھے؟"

"میرے دروازے پر صرف بھونکنے والے نہیں' کاٹنے والے کتے بھی آتے ہیں۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔"

وہ دونوں مجھے غصے سے دیکھنے لگے۔ اریبہ نے کہا۔ "چلو نیازی! یہاں کوئی سوٹ پسند نہیں آرہا ہے۔"

میں اس کے ساتھ باہر آیا۔ وہ اسی رنگ کا فرکوٹ بدل کر پہن چکی تھی۔ میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فوراً یہاں سے چلو۔ انہیں شبہ ہو سکتا ہے۔"

اس بار میں نے کار ڈرائیو کی۔ اپنے کاٹیج میں آیا۔ اسی وقت انسپکٹر دلاور خان اپنی ایک جیپ میں وہاں پہنچا۔ مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اریبہ نے تمہاری زندگی کو خوبصورت اور رومان پرور بنا دیا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ایک ایڈووکیٹ اور جاسوس کو کتنا ہی رومانٹک بناؤ' وہ چوری' ڈکیتی اور مرڈر کیس میں سارا رومانس غارت کر دیتا ہے۔"

ہم تینوں ہنستے ہوئے کاٹیج کے اندر آئے۔ میں نے دلاور خان سے پوچھا۔ "کیا تمہیں پتا ہے جلال الدین آزاد فرکوٹ کے بزنس میں دلچسپی لے رہا ہے؟"

"میں نے آزاد صاحب کو ایک آدھ بار زہرہ جمال کے ساتھ دیکھا ہے۔ یہ اندازہ لگایا ہے کہ دونوں کے درمیان کسی طرح کے ڈھکے چھپے تعلقات ہیں۔"

"آج صبح میں نے زہرہ جمال' مشیر احمد' جلال الدین آزاد اور اریبہ کے ڈیڈی کو خفیہ طور پر ملتے دیکھا تھا۔ اسی وقت میں کھٹک گیا تھا کہ یہ جلال الدین آزاد سماجی رہنما نہیں ایک بہروپیا ہے۔ ابھی ایک بوتیک شاپ میں یہی آزاد دو فرکوٹ تبدیل کرنے آیا تھا۔ دکان دار سے کہہ رہا تھا کہ وہ دو کوٹ غلطی سے یہاں آگئے ہیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ اتنا مشہور معروف لیڈر صرف فرکوٹ کی تبدیلی کے لئے خود دکاندار کے پاس کیوں آیا؟ اریبہ نے میری ہدایت کے مطابق ان میں سے ایک کوٹ اٹھالیا اور اپنا کوٹ وہاں رکھ دیا۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "بھئی یہ تو تم لوگوں نے کمال کر دیا۔"

اریبہ نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس کوٹ میں کوئی خاص بات نظر نہیں آرہی ہے۔ بس یہ ہے کہ ڈیزائن اچھا ہے.........."

اس نے کوٹ اتار کر میری طرف بڑھایا۔ میں نے اس کی جیبوں کو ٹٹولا پھر کوٹ کو الٹ کر آستین کو دیکھا۔ اس کا اندرونی استر بڑی خوبصورتی سے سلائی کیا گیا تھا۔ جگہ جگہ دھاگوں سے پھول پتیاں ٹانکی گئی تھیں۔ اریبہ نے جھک کر اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "کتنا پھولا ہوا ہے۔ نرم اور گداز بھی ہے۔"

میں نے اسے انگلیوں سے دبا دبا کر دیکھا پھر انسپکٹر سے کہا۔ "ذرا اسے دیکھو۔ یہاں کچھ ہے۔"

اس نے استر کو اِدھر اُدھر سے دبا کر دیکھا پھر تعجب سے بولا۔ "اوپر سے نیچے تک پاؤڈر جیسی چیز ہے۔ جگہ جگہ پھول پتیوں کے ٹانکے لگا کر پاؤڈر کو اِدھر اُدھر پھیلنے اور اوپر نیچے جانے سے روکا گیا ہے۔"

وہ فوراً ہی ایک چھوٹا سا چاقو کھول کر استر کو ادھیڑنے لگا۔ اندر سے نکلنے والے سفید پاؤڈر کو دیکھتے ہی یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس دور کے سب سے ظالم نشے کو بڑے سلیقے سے پیک کیا گیا ہے۔

دلاور خان نے تعجب سے کہا۔ "مائی گاڈ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہیروئن اس طرح اسمگل کی جارہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "زہرہ جمال نے کہا تھا۔ ایک درجن فرکوٹ کی مالیت سات لاکھ روپے ہے۔ اب معلوم ہوا ہے' یہ فرکوٹ مہنگے کیوں ہیں؟"

اریبہ نے کہا۔ "تمام فرکوٹ مہنگے نہیں ہیں۔ مخصوص نمبروں والے کوٹ کے استروں میں یہ مال بھرا ہوگا اور صرف وہی مہنگے ہوں گے۔"

انسپکٹر دلاور خان نے خوش ہوکر کہا۔ "پہلی بار اتنا اہم کیس میرے ہاتھ لگا ہے۔ میری ترقی لازمی ہوگی۔"

میں نے کہا۔ "میں تمہارا طریقہ کار جانتا ہوں۔ تم یہ کوٹ لے کر آئی جی کے پاس جاؤ گے۔ اس سے گودام پر چھاپہ مارنے کا وارنٹ حاصل کرو گے۔ اس طرح بہت دیر ہوجائے گی۔ وہاں انہیں معلوم ہوجائے گا کہ کوٹ تبدیل ہوچکا ہے وہ ہوشیار ہوجائیں گے۔ مخصوص نمبروں والے کوٹ چھپادیں گے۔"

"ہم پولیس والے مجبور ہیں۔ ضابطے کی کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ میں ابھی ایک

گھنٹے کے اندر اس گودام پر چھاپا مارتا ہوں۔"

وہ اس کوٹ کو فولڈ کرکے بغل میں دباتے ہوئے بولا۔ "آؤ.......... میرے ساتھ چلو۔"

"تم چلو.......... میں تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ تم آئی جی صاحب کے دفتر میں ملو گے نا؟"

وہ جاتے ہوئے بولا۔ "ہاں.......... سیدھے وہیں چلے آنا۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ اریبہ نے پوچھا۔ "تم اس کے ساتھ کیوں نہیں جارہے ہو؟"

"جسٹ اے منٹ.......... ابھی بتاتا ہوں۔"

میں نے بیگ سے ڈائری نکال کر اینٹی نارکوٹکس فورس کے نمبر دیکھے پھر اپنا موبائل فون نکال کر وہ نمبر پنچ کئے۔ رابطہ ہونے پر میں نے کہا۔ "میں ایڈووکیٹ عبید نیازی ہوں۔ آپ کے اعلیٰ افسر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمائیے.......... میں بول رہا ہوں۔"

میں نے اس اعلیٰ افسر کو فر کے کوٹ اور اس میں چھپی ہوئی ہیروئن کے بارے میں بتایا پھر کہا۔ "انسپکٹر دلاور خان وہ فرکوٹ لے کر آئی جی کے پاس گئے ہیں۔ ہم اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پولیس کے کتنے افسران بک چکے ہیں۔ جن کی چھتر چھایا میں کتنے بڑے پیمانے پر منشیات کی اسمگلنگ ہو رہی ہے۔ انسپکٹر دلاور خان پندرہ منٹ میں آئی جی صاحب کے دفتر میں پہنچنے والے ہیں۔ آپ ابھی وہاں پہنچیں ورنہ اس ثبوت کو غائب کیا جاسکتا ہے۔"

"اچھا ہوا.......... آپ نے مجھے اطلاع دے دی۔ میں ابھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

میں نے موبائل فون کو بند کیا۔ اریبہ نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تم نے اچھا کیا۔ تمہارا ذہن کتنی تیزی سے کہاں کہاں پہنچتا ہے۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اس کوٹ میں کوئی خاص بات ہے؟"

ہم کاٹیج سے باہر آکر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا۔ "زہرہ جمال نے روانی میں اور بے خیالی میں کہہ دیا تھا کہ ایک درجن فرکوٹ کی قیمت تقریباً سات لاکھ روپے ہے۔ اس کی یہی

بات مجھے کھٹکتی رہی تھی۔ میرے دماغ میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ ان کے فرکوٹ میں کوئی خاص بات ہے۔"

وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے بولی۔ "اللہ کرے ہماری محنت کامیاب رہے اور مخصوص نمبروں کے تمام فرکوٹ پولیس کے ہاتھ لگ جائیں۔"

میں نے کہا۔ "مجھے امید نہیں ہے۔"

وہ چونک کر بولی۔ "یہ............ کیا کہہ رہے ہو؟"

"پولیس کا طریقہ کار ایسا ہوتا ہے کہ چھاپا پڑنے سے پہلے مجرم ہوشیار ہوجاتے ہیں پھر یہ کہ مجرم نادان نہیں ہیں۔ انہوں نے مخصوص نمبروں کے کوٹ اس گودام میں نہیں چھپائے ہوں گے۔ جو سب کی نظروں میں ہے اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ ایسے کوٹ چھپا کر رکھنے کی کوئی دوسری خفیہ جگہ ہوسکتی ہے۔"

اریبہ نے اچانک ہی بریک لگا کر کار روک دی۔ میں پھر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ بدستور سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہاں ایسی ایک خفیہ جگہ ہے۔"

میں نے جوش میں آکر اس کے بھرے بھرے بازوؤں کو پکڑ کر پوچھا۔ "کہاں ہے وہ جگہ؟"

وہ بولی۔ "میرے بنگلے میں............ ڈیڈی کے بیڈ روم کے ساتھ ایک اور بڑا کمرا ہے۔ اسے اسٹور روم بنایا گیا ہے۔ وہاں بے شمار فرکوٹ رکھے ہوئے ہیں۔"

"تم نے کبھی پوچھا نہیں کہ فرکوٹ کا اسٹاک رہائشی مکان میں کیوں ہے؟"

"میں نے پوچھا تھا۔ ڈیڈی نے کہا تھا کہ وہ سب ایکسپورٹ کوالٹی کے کوٹ ہیں۔ وہ ان کی حفاظت اور نگرانی کے ذمے دار ہیں اس لئے انہیں اپنے ہی بنگلے میں رکھتے ہیں۔"

میں سوچنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "کس سوچ میں پڑ گئے؟"

"سوچ رہا ہوں۔ زہرہ جمال' جلال الدین آزاد اور تمہارے ڈیڈی کا مضبوط گٹھ جوڑ ہے۔ زہرہ جمال اور آزاد کی رہائش گاہوں میں بھی مخصوص فرکوٹ کے اسٹاکس ہوں

گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "میری بھی عقل میں یہی بات آرہی ہے۔ اب کیا کرنا چاہو گے؟"

"اینٹی نارکوٹک ڈیپارٹمنٹ کی عمارت میں چلو۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے ڈرائیو کرتے ہوئے دوسرے راستے پر جانے لگی۔ مجھے آئی جی پولیس کے دفتر میں جانا چاہئے تھا لیکن وہاں کیا ہونے والا ہے؟ یہ بات کسی حد تک سمجھ میں آرہی تھی۔ منشیات اسمگل کرنے کا ایک بہت بڑا سیٹ اپ وہاں قائم تھا۔ اتنے بڑے سیٹ اپ پولیس والوں کی سرپرستی کے بغیر قائم نہیں ہوتے۔

ہم اینٹی نارکوٹکس کے دفتر میں پہنچ گئے۔ وہاں کی اسپیشل فورس کے ایک اعلیٰ افسر نے بتایا کہ ان کا ایک اور اعلیٰ افسر آئی جی آف پولیس کے دفتر میں گیا ہوا ہے۔ وہ سب فرکوٹ کے گودام میں چھاپا مارنے جائیں گے اور شاید جاچکے ہوں گے۔ تھوڑی دیر بعد رپورٹ ملنے والی ہے۔

میں اس اعلیٰ افسر کو زہرہ جمال' جلال الدین آزاد اور ظہیر اکبر کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ تینوں ماجد خان کے ملازم ہیں لیکن درپردہ عالم تابانی کے وفادار ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ ماجد خان منشیات کی اسمگلنگ سے بے خبر رہتا ہے اور وہ تینوں عالم تابانی کی سرپرستی میں منشیات کا دھندا کر رہے ہیں۔

اعلیٰ افسر نے کہا۔ "جب تک ہمارے پاس ٹھوس ثبوت نہیں ہوں گے تب تک ہم ان کے خلاف ایکشن نہیں لے سکیں گے۔"

"اگر آپ میری نشاندہی پر ریڈ کریں گے تو ٹھوس ثبوت ہاتھ لگ سکتے ہیں۔"

"کیا آپ ان کے خفیہ اڈے جانتے ہیں؟"

اریبہ نے کہا۔ "میرے ڈیڈی کے بیڈ روم کے ساتھ ایک بڑا کمرا ہے۔ اس کمرے میں فرکوٹ پیک کئے ہوئے رکھے ہیں۔ وہ کوٹ جاتے ہیں تو ان کی جگہ دوسرے کوٹ آجاتے ہیں۔ کیا یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہی مخصوص نمبروں والے کوٹ ہیں؟"

اعلیٰ افسر نے تائید میں سر ہلایا۔ "بے شک' شبہ کیا جاسکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اسی طرح یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زہرہ جمال اور جلال الدین کی

رہائش گاہوں میں بھی ایسے خاص فرکوٹ چھپا کر رکھے جاتے ہیں۔"

"بے شک' جلال الدین آزاد اس علاقے میں بہت معزز سمجھا جاتا ہے۔ وہ منشیات کے خلاف تحریک چلاتا رہتا ہے۔ کوئی اس کے خلاف شبہ نہیں کرے گا لیکن میں ابھی اچانک اس کی رہائش گاہ پر چھاپا مارتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میرا ناچیز مشورہ ہے کہ تینوں رہائش گاہوں پر اچانک چھاپے مارے جائیں۔"

"معقول مشورہ ہے۔ میں یہی کرنے جارہا ہوں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ ہم اس آفس میں بیٹھے رہے۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ واپس آکر بولا۔ "ہم تین افسران ان تینوں رہائش گاہوں کا محاصرہ کرنے جارہے ہیں۔ میرا خیال ہے آپ مس اریبہ کے ساتھ اس کے بنگلے میں جائیں۔"

ہم نے عمارت سے باہر آکر دیکھا۔ چھ گاڑیوں میں مسلح سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر رہائش گاہ کی طرف دو دو گاڑیاں جارہی تھیں۔ ہم واپس دفتر میں آکر بیٹھ گئے۔ ایک آدھ گھنٹے میں وہیں نتائج سامنے آنے والے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اسٹل کیمرے اور ویڈیو کیمرے لے گئے تھے۔

ایک جونیئر افسر نے کہا۔ "آپ دونوں یہاں تنہا ہیں۔ میرے دفتر میں آجائیں۔ میں کافی کا آرڈر دے چکا ہوں۔"

ہم اس کے دفتر میں آئے۔ وہاں دیوار پر ایک بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس بورڈ پر چند مطلوبہ مجرموں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان تصاویر کو سرسری نظروں سے دیکھا پھر بیٹھتے ہی چونک کر کھڑا ہوگیا۔ وہاں ایک تصویر منیر ہاشمی کی تھی۔

مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ میں نے قریب جاکر تصویر دیکھی۔ جونیئر افسر سے پوچھا۔ "آپ اسے جانتے ہیں۔"

"جی ہاں' تقریباً دس برس پہلے یہ میرے ساتھ کالج میں پڑھتا تھا۔ بہت بڑے بزنس مین کا بیٹا ہے۔ کیا یہ مفرور مجرم ہے؟"

"ہاں اس نے ایک نہیں تین قتل کئے ہیں۔ مخبروں نے اطلاع دی ہے کہ اسے

اسلام آباد میں دیکھا گیا ہے۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ والے وہاں ایک قتل کے الزام میں اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ باقی دو قتل اس نے ہمارے ملک میں کئے ہیں۔"

میں واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب یہ معلوم ہوا کہ منیر ہاشمی فریالی ٹاؤن کی طرف کیوں نہیں آتا ہے۔ اس نے پچھلی رات مجھے ایبٹ آباد میں بلایا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ مجھے رات ہی کو ملتا رہا۔ شاید دن کی روشنی میں کہیں چھپا رہتا ہے۔

ہم وہاں کافی پیتے رہے اور جونیئر افسر سے باتیں کرتے رہے پھر وہ اعلیٰ افسر واپس آیا جس سے میں نے فون پر باتیں کی تھیں اور اسے آئی جی آف پولیس کے آفس پہنچنے کے لئے کہا تھا۔ جونیئر افسر نے میرا تعارف اس سے کرایا۔ وہ مایوس ہو کر بولا۔ "مسٹر نیازی! آپ کی اطلاع درست نہیں تھی۔ آئی جی کے آفس میں نہ کوئی دلاور خان تھا اور نہ ہی کسی کا فرکوٹ تھا۔ آئی جی دعوے سے کہہ رہا تھا کہ اس نے آس پاس کے تمام علاقوں میں سختی کی ہے۔ کسی کے پاس ہیروئن کی ایک پڑیا ہوتو اسے گولی مار دیتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی آئی جی جیسے بڑے افسر نے مجرموں کے خلاف ثبوت کو کہیں چھپا دیا ہے۔ اس نے انسپکٹر دلاور خان جیسے جونیئر افسر کو فوراً چھٹی پر کہیں بھیج دیا ہوگا۔ یا کسی اچھی جگہ اس کا ٹرانسفر کیا ہوگا لیکن سچائی زیادہ دیر چھپی نہیں رہے گی۔ یہ جلد ہی ظاہر ہونے والی ہے۔"

آدھے گھنٹے بعد ایک اعلیٰ افسر نے زہرہ جمال کے بنگلے سے فون کیا کہ وہاں سوائے مایوسی کے کچھ نہیں ملا۔ اس بنگلے کے کسی بھی کمرے کی الماری میں ایک بھی فرکوٹ نہیں ہے۔ اریبہ نے مایوسی سے مجھے دیکھا۔ اب میرے بھی حوصلے پست ہو رہے تھے۔ دشمن بہت زیادہ چالاک اور مستعد ثابت ہو رہے تھے۔

نیک مقاصد کے لئے جدوجہد کی جائے تو مایوسی کے مراحل سے بھی گزرنا پڑتا ہے لیکن سچائی سے جاری رہنے والی جدوجہد کا انعام ضرور ملتا ہے۔ مزید آدھے گھنٹے بعد ایک اعلیٰ افسر نے جلال الدین آزاد کی رہائش گاہ سے فون پر بتایا کہ انہیں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہیروئن سے بھرے ہوئے دو سو فرکوٹ سمیت سماجی لیڈر جلال الدین آزاد کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔

اریبہ نے خوش ہو کر میرے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ سب کے سامنے وہ

اتنی ہی خوشی اور محبت کا اظہار کر سکتی تھی۔ دس منٹ بعد یہ خبر سن کر اس کا سر شرم سے جھک گیا کہ اس کے ڈیڈی ظہیر اکبر کو بھی حراست میں لیا گیا ہے۔ اس کے ایک کمرے میں جتنے فر کوٹ ہیں' ان کے استروں میں ہیروئن بھری ہوئی ہے۔

میں نے اریبہ کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ میں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "تم نے باپ کے رشتے کا خیال نہیں کیا۔ اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق عمل کیا ہے۔ پہلے تم سے محبت تھی۔ اب تم سے عقیدت بھی ہوگئی ہے۔ تمہاری جیسی لائف پارٹنر نصیب والوں کو ملتی ہے اور میں نصیب والا ہوں۔"

وہ تمام اعلیٰ افسران میری تعریفیں کر رہے تھے۔ انہوں نے انٹرنیشنل نارکوٹکس سوسائٹی کے افسران سے رابطہ کیا تھا۔ انہیں یہ یقین دلایا تھا کہ یہاں منشیات کا کافی ذخیرہ مجرموں کے ساتھ آیا ہے۔ فر کوٹ تیار کرنے والی کمپنی کے مالک کا نام ماجد خان ہے۔ وہ لندن میں ہے۔ اسے فوراً حراست میں لیا جائے۔

ظہیر اکبر اور جلال آزاد نے ماجد خان کا ایڈریس بتایا تھا اور یہ بھی بیان دیا تھا کہ زہرہ جمال بھی اس دھندے میں شریک رہی ہے۔

ادھر لندن میں ماجد خان کو گرفتار کیا گیا۔ وہ حیران تھا۔ قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی نشے کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ وہ کبھی منشیات کے دھندے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ زہرہ جمال' ظہیر اکبر اور آزاد اس کے اندھے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں۔

میں نے اعلیٰ افسران سے کہا۔ "آپ نے ان تینوں سے بیانات لئے ہیں لیکن یہ اصلیت چھپا رہے ہیں۔ آپ کسی بھی طرح ان سے سچ اگلوا لیں۔"

وہ زہرہ جمال کو ایک خالی کمرے میں لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ ظہیر اکبر اور آزاد ہتھکڑیوں میں بندھے بیٹھے تھے۔ زہرہ جمال کی چیخیں سن کر پریشان ہو رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد خاموشی چھا گئی۔ وہ دوسرا بیان دے رہی تھی۔ اس بیان کے مطابق وہ عالم تابانی کے وفادار تھے۔ اس کے حکم سے مخصوص نمبروں کے فر کوٹ لندن بھیجتے تھے۔ وہاں تابانی کا ایک خاص ایجنٹ وہ تمام فر کوٹ ماجد خان سے اچھی قیمت پر خرید لیتا تھا۔ ماجد خان یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے فر کوٹ کے ذریعے وہاں

ہیروئن درآمد کی جارہی ہے۔ اس طرح عالم تابانی اتنے مہنگے نشے کے عوض وہاں لاکھوں پاؤنڈ یعنی کروڑوں اور اربوں کما رہا تھا۔

زہرہ جمال' ظہیر اکبر اور مشیر احمد نے مجھ سے کہا تھا کہ عالم تابانی کسی کے روبرو نہیں آتا ہے۔ خود انہوں نے آج تک اس کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ اب انہوں نے بیان دیا کہ وہ تابانی سے کئی بار مل چکے ہیں لیکن اس کی کوئی تصویر ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ کبھی سامنے آئے گا تو اسے پہچان سکیں گے۔

ان تینوں کو جونیئر افسر کے آفس میں لایا گیا۔ بورڈ پر لگی ہوئی مطلوب مجرموں کی تصویریں دکھا کر پوچھا گیا۔ کیا ان میں سے کوئی عالم تابانی ہے؟

تینوں نے انکار میں سر ہلایا۔ ظہیر اکبر نے کہا۔ "مسٹر تابانی' یورپ کے مختلف شہروں میں رہتے ہیں۔ وہ معزز شہری بن کر رہنے کے لئے کاسمیٹکس کا بزنس کرتے ہیں۔ لپ اسٹک' نیل پالش' کریم' پاؤڈر اور شیمپو ان کی فیکٹری پر تیار ہوتی ہیں۔ اس بار وہ ایک مہنگا اور اعلیٰ درجے کا شیمپو مارکیٹ میں لانے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ یہاں سے یورپ تک کی تمام مارکیٹ میں بڑا شور ہے کہ ماڈلنگ میں عالمی شہرت رکھنے والی حسن بانو اس شیمپو کے ایڈ میں ایک عرصے کے بعد اسکرین پر آئے گی۔"

ایک اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ "وہ یورپ میں جن ممالک میں رہتا ہے۔ وہاں کے پتے' فون نمبر اور ای میل ایڈریس بتاؤ۔ پاکستان میں بھی اس کی کئی رہائش گاہیں ہوں گی۔"

"آپ یقین کریں' وہ اپنا ذاتی فون نمبر اور پتا ٹھکانا کسی کو نہیں بتاتا ہے۔ اس کی کاسمیٹکس کمپنی بہت مشہور ہے۔ ہم وہاں کے ایڈریس اور فون نمبرز لکھ دیتے ہیں لیکن وہ وہاں نہیں ملے گا۔ آج کل ہمارے ملک میں ہے۔"

ظہیر اکبر نے کاسمیٹکس کمپنی کا ایڈریس اور تین فون نمبرز لکھ کر دیئے۔ میں نے ان اعلیٰ افسران سے کہا۔ "میں تنہائی میں آپ حضرات سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ میرے ساتھ ایک کمرے میں آگئے۔ اریبہ بھی میرے ساتھ تھی۔ اس وقت رات ہو چکی تھی اور میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مفرور مجرم منیر ہاشمی اپنی مجبوریوں کے پیش نظر فون کرے گا اور رات کے اندھیرے میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہے گا۔ ایک اعلیٰ افسر نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ میں انہیں حسن بانو' عامر اور عالم تابانی کی ہسٹری سنانے

لگا۔ وہ سب توجہ سے سنتے رہے پھر یہ سن کر خوش ہوگئے کہ میں اس معصوم اور مظلوم بچے کو تابانی کی قید سے نکال لایا ہوں اور وہ میری خالہ کے گھر میں محفوظ ہے۔

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "مسٹر نیازی! آپ بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ ہم نے آپ کے تعاون سے منشیات سمگل کرنے والوں کو اور خصوصاً ایک بہروپئے کو ثبوت کے ساتھ گرفتار کیا ہے۔ یہ آپ کی شرافت اور نیک نیتی ہے کہ آپ کسی معاوضے یا لالچ کے بغیر بچھڑے ہوئے ماں بیٹے کو ملانا چاہتے ہیں۔ آئندہ ہم آپ کے ذریعے عالم تابانی کو بھی گرفتار کر سکیں گے۔"

"اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو آپ صبح سے پہلے اسے گرفتار کر سکیں گے۔"

ایک اور افسر نے کہا۔ "اس کی گرفتاری اس طرح آسان ہو گئی ہے کہ وہ بیٹے کو حاصل کرنے کے لئے آپ کے سامنے ضرور آئے گا۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "یہ ضروری نہیں ہے۔ وہ بچے کو حاصل کرنے کے لئے اپنے کسی آلہ کار کو بھیج سکتا ہے۔ وہ آلہ کار خود کو عالم تابانی ظاہر کر سکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "آپ حضرات اطمینان رکھیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

میرے فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے کہا۔ "لیجئے' عالم تابانی مجھے پکار رہا ہے۔"

میں نے فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ "میں نیازی بول رہا ہوں۔"

میرا اندازہ غلط نکلا۔ دوسری طرف سے امجد شیرازی نے کہا۔ "نیازی! خبر کی اشاعت کا نتیجہ نکل آیا ہے۔ حُسن بانو نے اخبار کے دفتر میں فون کیا تھا۔ وہ آپ کا پتہ اور فون نمبر پوچھ رہی تھی۔ میں نے اسے آپ کا موبائل نمبر دیا ہے۔"

"شکریہ امجد صاحب! آپ کے تعاون سے ماں بیٹے مل جائیں گے۔"

"وہ ابھی کسی وقت فون کرنے والی ہے۔ اس لئے میں نے فون بند کر رہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے افسران سے کہا۔ "حُسن بانو تک میرا فون نمبر پہنچ گیا ہے۔ وہ ابھی کسی وقت بھی فون کرے گی۔"

ایک افسر نے کہا۔ "وہ سب سے پہلے اپنے بیٹے سے ملنا چاہے گی۔"

دوسرے نے کہا۔ "آپ حُسن بانو اور عالم تابانی سے ملاقات کی کوئی جگہ مقرر کریں۔ وہاں ان کے بیٹے کو ساتھ لے جائیں۔ ہم اس جگہ کا محاصرہ کریں گے۔"

میں نے کہا۔ "تابانی اپنے لوگوں کی گرفتاری کے بعد بہت محتاط رہے گا۔ میری بتائی ہوئی جگہ پر نہیں آئے گا۔ وہ کسی محفوظ جگہ پر مجھے بلائے گا اور ایسے وقت وہ خاص جگہ بتائے گا کہ وہ کسی طرح گھیرے میں نہ لیا جا سکے۔"

"تابانی کو ابھی یہ نہیں معلوم ہو گا کہ اس کے تین اہم بندے گرفتار ہو چکے ہیں۔"

"آپ بھول رہے ہیں۔ پولیس کے کئی افسران تابانی کے زر خرید غلام ہیں۔ وہ تابانی تک یہ خبر پہنچا چکے ہوں گے۔"

پھر میرے فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف منیر ہاشمی تھا۔ اس نے پوچھا۔ "میرا کام ہو گیا؟"

"سمجھو کہ ہو گیا۔ کل صبح تک حُسن بانو تمہارے سامنے ہو گی۔"

"اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو؟"

"میں نے تمہارے رقیب عالم تابانی کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ انٹی نارکوٹکس والوں نے میری نشاندہی پر اس کے تین اہم بندوں کو گرفتار کیا ہے۔ اس کے منشیات کے دھندے کو بالکل ختم کر دیا ہے۔"

میں نے ذرا توقف سے کہا۔ "اب وہ حُسن بانو کو حاصل کرنے کے لئے مجھ سے نہیں ٹکرائے گا۔ اسے میرے پیچھے پولیس والے دکھائی دیں گے۔ دوسری طرف حُسن بانو اپنے بیٹے کی خاطر مجھ سے رابطہ کرنے والی ہے۔ تم بتاؤ' میں اسے ملاقات کے لئے کہاں بلاؤں؟"

"ہوں۔ میں ایسی جگہ ملنا چاہوں گا جہاں تابانی یا اس کے حواری مداخلت نہ کریں۔ میں ابھی اچھی طرح سوچ کر کوئی جگہ مقرر کروں گا پھر تمہیں فون پر بتاؤں گا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اعلیٰ افسران نے پوچھا۔ "یہ کون تھا؟"

میں نے کہا۔ "آپ جس قاتل کو تلاش کر رہے ہیں اور جس کی تصویر مطلوب مجرموں کے بورڈ پر لگی ہوئی ہے۔ یہ وہی قاتل ہے۔ یعنی منیر ہاشمی.........."

ان سب نے مجھے چونک کر دیکھا۔ ایک نے پوچھا۔ "آپ نے اب تک ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ آپ کے تعلقات اس سے ہیں اور آپ اس کا پتہ ٹھکانہ جانتے ہیں؟"

"میں اس کا پتہ ٹھکانہ نہیں جانتا۔ اس سے فون پر رابطہ رہتا ہے۔ اب تک تین بار

روبرو ملاقات ہو چکی ہے۔ آپ کے دفتر میں آ کر بورڈ پر اس کی تصویر دیکھی تب پتہ چلا کہ میرا یہ کالج کا ساتھی قاتل اور مفرور ہے۔"

"آپ نے اس سے ملاقات کے لئے کوئی جگہ مقرر کرنے کو کہا ہے؟"

"جی ہاں.......... یہ ابھی تھوڑی دیر بعد مجھے فون کرے گا' اور یہ آپ سنتے ہی رہے گے کہ ابھی کتنے ہی فون آتے رہیں گے اور یہ تمام فون کالز ہمیں اصل مجرموں تک لے جائیں گی۔"

میری بات ختم ہوتے ہی فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے اس کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو.......... میں عبید نیازی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "میں حُسن بانو بول رہی ہوں۔ آپ ہی نے وہ ماں بیٹے کی خبر شائع کرائی ہے؟"

"اگر آپ حُسن بانو ہیں اور عالم تابانی کی وائف ہیں اور آپ کے بیٹے کا نام عامر تابانی ہے تو پھر آپ کا بیٹا عامر میرے پاس محفوظ ہے۔"

"آپ ہمارے بارے میں کیا جانتے ہیں اور کیسے جانتے ہیں؟"

"آپ کی ایک ڈائری سلیقہ کے پاس رہ گئی تھی۔ اسے پڑھ کر آپ کی تمام روداد معلوم ہوئی۔"

"میں آپ پر کیسے بھروسہ کروں؟ ہو سکتا ہے تابانی یہ ایک طرح کی چال چل رہا ہو اور آپ اس چال کے ایک مہرے ہوں۔ پلیز آپ برا نہ مانیں۔"

"میں برا نہیں مانوں گا۔ آپ دودھ کی جلی ہیں' چھاچھ بھی پھونک کر پئیں گی۔ اس وقت میں انٹی نارکوٹک فورس کے اعلیٰ افسران کے درمیان بیٹھا ہوں۔ انٹی نارکوٹک فورس کا یہ برانچ آفس فریالی ٹاؤن میں ہے۔ میں آپ کو یہاں کے فون نمبر بتاتا ہوں۔ ان سے گفتگو کرنے کے بعد آپ مجھ پر بھروسہ کر سکیں گی۔"

"میں فریالی ٹاؤن میں رہ چکی ہوں۔ ابھی ڈائریکٹری میں نمبر دیکھ کر ان سے بات کر رہی ہوں۔ شکریہ۔"

فون بند ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "وہ ابھی آپ میں سے کسی کے فون پر رابطہ کرنے والی ہے۔ بہتر ہے آپ سب اپنے اپنے چیمبر میں چلے جائیں۔"

وہ سب وہاں سے اٹھ کر دروازہ کھول کر اپنے دفاتر میں چلے گئے۔ اریبہ میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے ایک بازو کے حصار میں لیا۔ وہ بولی۔ "تم قانون کے محافظوں کے سائے میں ہو۔ میں مطمئن ہوں۔ تابانی جیسا مکار دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

"تم اس کیس میں قدم قدم پر میرا ساتھ دے رہی ہو۔ ہر قدم پر ساتھ دینے والی کو ہی شریکِ حیات کہا جاتا ہے۔"

فون کے بزر نے پھر مخاطب کیا۔ میں نے اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو میں ہوں عبید نیازی.........."

دوسری طرف سے عالم تابانی کی بناوٹی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "ہوں۔ تم تو میری توقع سے زیادہ زہریلے نکلے۔ تم نے میرے تین اہم کارندوں کو ڈس لیا۔ میرے کروڑوں روپے کے دھندے کو پلک جھپکتے ہی خاک میں ملا دیا۔ کیا اب تم زندہ رہ پاؤ گے؟"

"جن کے دل میں سرفروشی کی تمنا ہوتی ہے' وہ زندگی کو موت کی ہتھیلی پر لئے گھومتے ہیں۔ تمہارے لئے یہ بہتر ہو گا کہ یہاں آؤ اور اپنی گرفتاری پیش کرو۔ سزا کچھ کم ہو جائے گی۔ اگر یہاں نہیں آؤ گے تو میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "میرا سایہ بھی میری اجازت کے بغیر سامنے نہیں آتا ہے۔ تمہاری کیا بساط ہے کہ میرے پاس آؤ گے۔ مگر ہاں حالات کا تقاضا ہے کہ اپنے بیٹے اور بیوی کو حاصل کرنے کے لئے تمہارا سامنا کروں' یہ ابھی سوچ رہا ہوں۔ غور کر رہا ہوں کہ تم سے کہاں ملاقات کرنا مناسب ہو گا۔"

"تم کیا غور کرو گے۔ یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں جہاں جاؤں گا' پولیس فورس میرے آس پاس رہے گی۔ میں تمہاری ماں کی گود میں بھی تم سے ملنا چاہوں گا تو ڈر کر بھاگو گے۔ تم کوئی اور چال چلو گے۔ خود نہیں ملو گے لہٰذا میں تمہارے پاس آؤں گا۔"

"کہاں آؤ گے؟ مجھے کہاں پاؤ گے؟"

"یہ ابھی نہیں بتاؤں گا۔ انتظار کرو۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ ایک سپاہی نے آ کر کہا۔ "سر! بڑے صاحب بلا رہے

ہیں؟"

ہم اس کمرے سے نکل کر ایک اعلیٰ افسر کے دفتری کمرے میں آئے۔ وہ افسر ریسیور کان سے لگائے باتیں کر رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر بولا۔ "یہ.......... مسٹر نیازی آ گئے۔ تم ان سے بات کرو۔"

اس نے ریسیور میری طرف بڑھایا۔ میں نے اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو؟"

دوسری طرف سے حُسن بانو کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو.......... مسٹر نیازی! میں نے اعلیٰ افسر سے بات کی ہے۔ میں مطمئن ہوں۔ آپ قانون کے سائے میں مجھے میرے بیٹے سے ملانا چاہتے ہیں۔ اب آپ جہاں کہیں گے' میں اعلیٰ افسر کے ساتھ وہاں چلی آؤں گی۔"

"شکریہ کہ مجھ پر بھروسہ کرنے لگی ہو۔ مجھے ایک فون کا انتظار ہے۔ وہ فون اٹینڈ کرتے ہی میں بتاؤں گا کہ تمہیں کہاں آنا ہے۔ تم جہاں بھی ہو' ہمارے اعلیٰ افسران تمہیں وہاں سے لے آئیں گے۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ منیر ہاشمی نے مجھے فون پر مخاطب کیا۔ "ہیلو نیازی! میں تم سے ابھی ملنا چاہتا ہوں۔ تم نے بڑے یقین سے کہا ہے کہ صبح تک حُسن بانو میرے سامنے ہوگی۔ میں چاہتا ہوں اس سے پہلے تم میرے پاس آؤ۔ میرے ساتھ وقت گزارو اور یہیں سے حُسن بانو کو کال کرو۔ میں جو جگہ بتاؤں اسے وہاں آنے کے لئے کہہ دو۔"

"معلوم ہوتا ہے' تم مجھ پر بھروسہ نہیں کر رہے ہو۔ اس لئے صبح سے پہلے بلا رہے ہو۔ کوئی بات نہیں۔ میں ابھی آ سکتا ہوں۔ بتاؤ' کہاں آنا ہے؟"

"میں اس وقت ایبٹ آباد میں ہوں لیکن ہماری ملاقات اس مکان نمبر دو سو تین میں نہیں ہو سکے گی۔ تم یہاں کے ہاکی گراؤنڈ میں آؤ گے۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت رات کے نو بجنے والے ہیں۔ میں بارہ بجے تک پہنچوں گا۔"

"تم کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس میدان کے بیچ پہنچو گے۔ میں اپنی کار میں وہاں آؤں گا۔"

"تم اس قدر محتاط کیوں ہو؟"

"میں نے تمہیں حُسن بانو کو تلاش کرنے کی ذمہ داری دی تھی۔ تم فریالی جا کر دوسرے معاملات میں ملوث ہو گئے ہو۔ تم نے دوست کم اور دشمن زیادہ بنا لئے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارا کوئی دشمن یا پھر پولیس والے تمہارے پیچھے یہاں تک چلے آئیں گے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں بالکل تنہا آؤں گا۔ بس یہاں سے کھانا کھا کر نکلنے والا ہوں۔"

میں نے فون بند کیا پھر اعلیٰ افسر سے مشورے کرنے لگا۔ وہ ایک مطلوب مجرم تھا۔ گرفت میں آنے والا تھا مگر بڑی چالاکی سے مجھے کھلے میدان میں بلا رہا تھا۔ اس طرح وہ دور سے چھپ کر دیکھ سکتا تھا' یقین کر سکتا تھا کہ میں تنہا ہوں یا اپنے پیچھے پولیس فورس لے کر آ رہا ہوں۔

میں نے اریبہ کو سمجھایا۔ "تم چند گھنٹوں کے لئے جدا ہو جاؤ۔ اپنے بنگلے میں انتظار کرو۔ وہاں خطرہ ہے میں تمہیں ساتھ لے جانا نہیں چاہتا۔"

وہ بولی۔ "وہاں حُسن بانو آئے گی۔ جب ایک عورت آ سکتی ہے تو دوسری تمہارے ساتھ کیوں نہیں جا سکتی۔ میں گولیوں کی بوچھاڑ میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

اعلیٰ افسر فون کے ذریعے حُسن بانو سے اس کا پتہ پوچھنے کے بعد کہہ رہا تھا۔ "میں سپاہیوں کے ساتھ آ رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے میں تیار ہو جاؤ۔ تم میری گاڑی میں چلو گی۔"

میں نے اپنے والد سے فون پر کہا۔ "آپ عامر کو خالہ جان کے گھر سے لے آئیں۔ ایک گھنٹے بعد پولیس کے ایک اعلیٰ افسر اپنے سپاہیوں کے ساتھ آئیں گے اور عامر کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

میں نے فون بند کر کے اعلیٰ افسر کو اپنے پنڈی کے گھر کا پتہ اور فون نمبر بتایا پھر کہا۔ "آپ پنڈی کے پولیس افسران سے رابطہ کریں۔ ان میں سے کوئی عامر کو میرے گھر سے لے کر ایبٹ آباد آئے تاکہ ماں بیٹے وہاں مل سکیں۔"

وہاں سے روانگی سے پہلے محتاط انداز میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ میں نے اریبہ سے کہا۔ "تم اس مہم میں ساتھ رہو گی لیکن میری ایک بات مان لو۔ تم حُسن بانو کے ساتھ

اعلیٰ افسر کی گاڑی میں آؤ۔ میرا وہاں تنہا جانا ضروری ہے۔"

وہ میری بات مان گئی۔ جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو بظاہر تنہا تھا لیکن میرے قریب' میرے آس پاس اور دور دور تک مسلح محافظ تھے۔ وہ سب مجھ سے پہلے روانہ ہو گئے تاکہ ہاکی گراؤنڈ کے اطراف مورچے بنا سکیں۔ سب ہی موبائل فون اور وائرلیس کے ذریعے رابطہ کر رہے تھے اور ایک دوسرے کے بارے میں معلوم کر رہے تھے کہ کون کہاں پہنچا ہوا ہے اور آگے کیا کرنے والا ہے؟

میں بارہ بجے سے پہلے ہاکی گراؤنڈ میں پہنچ گیا۔ وہاں دور دور تک گہری خاموشی اور ویرانی تھی۔ میں ہیڈ لائٹس کی روشنی میں کار ڈرائیو کرتا ہوا میدان کے بیچ میں آکر رک گیا۔ کار سے اتر کر دروازے کو بند کیا۔ دور دور تک تاریکی میں دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔ پچھلی رات تین بجے چاند طلوع ہوا تھا اس لئے ابھی اندھیرا تھا۔

فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ "ہیلو' میں ہوں نیازی.........."

منیر ہاشمی کی آواز سنائی دی۔ "میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ اپنی کار کی ہیڈلائٹس اور ٹیل لائٹس آن رکھو۔"

"تم دیکھ سکتے ہو۔ یہ سب آن ہیں۔ اس طرح کیوں چھپ رہے ہو؟ سامنے کیوں نہیں آتے؟"

"ابھی آنے والا ہوں۔ وہیں اپنی کار کے پاس کھڑے رہو۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ اگلے چند منٹوں میں پھر کال کر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے دوسرے موبائل فون کے ذریعے ایک اعلیٰ افسر سے کہا۔ "میں میدان کے بیچ میں ہوں۔ وہ کہیں سے چھپ کر مجھے دیکھ رہا ہے۔ ہیڈ لائٹس کی وجہ سے میں گہری تاریکی میں ہوں۔ وہ مجھے صاف طور سے نہیں دیکھ پا رہا ہوگا۔ شاید ابھی آنے والا ہے۔"

میرے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے اس فون کو بند کیا۔ اپنے فون کا بٹن دبا کر کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہاں بولو؟"

وہ بولا۔ "تم اپنی کار کی کھڑکی میں جھکے ہوئے تھے۔ ضرور کسی سے فون پر بول رہے تھے۔"

"میرے پاس ایک ہی فون ہے۔ اگر میں بول رہا تھا تو تم مجھ سے رابطہ نہیں کر سکتے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تم مجھے اپنا دشمن کیوں سمجھ رہے ہو؟"

"تم میرے دوست ہوتے تو دوسرے معاملات میں نہ پڑتے۔ صرف میرے لئے حسن بانو کو حاصل کرتے۔"

"میں یہی کر رہا ہوں۔ صبح تک اسے تمہارے سامنے پیش کروں گا۔"

"تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ اس کا بیٹا بھی تمہارے پاس ہے۔"

"میرے پاس ایک فرضی بیٹا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں عالم تابانی کو یہ کہہ کر دھوکا دے رہا ہوں کہ اس کا بیٹا میرے پاس ہے۔ میں تمہارے اس رقیب کو دھوکے سے تمہارے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ میں نے زہرہ جمال' ظہیر اکبر اور جلال الدین آزاد سب ہی کے سامنے جھوٹ کہا ہے۔ سب ہی کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ وہ بچہ میرے پاس ہے۔"

"تم نے ان سب کو گرفتار کیوں کرایا؟"

"میں نے عالم تابانی کی کمر توڑ دی ہے۔ تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ تمہارے رقیب کا کروڑوں روپے کا دھندا ہمیشہ کے لئے بند کرا دیا ہے۔"

"میں مانتا ہوں' تم نے میرے رقیب کا برا حال کیا ہے۔ فرض کرو' اگر میں منشیات کا دھندا کرتا تو تم مجھ سے بھی ایسی ہی دشمنی کرتے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو؟ دوست کے ساتھ دوستی ہی کی جاتی ہے' دشمنی نہیں۔ کبھی مجھے آزما کر دیکھ لو۔ تمہاری خاطر قانون سے بھی کھیل سکتا ہوں۔"

وہ چند لمحات تک چپ رہا جیسے سوچ رہا ہو' فیصلہ کر رہا ہو پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ دس منٹ کے بعد میں نے ایک کار کی ہیڈ لائٹس دیکھیں۔ وہ کار میدان میں میری طرف آ رہی تھی۔ وہ ہر پہلو سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد آ رہا تھا۔ اس نے میری کار کے سامنے دس گز کے فاصلے پر کار روک دی۔

دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا۔ میں نے کہا۔

"دوست پھول لے کر آتے ہیں' بندوق لے کر نہیں آتے۔"

اس نے کہا۔ "دونوں ہاتھ گردن پر رکھو۔ میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے دونوں ہاتھ گردن پر رکھ لئے۔ اس نے قریب آ کر میرے لباس کی تلاشی لی پھر پوچھا۔ "تمہارا ریوالور کہاں ہے؟"

"میری کار میں ہے۔ تم ڈیش بورڈ کے خانے میں دیکھ سکتے ہو؟"

"مجھے یقین ہے۔ ہتھیار یہاں نہیں ہے تو وہاں ہوگا۔ ہاتھ نیچے کر لو۔"

میں نے گردن سے ہاتھوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے جیسے دوست نہیں لگ رہے ہو؟"

"میں تم سے ایک اور سودا کرنا چاہتا ہوں۔ راضی ہو جاؤ گے تو مجھ جیسا بہترین دوست کہیں نہیں پاؤ گے۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم دیتا رہوں گا۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں پورا یقین ہے کہ عامر میرے پاس ہے۔ اب تم اس کی قیمت لگاؤ گے۔ حُسن بانو سے زیادہ اس کی قیمت دو گے۔ عالم تابانی اس کے پچاس لاکھ روپے دینا چاہتا تھا۔"

"سمجھ لو کہ میں ہی عالم تابانی ہوں۔ میں ہی منشیات یہاں سے فرکوٹ کے ذریعے سمگل کرتا ہوں تو کیا تم میرا ساتھ دو گے؟ میں تمہاری دنیا بدل کر رکھ دوں گا۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم عالم تابانی ہو۔ کالج لائف میں منیر ہاشمی تھے۔ دوہری زندگی گزار رہے ہو۔ لندن میں ایک بہت بڑی کاسمیٹکس کمپنی کے مالک ہو اور یہاں شمالی علاقہ جات سے منشیات اسمگل کرنے والے منیر ہاشمی ہو۔ تم ایک طرف حُسن بانو کے شوہر عالم تابانی ہو۔ دوسری طرف اس کے عاشق دیوانے منیر ہاشمی ہو۔ تم نہیں چاہتے تھے کہ حُسن بانو دوسروں کی پروڈکٹس کی ماڈلنگ کرے اور کوئی دوسرا سرمایہ دار اسے خرید لے۔"

وہ مجھے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "لندن میں ایک بہت بڑے سرمایہ دار نے اسے تم سے بڑی آفر دی تھی۔ اس سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ تم نے اسے قتل کر کے چھت سے لٹکا دیا۔ اس کی زندگی میں جو بھی عاشق آتا ہے' تم اسے مار ڈالتے ہو یا اپاہج بنا کر چھوڑ دیتے ہو۔ یہ سب کچھ میں نے حُسن بانو کی ڈائری میں پڑھا ہے۔"

اس نے ریوالور سے میرا نشانہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم نے ڈائری پڑھنے کے بعد سمجھ لیا تھا کہ میں عالم تابانی ہوں؟"

"جب میں نے عامر کو یہاں کے مکان نمبر تین سو دو میں دیکھا تب تم پر شبہ ہوا اور جب زہرہ جمال' ظہیر اکبر اور جلال الدین آزاد اور تمہارے مشیر' مشیر احمد کی خفیہ میٹنگ میں یہ سنا کہ تم نے میرا حلیہ انہیں بتایا ہے' جینز پر سیاہ جیکٹ میں ہوں۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ تم ہی ہو اور دوہری چالیں چل رہے ہو۔"

وہ بولا۔ "نیازی! تم نے میری دوستی کا لحاظ نہیں کیا۔ یہاں منشیات کے دھندے میں مجھے کروڑوں کا نقصان پہنچایا ہے اور جب مجھے عالم تابانی کی حیثیت سے جان ہی چکے ہو تو تم نے میرے بیٹے کو قانون کے محافظوں کے پاس رکھا ہوگا۔ وہ مجھے کبھی نہیں ملے گا اور اس کے بغیر میں حُسن بانو کو اپنی زندگی میں واپس نہیں لا سکوں گا۔ میری بہت بڑی پراڈکٹ مارکیٹ میں آنے والی ہے۔ وہ ماڈلنگ کے راضی نہیں ہوگی تو وہاں بھی میرا کروڑوں کا نقصان ہوگا۔ اُدھر حُسن بانو اور اِدھر تم.......... مجھے ناقابل برداشت نقصان پہنچا رہے ہو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی رات کے سناٹے میں فائرنگ کی آواز گونجی۔ منیر ہاشمی کے حلق سے چیخ نکلی۔ ہاتھ میں گولی لگی تھی۔ ریوالور زمین پر گر پڑا۔ وہ جھک کر دوسرے ہاتھ سے اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے ایک لات ماری۔ وہ الٹ کر دور جا گرا۔ میں نے اس کا ریوالور اٹھا لیا۔ اس نے سہم کر دیکھا۔ میری کار کی ڈکی سے ایک افسر نے نکل کر اس پر فائر کیا تھا اور اس کے ہاتھ کو زخمی کیا تھا۔

وہ موبائل فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "یہ قابو میں آ چکا ہے۔ آپ آ جائیں۔"

چند منٹ کے بعد ہی اس میدان میں کئی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ انہوں نے چاروں طرف سے منیر ہاشمی عرف عالم تابانی کو گھیر لیا۔ ایک گاڑی سے حُسن بانو اپنے بیٹے عامر کے ساتھ باہر آئی۔ اریبہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آ گئی۔ حُسن بانو نے منیر ہاشمی کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم دولت اور طاقت کے غرور میں فرعون بن گئے تھے۔ ایک ماں سے بیٹے کو چھین رہے تھے۔ میں نے ایسا قصائی باپ نہیں دیکھا جو صرف میری ماڈلنگ سے انکار کرنے پر بیٹے کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ میں تم پر تھوکتی ہوں۔"

اس نے آخ تھو کی آواز کے ساتھ اس کے منہ پر تھوک دیا پھر میرے پاس آئی۔
میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا۔ "میں ایک ماں ہوں' شیطان پر تھوکتی ہوں
اور انسان کو چومتی ہوں۔"
اس نے میری پیشانی کو چوم لیا۔

☆======☆======☆

زیر آستین

دولت اور اقتدار کا نشہ سر چڑھ بولتا ہے۔ دوسروں کو اپنا غلام دیکھنے اور حکم
چلانے کی خواہش انسان کو دیوانگی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس نشے کے سرور میں
ڈوبے ہوئے لوگ اپنے آپ کو ہر اصول اور قانون سے ماورا سمجھنے لگتے ہیں۔
اخلاقی اقدار ان کے نزدیک بے حقیقت اور انسانیت بے معنی چیز ہو کے رہ جاتی
ہے۔

بنارس کا دھارمک نام کاشی ہے۔ کاشی کے معنی ہیں' وہ اجلا اجلا سا نور جو آتما کے اندر سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہندوؤں کا سب سے مقدس مقام ہے۔ ہزاروں لاکھوں ہندو تیرتھ یاترا کے لئے آتے ہیں۔ یہ صدیوں پرانا شہر گنگا ندی کے اطراف آباد ہے۔ گنگا کا پانی بہت ہی مقدس مانا جاتا ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق جو گنگا میں نہاتا ہے' اس کے پچھلے تمام پاپ ڈھل جاتے ہیں۔ جس کا آخری وقت آ جاتا ہے' اس کے منہ میں گنگا جل ڈالا جاتا ہے۔ آسانی سے اس کا دم نکل جاتا ہے اور اس کی آتما کو شانتی ملتی ہے۔

جیتے جی بھی آتما اور دل و دماغ کی شانتی لازمی ہے۔ وہاں چور' ڈاکو' اسمگلرز اور سیاست داں بھی گنگا نہانے اور اپنے پاپ دھونے آتے رہتے ہیں۔ دھیرج لال چوپڑا برسراقتدار پارٹی کا ادھیکاری نیتا تھا۔ اسے اپنی پارٹی میں سیاسی سیٹ اپ قائم رکھنے کا ادھیکار حاصل تھا۔ اپنی پارٹی کے من پسند لیڈروں کو الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ دیتا تھا اور انہیں اونچی سے اونچی کرسیوں پر پہنچاتا تھا۔ وہ بھی گنگا کنارے رہتا تھا اور گنگا نہایا کرتا تھا۔

اس کی وسیع و عریض قلعہ نما کوٹھی اشنان گھاٹ سے دس میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کوٹھی کے اطراف دور تک آبادی نہیں تھی۔ وہ انسانی آبادی کے جنگل سے نکل کر وہاں تنہائی میں وقت گزارتا تھا۔ اس نے وہ کوٹھی چوبیس برس کی جوان بیوی کے لئے بنوائی تھی۔ اسے یہ خوش فہمی تھی کہ اس کی جوان اور خوبصورت بیوی سونالی اسے ستر برس کا بوڑھا نہیں سمجھتی ہے۔ وہ اس پر دل و جان سے قربان ہو کر کہا کرتی تھی۔ "مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ میرا دھیرج لال چوپڑا سٹین لیس اسٹیل ہے۔ اسے کبھی زنگ نہیں لگے گا۔"

آدمی بوڑھا ہو جائے تو اسے بچے کی طرح آسانی سے اُلّو بنایا جا سکتا ہے۔ اس قلعہ

نما کوٹھی کے اندر اور باہر جدید الیکٹرانک آلات کے ذریعے سخت حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے۔ کوئی پرندہ بھی وہاں آ کر پَر مارتا تو اندر کوٹھی کے ہر حصے میں ٹی وی اسکرین پر دیکھ لیا جاتا۔ خطرے کا الارم بجنے لگتا۔ دروازہ کھولنے والے کو بجلی کے جھٹکے لگتے اور وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا یا کسی طرح جان بچا کر واپس بھاگ جاتا۔ وہاں ہمیشہ سیکورٹی گارڈز نہیں رہا کرتے تھے۔ سونالی اور دھیرج لال چوپڑا کبھی ملکی و غیرملکی دورے پر جاتے تو گارڈز اور دوسرے ملازموں کو چھٹی دے دی جاتی تھی۔ یہ اطمینان رہتا تھا کہ حفاظتی اقدامات سخت ہیں۔ جو بھی وہاں قدم رکھے گا' اس کی شامت آ جائے گی۔

انسان ازل سے روک ٹوک کا عادی نہیں ہے۔ اس سے کچھ چھپایا جائے تو وہ راز کی تہہ تک پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔ اس کے آگے دیوار اٹھائی جائے تو دیوار گرا دیتا ہے۔ کیسی بھی رکاوٹ ہو' اسے توڑ کر گزر جاتا ہے۔ کبیر بھی ایسا ہی تھا۔ وہ اس کوٹھی کے حفاظتی انتظامات توڑ کر اندر گھس کر ڈاکا ڈالنے کا مکمل منصوبہ بنا چکا تھا۔

بنارسی ٹھگ مشہور ہیں۔ کبیر اس سلسلے میں مشہور نہیں تھا لیکن پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی بلیک لسٹ میں رہتا تھا۔ ایک بار بینک ڈکیتی کے سلسلے میں سزا کاٹ چکا تھا۔ اس کے علاوہ کئی چھوٹی بڑی چوریاں اس نے کی تھیں۔ وہ اپنے پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا تھا اس لئے کبھی گرفت میں نہیں آتا تھا۔

دھیرج لال چوپڑا نے جس مکینک اور الیکٹریکل انجینئر کے ذریعے اس کوٹھی میں حفاظتی اقدامات کرائے تھے' کبیر نے ان دونوں ماہرین سے دوستی کی تھی۔ کون ہے جو دولت کمانا نہیں چاہتا؟ وہ دونوں بھی سپنوں میں دولتمند بنتے رہتے تھے۔ کبیر نے کہا۔ "سپنے سچ ہو سکتے ہیں۔ میرے ساتھ تعاون کرو' میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔"

مکینک نے پوچھا۔ "تم کیا کرو گے؟ کیا چوپڑا صاحب کی تمام دولت لوٹ کر لے آؤ گے؟"

"لا سکتا ہوں۔ مجھے کوٹھی کے اندر کا مکمل نقشہ بنا کر دکھاؤ۔ باہر سے اندر جانے اور اندر سے باہر آنے والے تمام دروازوں' کھڑکیوں اور روشن دانوں کی تفصیل بتاؤ؟"

مکینک اور الیکٹریکل انجینئر نے اس کوٹھی میں کام کرنے کے دوران میں وہاں کے ایک ایک حصے کو دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنی یادداشت کے مطابق ایک بڑے سے کاغذ پر

کوٹھی کا نقشہ بنا دیا پھر اسے سیکورٹی انتظامات کی تفصیلات بتائیں۔ سونالی اور دھیرج لال چوپڑا کوٹھی کو مقفل کر کے جانے سے پہلے مین سوئچ آن کر دیتے تھے۔ ان کے بعد کوئی اجنبی اس کوٹھی کے احاطے میں بھی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جگہ جگہ بجلی کے تار بچھائے گئے تھے۔ کبیر نے ان سے پوچھا۔ ”جب وہاں بجلی کے تار بچھائے گئے ہیں تو سونالی اور چوپڑا اس کوٹھی کے اندر کیسے جاتے ہیں؟“

”ان کے گارڈز کے پاس ڈی ٹیکٹنگ آلات ہوتے ہیں۔ وہ آلات رہنمائی کرتے ہیں کہ کہاں کہاں بجلی کے تار بچھے ہوئے ہیں۔ پہلے ایک گارڈ ان تاروں سے کترا کر کوٹھی کے اندر جا کر ان تاروں کے سوئچ کو آف کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ سب اندر جاتے ہیں۔“

کبیر نے کہا۔ ”مجھے ایک ڈی ٹیکٹر کی ضرورت ہوگی۔ کیا یہ مجھے مل سکتا ہے؟“

”ضرور مل سکتا ہے۔ ہم مین سوئچ بورڈ کا پورا نقشہ اس کاغذ پر بنا رہے ہیں۔ تم اس کے سرخ، سبز اور پیلے تاروں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ ہماری بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق ان تاروں کو الگ کرو گے تو تمام خطرے کے الارم خاموش ہو جائیں گے۔ ویڈیو کیمرے تمہاری تصویریں اتار نہیں پائیں گے۔“

دوسرے ماہر نے کہا۔ ”جتنی اہم تفصیلات ہیں، وہ سب تمہیں بتائی جائیں گی مگر پہلے لین دین کی بات کرو۔ ہمیں یقین دلاؤ کہ دھوکا نہیں دو گے۔ جو کچھ وہاں سے لاؤ گے، اس میں ہم تینوں کا برابر کا حصہ ہوگا۔“

”مجھ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ یہ ڈکیتی بنارس میں ہوگی اور تم دونوں یہاں دہلی میں رہتے ہو۔ میں چوری کا مال فوراً ہی وہاں سے یہاں تک نہیں لا سکوں گا۔ اگر حالات سازگار نہ ہوئے تو تمام مال کہیں چھپا کر کچھ عرصے کے لئے بھول جانا ہوگا۔ اگر مجھ پر بھروسہ نہ کرنا چاہو تو ڈکیتی کے دوران میرے ساتھ رہو۔ وہاں سے اسی وقت اپنا حصہ لے کر چلے آؤ۔“

ایک ماہر نے کہا۔ ”ہم شریف لوگ ہیں۔ پہلے کبھی کسی کا ایک پیسہ بھی نہیں چرایا ہے۔ ہم کسی سیاسی نیتا کے محل میں ڈاکا ڈالنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم دور ہی دور سے تمہارے کام آ سکتے ہیں۔“

دوسرے ماہر نے کہا۔ ”تم اپنی پلاننگ بتاؤ۔ تم جس رات ڈاکا ڈالو گے، ہم اس رات چوری چھپے بنارس آئیں گے۔ تم واردات کے بعد سیدھے ہمارے پاس آؤ گے۔ ہم اپنا حصہ لے کر وہاں سے چلے آئیں گے۔“

”تم دونوں جیسا چاہو گے، میں ویسا ہی کروں گا۔ حفاظتی انتظامات کو توڑنے کے لئے جتنے آلات کی ضرورت ہے، وہ فراہم کرو پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہاں کب نقب لگانے والا ہوں۔“

دھیرج لال چوپڑا راج نیتک سمیا (مسائل) حل کرنے کے لئے دہلی میں رہا کرتا تھا۔ کبھی سونالی کو اپنے پاس بلاتا اور کبھی خود اس کے پاس بنارس آ جاتا تھا۔ کبیر ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا پھر پتہ چلا دھیرج لال چوپڑا اپنی پارٹی کے مختلف لیڈروں سے ملاقات کرنے کے لئے اتر پردیش کے مختلف شہروں کا دورہ کر رہا ہے۔ سونالی اس سیاسی دورے میں اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اس بوڑھے پر جب جوانی کا دورہ پڑتا تھا تب اس کے پاس جاتی تھی۔

کبیر نے یہ دیکھا تھا کہ سونالی شام ڈھلے اپنی کوٹھی سے نکلتی تھی اور وہاں کی اونچی سوسائٹی اور وی آئی پی کلب میں وقت گزارتی تھی۔ پھر رات گئے اپنی کوٹھی میں واپس آتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ گارڈز اور دوسرے ملازموں کو چھٹی دے دیا کرتی تھی اور کسی خوبرو کو باڈی گارڈ بنا کر اسے کوٹھی میں لے آتی تھی۔

کبیر اپنا کام صرف دو گھنٹے میں کر سکتا تھا۔ وہ آٹھ بجے اس عالی شان کوٹھی کے سامنے آیا۔ سونالی اپنے معمول کے مطابق تفریح کے لئے وی آئی پی کلب گئی ہوئی تھی۔ اسے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوتے وقت کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ ڈی ٹیکٹر کے ذریعے بجلی کی تاروں سے بچتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا۔ وہ بڑے سے بڑے تالے توڑنا اور کھولنا جانتا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر نقشے کے مطابق سب سے پہلے مین سوئچ بورڈ کے پاس آیا پھر ان ماہرین کی ہدایات کے مطابق سیکورٹی نظام کو ناکارہ بنانے لگا۔

اس نے منہ پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ خفیہ ویڈیو کیمرے اس کی تصویریں اتار رہے تھے۔ حفاظتی انتظامات کو ناکارہ بنانے کے بعد اس نے اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ اب کسی طرح کا اندیشہ نہیں تھا۔ خفیہ کیمرے اور الارم خاموش ہو گئے تھے۔ کوٹھی کے اندر اور

باہر گہری تاریکی چھا گئی تھی۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں کوٹھی کے نقشے کو ایک بار پھر دیکھا اور اس کے مطابق وہاں کے مختلف حصوں سے گزرنے لگا۔

اس کوٹھی میں ایک ایسا کمرہ تھا جہاں دھیرج لال چوپڑا کی اہم دستاویزات' نقد روپے اور ہیرے۔ جواہرات رکھے ہوئے تھے۔ وہ پورا کمرہ ایک تجوری کی طرح تھا۔ چوپڑا کا دعویٰ تھا کہ اس تجوری والے کمرے کے دروازے کو صرف وہی کھول سکتا ہے جبکہ دنیا میں بڑے بڑے لاک بریکر ہیں۔ کبیر کو اپنی مہارت پر یقین تھا کہ وہ اس دروازے کو کھول لے گا لیکن دولت اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ وہ کوشش کرنے لگا۔ پسینہ پسینہ ہونے لگا۔ اس کمرے میں اور کوئی دوسرا دروازہ اور کھڑکیاں نہیں تھیں۔ تجوری کا ایک ہی پٹ ہوتا ہے۔ اس کمرے کا بھی ایک دروازہ تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ ڈکیتی کی واردات میں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے صرف ہو سکتے ہیں لیکن اس دروازے سے لڑتے لڑتے دو گھنٹے گزر گئے۔ وہ بہت ہی ضدی اور ارادے کا پکا تھا۔ آخر اس نے اسے کھول ہی لیا۔ اندر بڑی بڑی شیشے کی الماریاں تھیں۔ ان الماریوں میں ہیرے موتیوں سے جڑے ہوئے بے شمار زیورات کے سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ جس پر ٹارچ کی روشنی پڑتی تھی' وہ زیور جگمگانے لگتا تھا۔ ایک الماری میں نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ سب انڈین کرنسی تھی۔ دوسری الماریوں میں ڈالرز اور پاؤنڈز کے بڑے نوٹوں کی گڈیاں نظر آ رہی تھیں۔

اس نے ایک بار بینک میں ڈاکا ڈالا تھا مگر وہاں بھی اس نے اتنی دولت نہیں دیکھی تھی جتنی ایک سیاست داں کے گھر میں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ایک بڑے سے تھیلے میں نوٹوں کی گڈیاں بھرنے لگا۔ اس کے وارے نیارے ہو رہے تھے۔ اس ایک واردات کے بعد پھر کبھی کوئی واردات نہ کرنی پڑتی۔ اتنی دولت تھی کہ اس کا بڑھاپا عیش و آرام سے گزر سکتا تھا۔

وہ زیورات کی الماری کے سامنے آیا۔ زیورات کو دیکھ کر اپنی محبوبہ یا بیوی کا خیال آتا ہے۔ عورت کو خوش کرنے کے لئے زیورات لازمی ہوتے ہیں لیکن ان زیورات کو دیکھ کر کبیر کی آنکھوں کے سامنے بیٹی کا چہرہ مسکرانے لگا۔ اتنی بڑی دنیا میں صرف ایک بیٹی تھی جسے وہ خوش رکھنے کی ہر ممکن کوششیں کرتا تھا لیکن بیٹی اسے' دیکھ کر منہ پھیر لیا کرتی

تھی۔

وہ کچھ زیورات اپنے بیگ میں ڈالنے لگا۔ بیگ میں زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ وہ اسے بند کر کے کمرے کے باہر آ گیا۔ اس نے تجوری والے کمرے کے دروازے کو دوبارہ بند کر دیا۔ وہ دروازہ ایک بیڈروم کے اندر سے کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں اس شاہانہ طرز کے بیڈروم کو دیکھا۔ وہاں ایسا آرائشی سامان تھا اور ایسی جذبات انگیز تصاویر اور مجسّمے تھے جنہیں دیکھ کر ایک بوڑھا بھی ہڑبڑا کر جوان ہو جاتا تھا۔ کبیر کو جوان ہونے کا شوق نہیں تھا۔ وہ بیڈروم میں اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے جائزہ لے رہا تھا۔ وہاں بھی کوئی قیمتی چیز تلاش کر رہا تھا۔

وہ ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ اسے دھیمی دھیمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ ادھر کے کوریڈور اور کمروں میں روشنی نظر آ رہی تھی جبکہ وہ تمام لائٹس بجھا کر آیا تھا۔ وہ فوراً ہی اپنا بیگ اٹھا کر ایک پارٹیشن کے پیچھے آ کر چھپ گیا۔ ایک عورت اور ایک مرد کے باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی سی' آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔

وہ دم سادھے کھڑا رہا۔ پارٹیشن کے پیچھے سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ ایک منٹ کے بعد ہی ایک حسین اور نوجوان عورت دکھائی دی۔ اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔ کبیر نے دونوں کو پہچان لیا۔ اس حسینہ کا نام سونالی تھا۔ وہ برسراقتدار پارٹی کے ادھیکاری نیتا دھیرج لال چوپڑا کی دھرم پتنی تھی۔

دوسرے شخص کا نام دھرمانند پانڈے تھا۔ وہ وہاں کا انفارمیشن منسٹر تھا۔

سونالی نے بہت زیادہ پی لی تھی۔ چلتے وقت ڈگمگا رہی تھی۔ دھرمانند پانڈے اسے دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہا تھا اور سنبھالتا آ رہا تھا۔

عورت مستی میں ہنستی ہے تو کچھ زیادہ ہی جذبوں کو بھڑکاتی ہے۔ وہ ہنستی ہوئی بول رہی تھی۔ "کیا کرتے ہو؟ مجھے گدگدی ہو رہی ہے۔ یوں نہ پکڑو۔"

"ہم نہیں پکڑوں گا تو تم گر پڑو گی۔ تم کو منع کیا تھا۔ جیادہ مت پیو۔"

وہ ایک ہاتھ انکار میں ہلاتے ہوئے بولی۔ "سمجھا کرو۔ یہ شراب کا نہیں جوانی کا نشہ ہے۔ تمہارا وہ بوڑھا دوست یہ نشہ اتارنے کی کوششیں کرتا ہے مگر بے چارہ ہے۔ مجھے

اس پر بڑا ترس آتا ہے۔ آج تم سے دوستی ہوئی ہے مگر تم بھی تو اپنے دوست جیسے بوڑھے لگتے ہو۔"

"ہم بوڑھا نہیں ہوں۔ سیاست کی دھوپ میں پک کر ایسا دکھائی دیتا ہوں۔ ہم تمہارے چوپڑا سے عمر میں دس برس کم ہوں۔"

"یعنی وہ ستر برس کا ہے اور تم ساٹھ برس کے ہو۔ سٹھیا گئے ہو۔"

وہ سٹھیا جانے کی بات پر ہنستی ہوئی' ڈگمگاتی ہوئی آکر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی نکٹائی اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ اس کے پاس قدموں میں آکر فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس پر جھکتے ہوئے بولا۔ "سٹھیانے والے مرد بڑے کھترناک ہوتے ہیں۔ تم آج کے بعد ہم کو کبھی نہیں بھولو گی۔"

"میں بوڑھوں کو کبھی نہیں بھولتی۔ میرے حالات نے مجھے سکھایا ہے کہ جوانوں کو ٹھکرایا کرو۔ یہ کیا کر رہے ہو؟ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا ہے۔"

وہ صوفے پر سے اٹھنے لگی۔ دھرمانند پانڈے نے فرش پر سے اٹھ کر اسے صوفے پر گرا دیا۔ وہ ہنسنے لگی پھر اچانک چیخ پڑی۔ "تم پیار کرنے آئے ہو یا ظلم کرنے؟"

کبیر پارٹیشن کے پیچھے کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ پیار بھی کر رہے تھے' تکرار بھی کر رہے تھے۔ دھرمانند پانڈے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ شدت پسند ہے۔ جب کوئی بوڑھا کسی جوان کو پچھاڑ نہیں سکتا' اسے مار نہیں سکتا تو نوچنے کھسوٹنے لگتا ہے۔

پانی کم ہو اور آگ زیادہ ہو تو آگ کے سامنے پانی نہیں ٹھہرتا' بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ رہا تھا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ غصے سے کہہ رہی تھی۔

"چھوڑ دو مجھے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

سانپ لپٹ جائے تو چھوڑتا نہیں ہے۔ خواہ اس میں زہر ہو یا نہ ہو ڈسنے کی عادت نہیں جاتی۔ وہ پھنکار رہا تھا۔ جیسے بادل گرجتا ہے۔ برسے یا نہ برسے' گرجنے کی عادت ہوتی ہے۔

وہ اس سے پیچھا چھڑا کر بھاگتی ہوئی بستر کے سرہانے والی میز کے پاس آئی۔ وہاں ایک ٹرے میں پھل رکھے ہوئے تھے اور پھلوں کے درمیان ایک چاقو رکھا ہوا تھا۔ وہ چاقو اٹھا کر بولی۔ "خبردار! میرے قریب نہ آنا۔"

پانڈے نے اس بری طرح نوچا' کھسوٹا اور کاٹا تھا کہ اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ خوفزدہ تھی اور غصے میں بھی تھی۔ حسین عورتیں اپنے چہروں اور جسموں پر ایک تل برابر داغ دھبہ نہیں لگنے دیتیں۔ وہ جنونی اسے داغدار کر رہا تھا اور وہ ایسی حرکتیں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

پانڈے نے اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر کہا۔ "ہم انچارمیشن منسٹر ہوں۔ تم ہم کو چاقو دکھاتی ہو۔ ہم تو تمری ایسی کی تیسی کر دوں گا۔"

اس نے جھپٹ کر اس کے چاقو والے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ سونالی اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوششیں کرنے لگی۔ اسے دوسرے ہاتھ سے مارنے اور دھکے دینے لگی۔ آسانی سے قابو میں آنے والی عورت ضدی اور اڑیل گھوڑی بن جائے تو قابو میں نہیں آتی۔ اسے لگام دینا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بڑھاپے نے جوانی کو لگام دی ہو۔ وہ ہانپ رہا تھا' کانپ رہا تھا۔ سونالی نے پوری قوت سے دھکا دے کر اسے گرا دیا۔ وہاں سے بھاگنے لگی لیکن اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ایک ٹانگ پکڑ لی۔ وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑی۔

کبیر پارٹیشن کے پیچھے پریشان ہو رہا تھا۔ حالات کہہ رہے تھے کہ بات اور بڑھنے والی ہے۔ باہر ان کے گارڈز موجود ہوں گے۔ وہ سونالی کی چیخ و پکار سن کر آئیں گے تو وہ پارٹیشن کے پیچھے چھپا نہیں رہ سکے گا۔ کوئی نہ کوئی اسے دیکھ لے گا۔ اسے ضرور گرفتار کیا جائے گا۔

سونالی کے فرش پر گرتے ہی پانڈے نے آکر اسے دبوچ لیا تھا۔ وہ چاقو سونالی کے ہاتھ میں تھا اور سونالی کی کلائی پانڈے کی گرفت میں تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چاقو چھیننے کی کوششیں کر رہا تھا۔ ایسے میں وہ پوری طرح اسے دبوچ کر نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ فرش پر ادھر سے اُدھر لڑھک رہا تھا۔

ایک بار چاقو پانڈے کے ہاتھ میں آگیا۔ اس کی نوک سونالی کے شانے پر لگی۔ خون کی ایک لکیر بنتی گئی۔ بلاؤز پھٹتا گیا۔ لہو سے بھیگتا گیا۔ وہ پوری قوت سے تڑپتی ہوئی اس کے اوپر آگئی۔ وہ اس کے چاقو والے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھی۔ اپنا تمام زور لگا کر اس کی نوک پانڈے کے سینے پر لا رہی تھی۔

اب وہ بری طرح ہانپنے لگا تھا۔ سانس قابو میں نہیں آ رہی تھی اور عورت قابو سے باہر ہو گئی تھی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ سونالی کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں کمزور پڑ رہا تھا۔ ایسے میں اس کی نوک اس کے سینے میں چبھ گئی۔ ایک ساعت کے لئے جیسے وقت ٹھہر گیا۔ پانڈے کے سامنے موت اٹل ہو گئی۔ وہ اسے ٹال نہیں سکتا تھا۔ اس نے ہمت ہار کر آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز گونجی۔ سونالی کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ گولی سینے کے آرپار ہو گئی تھی۔ فوارے کی صورت میں نکلنے والے لہو کے چھینٹے پانڈے کے منہ اور لباس پر پڑ رہے تھے۔ وہ بے جان ہو کر اس پر اوندھے منہ گر پڑی۔

پانڈے پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ چند سیکنڈ تک اس کی لاش کا بوجھ اٹھائے فرش پر چاروں شانے چت پڑا رہا۔ جسے چت کرنے آیا تھا' وہ مرنے کے بعد اسے چت کر رہی تھی۔ ویسے قسمت کا دھنی تھا۔ چاروں شانے چت ہو کر بھی جیت گیا تھا۔

بیڈ روم کے دروازے پر ایک شخص ریوالور لئے کھڑا تھا۔ وہ دھرمانند پانڈے کا سیکورٹی افسر شنکر بھاٹیہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت جینز اور جیکٹ میں نظر آ رہی تھی۔ وہ پانڈے کی پرسنل سیکرٹری ساریکا سنجنا تھی۔ ان کے پیچھے پانڈے کا پولیٹیکل ایڈوائزر انیل شرما کھڑا ہوا تھا۔ سیکورٹی افسر شنکر بھاٹیہ نے ریوالور کو ہولسٹر میں رکھا پھر ان کے قریب آ کر سونالی کی لاش کو کھینچ کر پانڈے کے اوپر سے ہٹایا۔ وہ ابھی تک جیسے سکتے کے عالم میں تھا۔ ساریکا سنجنا نے قریب آ کر اسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔ "ہوش میں آؤ' اٹھو......... اور دیکھو تمہاری موج مستی کیا رنگ لا رہی ہے۔ یہاں مرڈر ہو چکا ہے۔ ایک طوفان کھڑا ہونے والا ہے۔"

وہ سنجنا کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پولیٹکل ایڈوائزر انیل شرما نے کہا۔ "ہوشیاری سے کام لو۔ سنجنا! تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ ہمیں اپنی اور منتری جی کی انگلیوں اور پیروں کے نشانات یہاں نہیں چھوڑنے چاہئیں۔"

سیکورٹی افسر شنکر بھاٹیہ نے وہ چاقو فرش پر سے اٹھا کر اسے پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال کر پلنگ کے نیچے ایک طرف رکھ دیا۔ پانڈے کی قمیض کے بٹن کھولتے ہوئے' اسے

اتارتے ہوئے بولا۔ "اس قمیض کو کہیں لے جا کر جلا دیا جائے گا۔ میڈم سنجنا! آپ منتری جی کو ادھر لے جائیں۔ ان کے چہرے اور بدن سے خون کے دھبے صاف کریں۔ میں یہاں انگلیوں اور قدموں کے نشانات مٹا رہا ہوں۔"

انیل شرما نے کہا۔ "ہمارے جانے کے بعد یہ ظاہر ہونا چاہئے کہ سونالی اپنے کسی یار کے ساتھ موج مستی کے لئے آئی تھی۔ اس کے یار نے گولی ماری ہے۔"

دھرمانند پانڈے نے کہا۔ "ہم تو بڑا سنکٹ (مصیبت) میں پڑ گیا ہوں' دیکھو! یہاں سے ہمرا نام نسان مٹا دو۔ ہمرے اوپر کوئی آروپ نہیں آنا چاہئے۔"

ساریکا سنجنا نے کہا۔ "پانڈے! نام و نشان مٹانے کا مطلب ہے جان سے مار ڈالنا۔ ایک تو غلطیاں کرتے ہو پھر الٹی سیدھی باتیں کرتے ہو۔ یہی حال رہا تو خود ہی اپنا نام و نشان مٹا ڈالو گے۔"

وہ سنجنا کو گھور کر بولا۔ "اے! بہوت بولتی ہو۔ ہم نے تمہیں سر پہ بٹھایا ہے تو اپنی اوکات مت بھولو۔ تم ہمری پرسنل سیکٹری ہو۔"

"سیکٹری نہیں سیکرٹری بولو۔ منسٹر بنے ہو تو بولنا سیکھو۔"

"ہم سیکھ لوں گا۔ ہمری چنتا مت کرو۔ ادھر جو ہو گیا ہے' اس کو سنبھالو۔ یہ سسری دام میں آئی نہ کام آئی۔ پٹ سے مر گئی۔"

انیل شرما نے کہا۔ "یہاں دیر نہ کرو۔ ہمیں جلد سے جلد منتری جی کو لے کر یہاں سے جانا چاہئے۔ یہ اچھا ہوا کہ منتری جی کلب میں سونالی کے ساتھ نہیں تھے۔ اس سے راستے میں ملاقات ہوئی تھی۔ کسی نے منتری جی کو اس کے ساتھ یہاں آتے نہیں دیکھا ہے۔ ہم اس مرڈر کیس کا رخ بدل دیں گے۔"

شنکر بھاٹیہ نے سنجنا اور انیل شرما سے کہا۔ "آپ دونوں منتری جی کو لے کر باہر چلو۔ ان کی قمیض بھی یہاں سے لے جاؤ۔ میں تمام کمروں کی بتیاں بجھا کر آ رہا ہوں۔"

وہ دونوں پانڈے کے دائیں بائیں راہ کر وہاں سے جانے لگے۔ انیل شرما نے جاتے جاتے خون آلود قمیض اٹھا لی۔ شنکر بھاٹیہ لاش سے ذرا دور کھڑا ہوا تھا۔ چاروں طرف گھوم کر بیڈ روم کی ایک ایک چیز کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ پانڈے کی انگلیوں کے نشانات اور کہاں کہاں رہ گئے ہوں گے؟

کبیر پارٹیشن کے پیچھے پریشان تھا۔ شنکر بھاٹیہ کو اِدھر سے اُدھر جاتے آتے دیکھ رہا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ وہ اسی طرح بھٹکتا ہوا پارٹیشن کے پیچھے آ جائے گا۔ اسے دیکھتے ہی گولی مار دے گا یا سونالی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لے گا۔ اس کے پاس چرائی ہوئی رقم اور زیورات تھے۔ اسے چور اور قاتل ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔

شنکر بھاٹیہ نے سوئچ کے پاس آ کر سونالی کی لاش پر ایک نظر ڈالی پھر وہاں کی بتیاں بجھا دیں۔ بیڈروم میں تاریکی چھا گئی۔ وہ بیڈروم سے باہر آ گیا پھر کوٹھی کے جس حصے سے گزرتا گیا' وہاں کی لائٹس بجھاتا گیا۔ کوٹھی کے باہر کے احاطے میں دھرمانند پانڈے کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ سنجنا کے سینے پر سر رکھ کر بولا۔ "سویرے سے ہمری بائیں آنکھ پھڑک رہی تھی۔ کوئی بات نہیں' جو ہونا تھا وہ چپ چاپ ہو گیا۔ کسی کو کھبر نہیں ہوگی۔ کسی سسرے نے ہم کو ادھر نہیں دیکھا ہے۔"

سارِیکا سنجنا نے کہا۔ "تم نے اپنا سر میرے سینے پر کیوں رکھا ہے؟ کیا تمہاری یہ چپکنے کی عادت نہیں جائے گی؟"

"ہم بہوت سنکٹ (مصیبت) میں ہوں۔ ہم کو آرام کرنے دو۔"

انیل شرما کار کے باہر کھڑا شنکر بھاٹیہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اس وقت بھاٹیہ کوٹھی کے باہر آ کر دروازے کو بند کر رہا تھا۔ ادھر بیڈروم میں کبیر پارٹیشن سے باہر آ کر تاریکی میں گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ وہ جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس وقت ٹارچ روشن کرنا مناسب نہیں تھا۔ کھڑکی کے شیشوں سے روشنی باہر جا سکتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر راستہ ٹٹول کر آگے بڑھنے لگا۔ آنکھ والے چاہیں تو اندھے بن کر نہیں چل سکتے پھر وہ جگہ اس کے لئے انجانی تھی۔ وہ ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اس کے ساتھ وہاں کی کوئی چیز بھی گری۔ رات کے سناٹے میں گرنے پڑنے کی آواز نیچے باہر تک گئی۔ شنکر بھاٹیہ اور انیل شرما کار میں بیٹھنے جا رہے تھے۔ آواز سنتے ہی ٹھٹک گئے۔ سر اٹھا کر اوپری منزل کے بیڈروم کی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔

"یہ کیسی آواز ہے؟" سارِیکا سنجنا نے کار سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

انیل شرما نے کہا۔ "یہ آواز اوپر سے آئی ہے۔ وہاں ضرور کوئی ہے۔"

کبیر گرنے کے بعد فرش پر پڑا ہوا تھا۔ سوچ رہا تھا' آواز باہر تک گئی ہوگی۔ خیریت

اسی میں ہے کہ ٹارچ روشن کر کے راستہ دیکھتے ہوئے فوراً یہاں سے نکل جاؤں۔

اس نے ٹارچ روشن کی۔ روشنی میں پتہ چلا' وہ پلنگ کے پاس آ کر گرا ہے اور وہیں پلنگ کے نیچے پلاسٹک کی تھیلی میں لپٹا ہوا وہ چاقو نظر آ رہا تھا۔ ایک نکٹائی بھی پڑی ہوئی تھی۔ وہ چاقو اور نکٹائی کو اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سونالی کی لاش سے کترا کر چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ نیچے احاطے میں پانڈے کی کار کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ سنجنا' انیل شرما اور بھاٹیا سر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سنجنا نے کہا۔ "اوہ گاڈ! وہاں روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ اندر ضرور کوئی ہے۔"

انیل شرما نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' کوئی وہاں پہلے سے چھپا ہوا تھا۔ اس نے منتری جی کو دیکھا ہے اور سونالی کا مرڈر ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔"

سنجنا نے کہا۔ "وہ ابھی اندر ہے۔ اسے پکڑا جا سکتا ہے۔ کم آن بھاٹیہ گو اینڈ گیٹ ہم۔"

بھاٹیہ نے ریوالور نکال لیا۔ وہ اور انیل شرما دوڑتے ہوئے کوٹھی کے دروازے کی طرف جانے لگے۔ کبیر نے انہیں اوپر کی طرف آتے دیکھا پھر اپنا بیگ اٹھا کر وہاں سے دوڑتا ہوا' ٹارچ کی روشنی میں راستہ دیکھتا ہوا ایک کمرے میں آیا۔ وہاں کی ایک کھڑکی کو کھول کر دیکھا۔ وہ کوٹھی کا پچھلا حصہ تھا۔ اس نے بیگ کو کھڑکی سے باہر پھینکا پھر وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ بڑھاپے میں یہ چھلانگ مہنگی پڑی۔ ہاتھ پاؤں اور کمر کی ہڈیاں دکھنے لگیں۔ ڈکیتی اور قتل کے الزام میں گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا۔ سزائے موت کے خوف سے وہ اپنی چوٹیں بھول گیا۔ بیگ اٹھا کر دوسرے ہاتھ سے ڈی ٹیکٹر کو پکڑ کر لنگڑاتے ہوئے بھاگنے لگا۔ ڈی ٹیکٹر اسے بتا سکتا تھا کہ کہاں بجلی کے تار بچھے ہوئے ہیں لیکن اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ تو پہلے ہی حفاظتی اقدامات کو ناکارہ بنا چکا تھا۔

انیل شرما اور شنکر بھاٹیا کوٹھی کے اندر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے' دوڑتے ہوئے بیڈروم میں آئے پھر مختلف کمروں میں جا کر دیکھنے لگے۔ ایک کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی دکھائی دی۔ انہوں نے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا۔ دور احاطے کی دیوار کے پاس ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ وہاں ایک سایہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ بھاٹیہ نے نشانہ لے کر گولی چلائی۔ اس سے پہلے ہی ٹارچ بجھ گئی تھی۔

انیل شرما نے کہا۔ ”شاید اسے گولی لگی ہے۔“

بھاٹیہ نے کہا۔ ”شاید نہیں لگی ہے۔ اسے گولی کھا کر چیخنا یا کراہنا چاہئے تھا۔“

”کوئی جیدار ہوگا۔ اس نے چیخ نہیں ماری ہے اور اتنی دور سے کراہنے کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ ادھر چلو تو سہی۔ نان سنس۔ پتہ نہیں کون بلائے جان بن کر آگیا ہے۔“

وہ دونوں دوڑتے ہوئے سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آئے۔ دھرمانند پانڈے نے انہیں دیکھتے ہی پوچھا۔ ”کیا بھاگم دوڑ لگائے ہو۔ اسے گولی مارے ہو یا نہیں؟“

بھاٹیہ نے کہا۔ ”شاید اسے گولی لگی ہے۔ ہم جا کر دیکھتے ہیں۔“

وہ دونوں دوڑتے ہوئے کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف جانے لگے۔ ساریکا سنجنا بھی ادھر جانا چاہتی تھی۔ پانڈے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”ہم کو اکیلے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟ مصیبت کی گھڑی میں سکیٹری کو اپنے مالک کے ساتھ رہنا چاہئے۔“

وہ بولی۔ ”سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تمہاری سیکرٹری ہوں' باڈی گارڈ ہوں یا تمہاری رکھیل ہوں۔ ایک تنخواہ میں تین کام لیتے رہتے ہو۔“

”یہی تو راج نیتی ہے۔ ہم ایک تیر سے تین شکار کرتا ہوں۔ پتہ نہیں وہ کون سسرا مرنے کو ادھر آگیا تھا۔ کتے کی طرح گولی کھا کر مر گیا۔“

وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے واپس آئے۔ بھاٹیہ کے ہاتھ میں ایک ٹارچ تھی۔ اس نے کہا۔ ”وہ فرار ہو گیا ہے۔ یہ ٹارچ وہاں پڑی ہوئی تھی۔“

پانڈے نے کہا۔ ”تم کیسے گارڈ ہو۔ ایک آدمی کا ٹھیک سے نشانہ نہیں لے سکتے؟“

”سر! آپ دیکھ رہے ہیں' یہاں کتنا اندھیرا ہے۔ اندھیرے میں نشانہ چوک جاتا ہے۔“

انیل شرما نے کہا۔ ”یہ بہت برا ہوا۔ پتہ نہیں وہ کون تھا۔ وہ سونالی کے مرڈر کا چشم دید گواہ بن گیا ہے۔ اس نے منتری جی کو بھی یہاں دیکھا ہے۔“

”اب کیا ہوگا۔ ہم تو پھر سے سنکٹ میں پڑ گیا ہوں۔ یہ کون سسرا آیا تھا؟ اس کے پیچھے جاؤ' پکڑو۔ اس کو ہمرے سامنے لا کر گولی مارو۔“

بھاٹیہ نے کہا۔ ”بہت دیر ہو چکی ہے۔ وہ پتہ نہیں کدھر گیا ہے۔ اس اندھیرے میں

اسے تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہمارے لئے یہاں خطرہ ہے۔ یہاں سے فوراً چلے جانا چاہئے۔“

وہ چاروں کار میں بیٹھ کر جانے لگے۔ پانڈے نے کہا۔ ”سونالی بول رہی تھی۔ کوٹھی کے اندر اور باہر بڑی جبردست پہرے داری کا بندوبست ہے۔ ادھر کوئی آتا ہے تو اس کو بجلی کا جھٹکا پہنچتا ہے۔ کیمروں سے اس کی تصویر اتر جاتی ہے۔“

انیل شرما نے کہا۔ ”یہ سچ ہے۔ ہمارے راج نیتک دل کے نیتا دھیرج لال چوپڑا نے اس کوٹھی کے اندر اور باہر سخت حفاظتی اقدامات کئے ہیں۔ خود چوپڑا صاحب نے مجھ سے کہا تھا۔ مگر تعجب ہے' ہمیں ایسا کوئی انتظام وہاں دکھائی نہیں دیا۔“

ساریکا سنجنا نے کہا۔ ”شرما صاحب! ہم سے پہلے وہ چور اس کوٹھی میں گھسا تھا۔ اس نے سیکورٹی کے انتظامات کو توڑا ہوگا۔ اگر میرا یہ خیال درست ہے اور چور اتنا ماہر ہے تو پھر وہ بڑی مہارت سے ہمارے لئے مصیبت بنتا رہے گا۔“

انیل شرما نے کہا۔ ”ہمیں سوچنا چاہئے کہ وہ ہمارے خلاف کیا کر سکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ وہاں چوری سے گھسا تھا۔ ایک چور کا یہ بیان کوئی تسلیم نہیں کرے گا کہ اس نے دیس کے اتنے بڑے منتری کو سونالی کے مرڈر کے وقت اس کے بیڈروم میں دیکھا تھا۔“

سنجنا نے کہا۔ ”بے شک وہ ایسا بیان دینے کے لئے خود کو ایک مرڈر کیس میں نہیں الجھائے گا پھر منتری جی کی وہاں موجودگی کا کوئی ثبوت اس کے پاس نہیں ہے۔“

شنکر بھاٹیہ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ بولا۔ ”میں نے وہاں منتری جی کی موجودگی کے تمام نشانات مٹا دیئے ہیں۔ شرما صاحب! آپ وہ خون آلود قمیض اور چاقو لے آئے ہیں۔ ہم نے وہاں کوئی ثبوت نہیں چھوڑا ہے۔“

”چاقو؟“ انیل شرما نے چونک کر کہا۔ ”میں تو منتری جی کی قمیض لے کر آیا ہوں۔ چاقو تو وہاں نہیں تھا۔“

کار تیزی سے جا رہی تھی۔ شنکر بھاٹیا نے یکبارگی بریک لگا کر اسے روکا پھر بولا۔ ”شرما صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے اس چاقو کو پلاسٹک کی تھیلی میں لپیٹ کر وہاں رکھا تھا۔“

وہ چاقو منتری جی کی قمیض کے پاس نہیں تھا۔ وہاں صرف قمیض تھی۔ میں اسے اٹھا لایا ہوں۔"

"اوہ نو۔ وہ چاقو قمیض کے پاس نہیں۔ پلنگ کے پاس رکھا ہوا تھا۔"

سنجنا نے کہا۔ "مائی گاڈ! یہ کیا ہو گیا؟ کیا وہ چاقو اب بھی وہاں بیڈ کے پاس ہو گا؟"

بھاٹیہ نے کہا۔ "ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ وہ چور بڑی مکاری سے چھپ کر ہم سب کو دیکھ رہا تھا۔ اس مکار نے چاقو کو وہاں چھوڑا نہیں ہو گا۔ اسے ضرور ساتھ لے گیا ہو گا۔ کیا اسے تلاش کرنے کے لئے وہاں جانا مناسب ہو گا؟"

سنجنا نے کہا۔ "وہاں دوبارہ جانا بہت بڑی حماقت ہو گی پھر کوئی ایسی مصیبت آ سکتی ہے جس کی ہم توقع نہیں کر سکتے۔ کیا ہمارے خواب و خیال میں بھی یہ بات تھی کہ وہاں لاش کے پاس ہم سب کی موجودگی میں کوئی چور چھپا ہو گا؟ یہ معاملہ بہت الجھ گیا ہے۔ ہمیں اسے اور نہیں الجھانا چاہئے۔"

دھرانند پانڈے نے کہا۔ "یہ ہمرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ابھی ایسا لگ رہا تھا ہم بچ گیا ہوں مگر ہم تو سنکٹ میں پڑ گیا ہوں۔ ہم دن رات گریب جنتا کی سیوا کرتا ہوں۔ پُن کماتا ہوں مگر پاپ مل رہا ہے۔"

سنجنا نے کہا۔ "اپنے پاپ بھی یاد کرو پانڈے! کیا سونالی کے بیڈ روم میں پوجا پاٹ کرنے گئے تھے؟"

"اس کی پوجا کرنے سے پہلے ہی وہ سسری مر گئی۔ ہمرے نام جھوٹ موٹ کا پاپ لگ گیا۔ ہم آج سبیرے سبیرے گنگا نہائیں گے۔"

اس کی قمیض اتر چکی تھی۔ وہ ایک بنیان پہنے بیٹھا ہوا تھا۔ ساریکا سنجنا باتوں کے دوران اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر اس نے انیل شرما سے پوچھا۔ "شرما صاحب! کیا آپ نے منتری جی کی قمیض کے ساتھ نکٹائی بھی اتاری تھی؟"

شرما نے کہا۔ "نہیں......... جب میں نے قمیض اتاری تو منتری جی کے گلے میں نکٹائی نہیں تھی۔"

شنکر بھاٹیہ نے پھر ایک بار اچانک بریک لگا کر کار روکی پھر کہا۔ "ہم سب نے دیکھا ہے۔ منتری جی نکٹائی پہنے ہوئے تھے پھر وہ نکٹائی کہاں گئی؟"

سنجنا نے پوچھا۔ "کیوں پانڈے؟ تمہاری نکٹائی کہاں ہے؟"

وہ بولا۔ "میں نے بیڈ روم میں پہنچ کر اتار دی تھی۔ سسری گلے میں پھنس رہی تھی۔"

"اتار کر کہاں رکھی تھی؟"

وہ سوچنے لگا پھر جھنجلا کر بولا۔ "ہم اتنے سنکٹ میں پڑا ہوں۔ ایسے میں کیا یاد رہے گا' ہم نے اسے کدھر اتارا تھا؟ کدھر پھینکا تھا؟"

سنجنا نے پریشان ہو کر کہا۔ "مائی گاڈ! پانڈے' ہم تینوں تمہارے رازدار ہیں۔ انیل شرما خفیہ معاملات میں تمہاری رہنمائی کرتے ہیں' بہترین مشورے دیتے ہیں۔ شنکر بھاٹیہ اپنی جان جوکھم میں ڈالنے والا محافظ ہے۔ تمہارا سیوک ہے۔ میں تمہاری سیکرٹری بھی ہوں' تمہاری رکھیل بھی ہوں اور تمہارے برے وقت میں کام بھی آتی رہتی ہوں لیکن آج سے پہلے اتنا برا وقت کبھی نہیں آیا اور یہ سب تمہاری موج مستی اور عیاشیوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔"

"دیکھو! جیادہ مت بولو۔ تم تینوں ہمرے سیوک ہو۔ ہمرے راجدار ہو مگر ہم بھی تمرے لئے بہت کچھ کرتا ہوں۔ تم تینوں ہمری مہربانی سے لاکھوں میں کھیلتے ہو۔ ہم ساپھ ساپھ کہہ دیتا ہوں۔ پولیس اور انجلی جنس (انٹیلی جنس) والوں کو ہمرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہونا چاہئے۔"

انیل شرما نے کہا۔ "منتری جی! جہاں تک رازداری کا معاملہ ہے' ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ڈوبیں گے تو سب ڈوب جائیں گے۔ ابھریں گے تو سب ابھر جائیں گے۔ آپ نکٹائی کے بارے میں بتائیں۔ وہ کہاں سے خریدی گئی تھی' وہ دیسی تھی یا بدیسی؟"

"ہم دیسی نہیں بدیسی کپڑا پہنتا ہوں۔ ہم کو پھارن آئٹم اچھا لگتا ہے مگر وہ نکٹائی ہمرے یار چوپڑا نے ہم کو دیا تھا۔ ویسی ہی ایک نکٹائی چوپڑا کے پاس بھی ہے۔"

دھیرج لال چوپڑا اس کے بہترین دوستوں میں سے تھا۔ اس نے پانڈے کو الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ دیا تھا۔ الیکشن میں جیتنے کے بعد ایک منسٹر کی کرسی دی تھی۔ عزت دی تھی' شہرت دی تھی اور اقتدار دیا تھا مگر انسان کو جتنا ملے' اتنا ہی کم ہے۔ جب اس

نے چوپڑا سے اتنا سب کچھ حاصل کیا تھا تو پھر اس کی جوان بیوی کو کیوں نہ حاصل کرتا۔ وہ بے وفا دوست نہیں تھا۔ راج نیتک معاملات میں قدم قدم پر اس کا ساتھ دیتا تھا مگر ہوس اپنی جگہ ہے۔ سونالی نے اسے پھانسا اور اس نے سونالی کو پھانسا۔ اب وہ نکٹائی اس کے گلے کو پھانسنے والی تھی جسے چوپڑا نے تحفے کے طور پر اسے دیا تھا۔

☆======☆======☆

وہ مکینک اور الیکٹریکل انجینئر جنہوں نے کوٹھی میں الیکٹرانک آلات کے ذریعے حفاظتی انتظامات کئے تھے' ایک مکان میں کبیر کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے صبح کی ٹرین سے دہلی جانے کا ٹکٹ لے رکھا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "مجھے یقین ہے' کبیر یہاں نہیں آئے گا۔ جسے دولت حاصل ہوتی ہے' وہ طوطے کی طرح آنکھیں پھیرلیتا ہے۔ اپنا وعدہ بھول جاتا ہے۔ وہ بہت مکار ہے' یہاں نہیں آئے گا۔"

دوسرے نے کہا۔ "مجھے بھی یقین نہیں ہے مگر امید ہے۔ شاید وہ آجائے۔"

"نہیں آئے گا اور ہمیں دھوکا دے گا تو بہت پچھتائے گا۔ میں پولیس والوں کو اپنا نام بتائے بغیر فون کے ذریعے اطلاع دے دوں گا۔ پولیس والے اسے نہیں چھوڑیں گے۔ اس سے مال بھی وصول کریں گے' اس کا برا حال بھی کریں گے۔ میں چوری کا مال اسے اکیلے ہضم کرنے نہیں دوں گا۔"

"پولیس کو اطلاع دینے کی غلطی کبھی نہ کرنا۔ جب وہ چوری کے مال سمیت گرفتار ہوگا اور اس کی خوب پٹائی ہوگی تو وہ بیان دے گا کہ حفاظتی انتظامات کو ناکارہ بنانے کے تمام طریقے اسے ہم نے بتائے تھے۔"

"اس کے بیان دینے سے ہم مجرم نہیں کہلائیں گے۔ یہ ثابت نہیں ہوسکے گا کہ ہم اس کے جرم میں شریک تھے۔"

"ذرا عقل سے کام لو۔ ہم اس کوٹھی کے مکینک اور الیکٹریکل انجینئر رہ چکے ہیں۔ ہم پر ضرور شبہ کیا جائے گا۔ عقل مندی یہ ہے کہ حصہ نہ ملنے پر خاموش رہیں۔ کبیر کے خلاف ایک لفظ زبان پر نہ لائیں۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔"

وہ دونوں بے چینی سے کبیر کا انتظار کرتے رہے۔ چور' ڈاکو جب کسی واردات میں کسی کو شریک کرتے ہیں تو اپنے وعدے کے مطابق چوری کے مال میں اسے حصہ ضرور

دیتے ہیں کیونکہ وہ شریک ہونے والا گھر کا بھیدی ہوتا ہے۔ کسی وقت بھی لنکا ڈھا سکتا ہے پھر وعدے پر قائم رہنے سے آئندہ بھی اس کا تعاون حاصل ہوتا رہتا ہے۔

وہ رات کے گیارہ بجے کرنسی نوٹوں اور زیورات سے بھرا ہوا بیگ لے کر ان کے پاس آگیا۔ ایک نے کہا۔ "تمہیں واردات میں کامیاب ہونے کے بعد یہاں آنا چاہئے تھا۔ واردات سے پہلے کیوں آئے ہو؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تمہارے دماغ میں یہ بات ہے کہ آدھی رات کے بعد چوری' ڈکیتی ہوتی ہے لیکن میں دوسروں سے الگ ہوں۔ جب دنیا جاگتی رہتی ہے' تب ہی چوری کرتا ہوں۔"

اس نے بیگ کھول کر دکھایا تو وہ بے حد حیران و خوش ہوئے۔ اس سے لپٹ کر کہنے لگے۔ "تم نے تو کمال کر دیا ہے۔ اتنی جلدی اتنی دولت سمیٹ لائے ہو۔"

انہوں نے بیگ کا سارا مال ایک بستر پر الٹ دیا۔ زیورات کو ایک طرف کر کے نوٹ گننے لگے۔ انڈین کرنسی' ڈالرز اور پاؤنڈز کی مجموعی رقم تین کروڑ تیس لاکھ روپے تھی۔ مکینک نے کہا۔ "ہمارے تو دن پھر گئے ہیں۔ ہمیں سپنوں میں بھی اتنی دولت نہیں مل سکتی تھی۔"

دوسرے نے کہا۔ "ان زیورات کو فروخت کیا جائے تو پچاس لاکھ ضرور ملیں گے۔ یہ بیش قیمت ہیرے موتی ہیں۔ پچاس لاکھ سے زیادہ مل سکتے ہیں۔"

"مگر انہیں کون بیچے گا؟ جو بیچنے جائے گا' وہ پکڑا جائے گا۔"

کبیر نے کہا۔ "چوری کا مال خریدنے والے جوہریوں کو میں جانتا ہوں لیکن وہ جوہری اسی وقت مال خریدتے ہیں' جب چوری کا کیس پرانا ہو جاتا ہے اور کیس کی فائلیں بند ہو جاتی ہیں۔ میں یہ تمام زیورات لے جاؤں گا۔ انہیں سال یا چھ ماہ کے بعد فروخت کروں گا۔ مجھ پر بھروسہ کرو یا پھر زیورات کے بھی تین حصے کر لو۔"

چور اپنے ساہوکار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ساہوکار کسی چور پر بھروسہ نہیں کرتے۔ ان دونوں نے کبیر پر بھروسہ نہیں کیا۔ زیورات کے تین حصے کر لئے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک کروڑ دس لاکھ روپے نقد حاصل ہوئے۔ کبیر نے کہا۔ "میں نے تم لوگوں کو فائدہ پہنچایا ہے۔ کیا اس کے بدلے میں میرا ایک کام کرو گے؟"

"ضرور کریں گے مگر ایسا کام نہ ہو کہ ہماری گردن پھنس جائے۔"

"میں دوستی کر رہا ہوں' دشمنی نہیں کروں گا۔ دراصل میں مختلف ذرائع سے اپنی بیٹی کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کیا کرتا ہوں۔ تمہیں دس لاکھ روپے دے رہا ہوں۔ یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بینک کے ذریعے یا کسی بھی ذریعے یہ رقم میری بیٹی کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دو۔"

"اگر وہ تمہاری بیٹی ہے تو تمہیں خود یہ رقم لے جا کر اسے دینا چاہئے۔"

"وہ مجھ سے ایک پیسہ بھی نہیں لے گی۔ اپنے باپ سے ناراض ہے' اسی لئے جو میں حاصل کرتا ہوں' اسے رازداری سے اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتا ہوں۔ یہ ایک کروڑ روپے بھی رفتہ رفتہ اس کے نام سے جمع کراؤں گا۔"

"بیٹی کو بہت چاہتے ہو۔ تمہارے جیسے محبت کرنے والے باپ سے وہ ناراض کیوں ہے؟"

"میں کیا بتاؤں۔ یہ میرے گھریلو معاملات ہیں۔ کچھ نہ پوچھو تو اچھا ہے۔ بس یہ چھوٹا سا کام کر دو۔"

"ہم ضرور کریں گے۔ یوں بھی تم سے دوستی رکھنی ہے کیونکہ زیورات فروخت کرنے کے بعد تم ہمیں ہمارے حصے کی رقم دو گے۔ ہم یہ زیورات تمہارے پاس چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ چوری کا یہ مال ہم اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔"

کبیر نے ایک کاغذ پر اپنی بیٹی کا نام اور بینک اکاؤنٹ نمبر لکھ کر دیا پھر کہا۔ "مجرمانہ طور پر جو لین دین ہوتا ہے' وہ بالکل صاف ستھرا ہوتا ہے۔ ہم میں سے کوئی کسی کو دھوکا دے گا تو دشمنی پیدا ہوگی۔ یہ دشمنی یا تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گی یا پھر موت کے گھاٹ اتار دے گی۔"

ایک نے کہا۔ "ہم تم سے دھوکا نہیں کریں گے۔ تمہارے یہ دس لاکھ تمہاری بیٹی کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے۔"

"میں بھی جلد سے جلد زیورات فروخت کروں گا پھر جو بھی رقم حاصل ہوگی' اس میں سے ایک حصہ اپنے پاس رکھ کر باقی دو حصے تمہیں دے دوں گا۔"

کبیر نے انہیں دس لاکھ روپے دیئے پھر اپنے حصے کی رقم اور تمام زیورات بیگ

میں رکھ کر وہاں سے چلا آیا۔ تلسی گھاٹ کے قریب سیٹھ دھنی رام کی ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ اس نے حویلی کے دروازے پر آ کر خبر بھیجی کہ کبیر ملاقات کرنے آیا ہے۔ دھنی رام نے فوراً اپنی بیٹھک میں بلایا اور کہا۔ "اتنی رات کو آئے ہو۔ تم نے جرور کوئی لمبا ہاتھ مارا ہے۔"

کبیر نے اپنے بیگ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اس میں روپے بھی ہیں' ڈالرز اور پاؤنڈز بھی ہیں۔ سب ملا کر ایک کروڑ روپے ہیں۔"

سیٹھ دھنی رام خوشی سے کِھل گیا۔ کبیر چوری کی رقم اس کے پاس لا کر جمع کیا کرتا تھا اور اسے پانچ فیصد کمیشن دیا کرتا تھا۔ اس حساب سے ایک کروڑ روپے جمع کرنے پر دھنی رام کو کمیشن کے طور پر پانچ لاکھ روپے ملنے والے تھے۔ کبیر نے اپنا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں رکھا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ جب بھی کوئی چوری کی واردات ہوتی تھی تو پولیس والے اس کا محاسبہ کرتے تھے مگر ہمیشہ یہی دیکھتے تھے کہ وہ ایک عام آدمی کی طرح چھوٹے سے کرائے کے مکان میں رہتا ہے۔ معمولی لباس پہنتا ہے اور سیدھی سادی زندگی گزارتا ہے۔ نہ اس کا کوئی بینک اکاؤنٹ ہے اور نہ ہی اس کے گھر میں دو چار ہزار روپے سے زیادہ رقم پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے محلے میں ہردلعزیز تھا۔ دوسروں کے دکھ درد میں کام آیا کرتا تھا۔ سب ہی اس کی تعریفیں کرتے رہتے تھے۔ اس طرح وہ لوگوں کی زبان سے اپنے اچھے چال چلن کا سرٹیفکیٹ پیش کرتا رہتا تھا۔

چوری کرنے والے اور اچھی رقم حاصل کرنے والے کبھی سیدھی سادی زندگی نہیں گزارتے۔ خوب کھاتے ہیں' خوب پہنتے ہیں اور زندگی کو پوری طرح انجوائے کرتے ہیں لیکن کبیر کی تمام مسرتیں اور تمام جذبے اپنی بیٹی پنکی کے لئے تھے۔ اسے عالی شان بنگلے میں رہنے اور کاروں میں گھومنے کا شوق نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی ایسے شوق پورے کرتی رہے۔

وہ سیٹھ دھنی رام کو اچھا خاصا کمیشن دے کر اپنے لئے تحفظ بھی حاصل کرتا تھا اور اس کے ذریعے بیٹی کے اکاؤنٹ میں رقم پہنچاتا رہتا تھا۔ سیٹھ دھنی رام زبان کا دھنی تھا۔ اس نے کبھی کبیر کے اعتماد کو دھوکا نہیں دیا تھا۔ وہ کھرا سودا کرتا تھا۔ اپنا پورا کمیشن حاصل کرتا تھا اور پوری طرح اس کے کام آتا تھا۔

وہ حویلی سے نکل کر پیدل چلتا ہوا ایک ٹیلی فون بوتھ میں آیا۔ وہاں سے اس نے اشنان گھاٹ تھانے فون کیا۔ آواز بدل کر بولا۔ "دھیرج لال چوپڑا کی کوٹھی کے بیڈروم میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ میں ایک ذمے دار شہری کی حیثیت سے اطلاع دے رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے بول رہے ہو؟ تمہاری اطلاع غلط ہو سکتی ہے؟"

"اطلاع غلط نہیں ہے۔ وہاں نہیں جاؤ گے تو لاش سڑ جائے گی۔ اس میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ وہ کسی معمولی شخص کی کوٹھی نہیں ہے۔ جاؤ اپنی ڈیوٹی پوری کرو.......... شبھ راتری (شب بخیر)۔"

وہ ریسیور رکھ کر بوتھ سے باہر آگیا۔

دوسرے دن شام کے اخبارات میں یہ خبر فرنٹ پیج پر شائع کی گئی کہ برسراقتدار پارٹی کے نیتا دھیرج لال چوپڑا کی دھرم پتنی سونالی چوپڑا کا پُراسرار قتل.......... قاتل کوئی چور ہے!

تفصیلی خبر یہ تھی کہ کسی نے اشنان گھاٹ کے تھانے میں فون کے ذریعے اس قتل کے سلسلے میں اطلاع دی تھی۔ پولیس نے جائے واردات پر پہنچ کر دیکھا۔ وہاں ایک بیڈروم میں سونالی چوپڑا کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ انٹیلی جنس والوں نے جائے واردات کا اور لاش کا اچھی طرح معائنہ کیا ہے۔ اب تک یہ بات سامنے آ رہی ہے کہ کوئی شخص اس کوٹھی میں گھس آیا تھا۔ اس نے سونالی چوپڑا کی عزت سے کھیلنا چاہا تھا۔ اسے چاقو سے زخمی بھی کیا تھا پھر ناکام ہونے پر اس نے اسے گولی مار دی اور نقد رقم اور لاکھوں روپے کے زیورات لے کر وہاں سے فرار ہوگیا۔ شاید اسی قاتل نے فون کے ذریعے پولیس کو اطلاع دی ہوگی۔

خبر یہ بھی تھی کہ انٹیلی جنس والے اس قتل کو پُراسرار کہہ رہے ہیں اور اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ چھپا رہے ہیں۔ دھیرج لال چوپڑا اپنی دھرم پتنی کے قتل کی خبر سنتے ہی اپنا دورہ مختصر کر کے واپس آ رہے ہیں۔

دھرمانند پانڈے کی سیکرٹری ساریکا سنجنا، پولیٹیکل ایڈوائزر انیل شرما اور سیکورٹی افسر

شنکر بھاٹیہ نے یہ خبر پڑھی۔ انیل شرما نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ انٹیلی جنس والے اس قتل کو پُراسرار کہہ کر ہمارے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ انہیں اس بیڈروم میں ایسی کچھ چیزیں ملی ہوں گی، کچھ ثبوت ملے ہوں گے جن کی وجہ سے وہ اس معاملے کو پُراسرار کہہ رہے ہیں۔"

ساریکا سنجنا نے کہا۔ "کیا وہ چاقو پولیس والوں کے ہاتھ لگ گیا ہے؟"

پانڈے نے کہا۔ "ایسا مت بولو۔ اس چاقو کے اوپر ہمری انگلیوں کے نسان ہیں۔ ہم تو بہوت سنکٹ میں پڑ جاؤں گا۔"

انیل شرما نے کہا۔ "منتری جی! آپ کے نیتا دھیرج لال چوپڑا اپنی پتنی کے کریاکرم کے لئے یہاں آ رہے ہیں بلکہ آ چکے ہوں گے۔ آپ پُرسے کے لئے ان کے پاس جائیں۔ وہاں انٹیلی جنس والے بھی ہوں گے۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ ان سے باتوں ہی باتوں میں کچھ اگلوانے کی کوشش کروں گا۔"

"ہم ابھی جا رہا ہوں۔ تم سب ہمرے ساتھ چلو۔ ان جاسوسوں کے اندر گھس کر معلوم کرو۔ وہ چاکو کہاں ہے؟ جہاں بھی ہے، اس کے اوپر سے ہمارا نام نسان مٹا دو۔"

دھیرج لال چوپڑا اپنی کوٹھی میں آگیا تھا۔ وہاں کے تمام سیاسی لیڈر پُرسے کے لئے اس کے پاس آئے تھے۔ پوسٹ مارٹم کے بعد سونالی کی لاش واپس کر دی گئی تھی۔ اب اس کے کریاکرم کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ دھرمانند پانڈے وہاں روتا ہوا آیا پھر دھیرج لال چوپڑا سے لپٹ کر کہنے لگا۔ "آہ دوست! میرے بھائی! یہ اچانک کیا ہوگیا۔ تمری دھرم پتنی ہمری بھابی تھی اور بھابی تو ماں سمان ہوتی ہے۔ کس جالم نے ہمری ماں کو کتل کیا ہے۔ ہمرا تو کلیجا منہ کو آ رہا ہے۔"

انیل شرما نے اسے تھپک کر کہا۔ "منتری جی! ایسے وقت چوپڑا صاحب کو تسلی دینا چاہئے مگر آپ خود ہی رو رہے ہیں۔ چوپڑا صاحب کا دکھ اور بڑھ جائے گا۔"

"ہم کیا کروں گا؟ ہمرے آنسو رکتے نہیں ہیں۔ چوپڑا! تم نے ہم کو انپھارمیشن منسٹر بنایا ہے۔ ہم پولیس کمشنر کو سختی سے حکم دے چکے ہیں۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اس کھونی کو گرپھتار نہ کیا گیا تو پولیس والوں کی وردیاں اتار لی جائیں گی۔"

انٹیلی جنس کے ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے وہ

قاتل جلد ہی ہمارے شکنجے میں آجائے گا۔"

پانڈے اور انیل شرما نے پریشان ہو کر اس افسر کو دیکھا پھر پانڈے نے کہا۔

"آپھیسر! ہمرے ساتھ آؤ۔ ہم کو ابھی بتاؤ۔ ہمری بھابی ماں کے کھونی کو پکڑنے کے لئے کیا کر رہے ہو؟"

وہ اس اعلیٰ افسر کے ساتھ دوسرے کمرے میں آیا پھر بولا۔ "ہم بہت چنتا میں ہوں۔ ہم کو بتاؤ اس کھونی کا کچھ اتا پتا لگ رہا ہے؟"

اس افسر نے کہا۔ "یہ کیس کچھ الجھ سا گیا ہے۔ مسز چوپڑا کو گولی مارنے سے پہلے کسی چاقو سے زخمی کیا گیا تھا۔ ان کے شانے پر ایک زخم کا نشان ہے۔"

انیل شرما نے پوچھا۔ "کیا اس چاقو پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات پائے جا سکتے ہیں؟"

"قاتل چاقو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اگر وہ چاقو ہمارے ہاتھ لگ جاتا تو ہم آسانی سے قاتل تک پہنچ جاتے۔"

پانڈے نے اطمینان کا سانس لیا۔ انیل شرما نے پوچھا۔ "اس بیڈ روم میں قاتل کی انگلیوں اور پیروں کے نشانات پائے جا سکتے ہیں۔"

"قاتل بہت چالاک ہے۔ اس نے ایسے تمام نشانات مٹا دیئے ہیں لیکن اس بیڈ روم کے باہر کوٹھی کے مختلف حصوں میں چار مردوں اور دو عورتوں کے قدموں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مسز چوپڑا کے قدموں کے نشانات ہیں۔ پچھلی رات وہاں صرف ایک قاتل نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت اور تین مرد بھی تھے۔"

انیل شرما نے کہا۔ "پھر تو سچ مچ کیس الجھ گیا ہے۔ اور کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے؟"

"اور ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ مسز چوپڑا وہاں تنہا تھیں اور دشمن کئی تھے۔ وہ اسے سامنے سے گولی مار سکتے تھے لیکن اسے پیچھے سے گولی ماری گئی ہے۔ جب وہ سامنے رہ کر اسے چاقو سے زخمی کر سکتے تھے تو پھر انہوں نے سامنے سے گولی کیوں نہیں ماری؟"

انیل شرما نے کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ اپنی سلامتی کے لئے بھاگ رہی ہوں۔ ایسے

وقت اسے گولی ماری گئی ہو۔ اس میں کوئی الجھنے والی بات نہیں ہے۔"

"بات ہے۔ جدھر اس کی لاش پڑی ہوئی تھی' ادھر سے بھاگنے کا راستہ کوئی نہیں تھا۔"

"وہاں قاتل کے علاوہ اس کے تین چار ساتھی بھی تھے۔ ان میں سے کسی کی کوئی چیز وہاں رہ گئی ہوگی۔ مثلاً عورت کا رومال رہ سکتا ہے' مرد کی نکٹائی رہ سکتی ہے۔"

"نہیں۔ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں پائی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی سراغ نہیں چھوڑا ہے۔"

پانڈے خوش ہو گیا۔ بے اختیار مسکرانے لگا۔ افسر نے پوچھا۔ "سر! آپ مسکرا رہے ہیں۔"

وہ فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "ہم کھونی کی چال باجی پر اور تمری بے بسی پر مسکرا رہا ہوں۔ اتنے بڑے راج نیتک دل کے نیتا کی دھرم پتنی کا کھون ہو گیا اور کانون کی سرکشا کرنے والے مجبور اور بے بس ہو کے بیٹھ گئے ہیں۔"

"سر! ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ہیں۔ ہم نے پورے شہر کی ناکابندی کی ہے۔ پورے اتر پردیش کی پولیس کو الرٹ کر دیا ہے۔ وہ قیمتی ہیرے جواہرات لے گئے ہیں۔ انہیں کہیں نہ کہیں بیچنے کی کوشش کریں گے۔ ایسے وقت ضرور پکڑے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم کو رپورٹ دیتے رہو۔ ہمرے نیتا کے' ہمرے دوست کے گھر میں یہ ہتیا ہوئی ہے۔ ہم بڑی چنتا میں پڑ گیا ہوں۔"

افسر وہاں سے چلا گیا۔ پانڈے نے کہا۔ "پولیس کے ہاتھ میں نہ چاکو آیا ہے اور نہ ہمری نکٹائی ان کو ملی ہے۔ اب ہمرے اوپر کوئی آروپ (الزام) نہیں آئے گا۔"

شرما نے کہا۔ "چلو اس حد تک اطمینان ہے کہ چاقو اور نکٹائی انٹیلی جنس والوں کے ساتھ نہیں لگی ہے مگر یہ چیزیں وہ چور لے گیا ہے۔ وہ ہمارے خلاف کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"وہ کیا کرے گا؟ وہ تو چور ہے۔ کھد ہی پولیس سے بھاگتا رہے گا۔"

سنجنا اور شنکر بھاٹیہ کمرے میں آ گئے۔ شرما نے انہیں بتایا کہ پولیس کے ہاتھ کوئی

سراغ نہیں لگا ہے۔ چاقو اور نکٹائی چور لے گیا ہے۔ سنجنا نے کہا۔ "وہ چور ہمارے لئے مصیبت بن سکتا ہے۔"

پانڈے نے کہا۔ "وہ کیا مصیبت بنے گا؟ کیا وہ پولیس والوں کے پاس چاقو اور نکٹائی لے کر جائے گا اور اپنے کو گرفتار کرائے گا؟"

وہ بولی۔ "چوروں' بدمعاشوں اور غنڈوں کا تعلق سیاسی پارٹیوں سے ہوتا ہے۔ اگر وہ چور ہماری کسی مخالف پارٹی میں ہوگا تو اس پارٹی کے نیتا تمہاری نکٹائی کو تمہارے گلے کا پھندا بنا دیں گے۔ تمہارے نیتا چوپڑا صاحب اس نکٹائی کو پہچان لیں گے پھر چاقو پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ملیں گے۔ تب کیا ہوگا؟"

پانڈے نے پریشان ہو کر کہا۔ "ہم کو تھوڑی دیر کا آنند ملتا ہے۔ تم سب پھر چنتا میں ڈال دیتے ہو۔"

شرما نے کہا۔ "اس چور کو نہ تو پولیس اور انٹیلی جنس والوں کے ہاتھوں میں جانا چاہئے اور نہ ہی کسی سیاسی پارٹی کو اس سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع دینا چاہئے۔"

شنکر بھاٹیا نے کہا۔ "ہم نے اس چور کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے۔ میں ایک بار اسے دیکھ لیتا تو پاتال میں بھی پہنچ کر اسے گولی مار دیتا۔"

"اسے مارنے سے پہلے چاقو اور نکٹائی کو اس سے حاصل کرنا ہوگا۔ ورنہ یہ چیزیں ہمارے سیاسی دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں گی۔"

سنجنا نے کہا۔ "اسی چور نے پولیس والوں کو یہاں ہونے والی ہتیا کی خبر دی تھی۔ وہ آگے بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ یہ سوچو کہ ہم اس چور تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔"

شرما نے کہا۔ "یہاں جتنے بھی چور' ڈکیتی کرنے والے بلیک لسٹ میں ہیں' ان سب سے باری باری ملنا ہوگا۔ منتری جی ایسے تمام چوروں کے ناموں اور پتے کی لسٹ پولیس والوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم تینوں ایک ایک چور سے ملیں گے۔ ان سے سمجھوتا کریں گے۔ وہ چاقو اور نکٹائی حاصل کریں گے پھر اسے گولی مار کر ہمیشہ کے لئے یہ قصہ ختم کر دیں گے۔"

سونالی کی ارتھی اٹھائی جا رہی تھی۔ اسے شمشان گھاٹ لے جا رہے تھے۔ پانڈے اپنے دوست اور نیتا دھیرج لال چوپڑا کے پاس آگیا۔ جس حسینہ کو حاصل نہیں کر سکا تھا'

اسے جلانے کے لئے شمشان گھاٹ کی طرف جانے والا تھا۔

☆======☆======☆

گاندھی گارڈن میں صبح سویرے ہر عمر کی عورتیں اور مرد جوگنگ کے لئے آیا کرتے تھے۔ پنکی بھی وہاں آتی تھی۔ کبیر ایک جگہ چھپ کر بیٹھتا تھا اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا تھا۔ وہ لانبے سے قد کی خوبصورت سی گڑیا جیسی بیٹی تھی۔ اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی' تب بھی اس دنیا کی حسین ترین لڑکی دکھائی دیتی۔ بیٹی جو تھی۔

جب وہ بارہ برس کی تھی تب کبیر بینک ڈکیتی کے سلسلے میں گرفتار ہو کر جیل چلا گیا تھا۔ اس کی بیوی اسے جیل میں ملنے آئی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں آخری بار ملنے آئی ہوں۔ اگر تمہیں اپنی بیٹی سے محبت ہے اور اگر تم چاہتے ہو کہ پنکی ایک سزا یافتہ ڈاکو کی بیٹی نہ کہلائے تو مجھے طلاق دے دو۔"

وہ اپنی بیوی کو حیرانی سے دیکھتا رہ گیا۔ عورت طلاق کو اپنی توہین سمجھتی ہے۔ جس شریف زادی کو طلاق ہو جاتی ہے' وہ دنیا والوں سے منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ اس کے برعکس وہ اس سے طلاق مانگنے آئی تھی۔ اس نے کہا۔ "روزی! یہ تم کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو۔ کیا مجھ سے طلاق لے کر بیٹی کو نیک نام بنا سکو گی؟ ابھی تو وہ صرف ایک مجرم کی بیٹی کہلا رہی ہے۔ طلاق کے بعد دنیا والے کہیں گے کہ اس کی ماں بدچلن اور آوارہ تھی۔ جب عورت کا چال چلن ٹھیک نہیں رہتا' تب ہی طلاق دی جاتی ہے۔ ہماری بیٹی باپ کی طرف سے بھی بدنام ہوگی' اور ماں کی طرف سے بھی۔"

"میں اسے بدنام نہیں ہونے دوں گی۔ میں اپنے ماضی پر پردہ ڈال دوں گی۔ یہ شہر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ اپنی اور بیٹی کی زندگی سے تمہارا نام مٹا دوں گی۔ اسے ایک باپ کا فرضی نام دوں گی۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ وہ میری ایک ہی لاڈلی بیٹی ہے۔ اس دنیا میں میرے ہی نام سے پہچانی جائے گی۔ کوئی اسے چور' ڈاکو کی بیٹی نہیں کہے گا۔ جہاں دولت ہوتی ہے' وہاں بدنامی نہیں ہوتی۔ میں اب تک چوریاں کرتا رہا۔ تمہارا بینک بیلنس بڑھاتا رہا۔ تم نے اعتراض نہیں کیا۔ اب تم میرے پیشے کی مخالفت کیوں کر رہی ہو؟"

"صرف اس لئے کہ بیٹی جوان ہو رہی ہے۔ وہ کبھی اچھے خاندان میں بیاہی نہیں

جائے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آئے گا۔ اس بار میں نے بہت لمبا ہاتھ مارا ہے۔ مجھے واردات کے دوران گرفتار نہیں کیا گیا ہے۔ ڈکیتی کے سلسلے میں مجھ پر شبہ کیا جا رہا ہے۔ دوچار پیشیاں بھگتنے کے بعد مجھے رہائی مل جائے گی۔ ہم دوسرے شہر چلے جائیں گے۔ کوٹھی خریدیں گے۔ کار خریدیں گے۔ ہمارا اچھا خاصا بینک بیلنس رہے گا۔ ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔"

"جب ایک چور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جاتا ہے تو اس کا تمام ریکارڈ دوسرے تھانوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ تم جہاں جاؤ گے' وہاں چور کہلاؤ گے۔ ہماری بیٹی کی بہتری اسی میں ہے کہ تم ہم سے دور رہو۔"

"دور رہنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ میں تمہیں طلاق دوں۔"

"ہمیشہ کے لئے رشتہ نہیں ٹوٹے گا تو تم ہم سے ملتے رہو گے۔ کیا تم ہم سے دور رہ سکو گے؟"

"تم میری بیٹی کی بہتری کے لئے یہ باتیں کر رہی ہو۔ میں اس کی خاطر دور رہوں گا۔ اسے دور ہی دور سے دیکھتا رہوں گا لیکن کبھی چوری چھپے تو مل سکتا ہوں۔"

"اگر طلاق ہوگی تو چھپ کر بھی ہم سے ملاقات نہیں کر سکو گے۔ اس لئے میں طلاق چاہتی ہوں۔ یا تو مجھے طلاق دو یا پھر مجھ سے اور پنکی سے کبھی نہ ملنے کا وعدہ کرو۔ میں اسے لے کر بنارس چلی جاؤں گی۔ تم وہاں کبھی نہیں آؤ گے۔ رازداری سے میرے اکاؤنٹ میں رقم جمع کراتے رہو گے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دو۔ اتنی بڑی دنیا میں تمہارے اور پنکی کے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر دوسری شادی کر سکتا ہوں مگر ایسا کبھی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے پنکی جیسی بیٹی اور کہیں نہیں ملے گی۔"

"تم اچھی طرح سوچ لو مگر جیل سے باہر آنے تک آخری فیصلہ سنا دو۔ میں نہیں چاہتی کہ رہائی پانے کے بعد ہم سے آ کر ملو۔ تم بیٹی کی بہتری کے لئے کوئی مناسب فیصلہ نہیں کرو گے تو میں اسے لے کر کہیں چلی جاؤں گی۔"

"ایسی غلطی نہ کرنا۔ تمہیں معقول رقم نہیں ملے گی تو اچھی طرح اس کی پرورش

نہیں کر سکو گی۔ اسے ایک بار یہاں لاؤ۔ میں اسے دیکھوں گا۔ اسے پیار کروں گا پھر فیصلہ سناؤں گا۔"

"یہ چوروں اور بدمعاشوں کی جگہ ہے۔ میں یہاں بیٹی کو نہیں لاؤں گی۔ اگلی بار آؤں گی اور یہی فیصلہ سناؤں گی کہ مجھے اور پنکی کو تم سے دور جا کر رہنا ہے اور وہاں تم کبھی ہم سے ملنے نہیں آؤ گے۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی سے تمہاری شناخت ختم کر دوں گی۔ اس کے باپ کا نام کبیرڈی سوزا ہوگا اور وہ بے چارہ کبیرڈی سوزا مر چکا ہوگا۔"

وہ اپنا فیصلہ سنا کر چلی گئی۔ کبیر کو اپنی بیٹی کی بہتری کے لئے اس فیصلے کو تسلیم کرنا پڑا۔ جب وہ جیل سے رہا ہو کر اپنے گھر آیا تو دروازہ بند تھا مگر مقفل نہیں تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ اس گھر میں جو کچھ چھوڑ کر گیا تھا' وہ سب کچھ تھا۔ صرف بیوی اور بیٹی نہیں تھیں۔ دروازے کے پاس فرش پر ڈاک سے آیا ہوا ایک خط پڑا ہوا تھا۔ اس نے لفافہ اٹھا کر اسے چاک کیا پھر خط کھول کر پڑھنے لگا۔

روزی نے بہت مختصر سا خط لکھا تھا کہ وہ آج کل بنارس میں ہے۔ اسے اپنے گھر کا پتہ نہیں بتائے گی۔ اس نے پتہ نہیں لکھا تھا' اپنا بینک اکاؤنٹ نمبر لکھا تھا۔ روزی نہیں جانتی تھی کہ کبیر کے تعلقات بنارس کے سیٹھ دھنی رام کے ساتھ ہیں۔ وہ دہلی میں واردات کرتا تھا مگر چوری کا مال دھنی رام کے پاس پہنچایا کرتا تھا۔

وہ بنارس آگیا۔ روزی نے کہا تھا کہ وہ جس شہر میں بیٹی کے ساتھ رہے گی' وہ وہاں نہیں آئے گا اور نہ ہی کبھی چھپ کر ملنے کی کوششیں کرے گا لیکن وہ بیٹی سے دور نہیں رہ سکتا تھا اور اس کی بہتری کے لئے اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے دور ہی دور سے دیکھ کر خوش تو ہو سکتا تھا۔

وہ اس لئے بھی بنارس میں رہ گیا ہزاروں لاکھوں یاتری وہاں تیرتھ یاترا کے لئے آتے رہتے تھے۔ ان میں سے کتنے ہی بے انتہا دولت مند ہوتے تھے۔ بھگوان کے چرنوں میں نقد روپے اور سونا چاندی چڑھانے آتے تھے۔ ایسے دولت مند یاتری اس کا شکار ہوتے تھے۔

اس نے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ کبھی ماں بیٹی کی نظر میں نہ آئے۔ وہ ان کا پتہ ٹھکانا جانتا تھا۔ اپنی بیٹی کی مصروفیات دیکھتا رہتا تھا۔ جب وہ بیس برس کی ہوئی اور اس

نے بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھولا تو کبیر نے ایک طویل عرصے بعد روزی سے فون پر کہا۔ "میری بیٹی بالغ ہو چکی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھولا ہے۔ مجھے وہ اکاؤنٹ نمبر دو۔"

روزی نے کہا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا' کبھی اس شہر میں نہیں آؤ گے اور ہم سے ملاقات نہیں کرو گے۔"

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ یہاں ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔ کل چلا جاؤں گا۔ مجھے اس کا اکاؤنٹ نمبر بتاؤ۔ آئندہ اس کے بھی اکاؤنٹ میں رقم جمع کیا کروں گا۔"

روزی نے کہا۔ "اس کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کراؤ گے تو وہ حیران ہو کر مجھ سے پوچھے گی کہ اتنی ساری رقم کہاں سے آئی ہے؟ میں اسے کیا جواب دوں گی؟"

"میں مر تو نہیں گیا ہوں۔ کیا اسے یہ نہیں بتاتی ہو کہ میں تمہارے اکاؤنٹ میں رقم جمع کرایا کرتا ہوں؟"

"تم اس کے لئے مر چکے ہو۔ اگر اس سے یہ کہتی کہ تم زندہ ہو تو پھر وہ تم سے ملنے کے لئے مچلتی رہتی۔"

"اوہ گاڈ! تم نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ بیٹی کی دنیا سے ایک باپ کو مار ڈالا ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں نے جو ضروری سمجھا' وہی کیا ہے۔"

"کیا وہ نہیں پوچھتی کہ تمہارے اخراجات کے لئے اتنی رقم کہاں سے آتی رہتی ہے؟"

"اس نے پوچھا تھا۔ میں نے کہہ دیا۔ اس کے چچا یورپ میں رہتے ہیں۔ وہاں سے ہماری مدد کرتے رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اس سے کہہ سکتی ہو کہ اس کے چچا اب اس کے اکاؤنٹ میں بھی رقم بھیجنے لگے ہیں۔"

"تم میرے اکاؤنٹ میں زیادہ رقم ڈالا کرو۔ میں تمہاری بیٹی کو اس کے حصے کی رقم دے دیا کروں گی۔"

"زیادہ باتیں نہ کرو۔ ابھی اس کا اکاؤنٹ نمبر بتاؤ ورنہ میں اپنا وعدہ بھول کر اپنی بیٹی سے ملنے چلا آؤں گا پھر وہ تم سے پوچھے گی کہ تم نے مجھے جیتے جی کیوں مار ڈالا تھا؟"

"میں بات بڑھانا نہیں چاہتی۔ اس کا اکاؤنٹ نمبر نوٹ کرو۔ آج کے بعد پھر کبھی فون نہ کرنا۔"

اس نے اکاؤنٹ نمبر بتا کر فون بند کر دیا۔ اس بات سے کبیر کو صدمہ پہنچا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی نظروں میں مردہ ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ دور رہنے کے باوجود بیٹی سمجھ رہی ہوگی کہ باپ اس کے اخراجات پورے کر رہا ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داریاں پوری کر رہا ہے لیکن روزی اس کے باپ کی جگہ کسی چچا کو لے آئی تھی جو یورپ میں کہیں رہتا تھا اور وہاں سے ان کے اخراجات پورے کرتا تھا۔

اس نے سوچا۔ کیا پنکی نے یہ نہیں پوچھا ہوگا کہ اس کا وہ چچا کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟ اگر وہ اخراجات پورے کرتا ہے اور اتنی محبت کرنے والا ہے تو کبھی ان سے آ کر کیوں نہیں ملتا؟

ایسے بہت سے سوالات اس کے ذہن میں چبھنے لگے۔ روزی اس سے کیوں طلاق لینا چاہتی تھی؟ طلاق نہ ملنے پر وہ اس سے دور بنارس کیوں آ گئی تھی؟ بیٹی سے جھوٹ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ باپ مر چکا ہے؟

وہ روزی کو بہت چاہتا تھا۔ اس پر اعتماد کرتا تھا۔ کبھی شکی مزاج شوہروں کی طرح یہ نہیں دیکھتا تھا کہ وہ کہاں جاتی ہے' کیا کرتی ہے؟ بنارس آ کر بھی وہ روزی کی کھوج میں نہیں رہا۔ اس نے صرف اس کی رہائش گاہ کا پتہ اور فون نمبر معلوم کیا۔ روزی جب دہلی میں تھی تو سلائی کڑھائی کا کام کیا کرتی تھی۔ بنارس آ کر اس نے ایک گھریلو انڈسٹری قائم کی تھی۔ اس کاروبار سے متعلقہ لوگوں سے ملتی رہتی تھی۔ کبھی شہر سے باہر بھی جایا کرتی تھی۔ کبیر نے اس کے بارے میں یہ سرسری معلومات حاصل کی تھیں۔ اس کی باقی تمام دلچسپیاں اپنی بیٹی کے لئے تھیں۔

ایک بار اسے معلوم ہوا کہ روزی سخت بیمار ہے اور اسے اسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔ وہ اس رات چھپ کر اسپتال میں اس سے ملنے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ روزی اس کی آمد پر اعتراض کرے گی لیکن وہ بہت بیمار تھی' بہت کمزور تھی۔ اس نے اسے دیکھ کر کہا۔ "اچھا

ہوا تم آ گئے۔ میں گاڈ سے دعا مانگ رہی تھی کہ آخری بار تم سے ملاقات ہو جائے۔"

"ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ تم چاہو گی تو یہ آخری ملاقات نہیں ہوگی۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ ہم سب پھر ایک چھت کے نیچے رہیں گے۔"

"تم چپ رہو۔ مجھے بولنے دو۔ میرے اندر اب کچھ نہیں رہا۔ میں خالی ہو چکی ہوں۔ تم نے مجھے محبت دی' عزت دی مگر میں تمہارے ساتھ دھوکا کرتی رہی۔"

کبیر نے چونک کر پوچھا۔ "دھوکا؟ کیا تم نے مجھے دھوکا دیا ہے؟ مگر کیسے؟"

"میں ایک شخص کے فریب میں آ گئی تھی۔ اس نے کہا تھا اگر میں تم سے طلاق لوں گی تو وہ مجھ سے شادی کر لے گا مگر تم نے طلاق نہیں دی۔ وہ بنارسی ساڑھیوں کا بہت بڑا بیوپاری ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے طلاق نہیں ملی' کوئی بات نہیں۔ میں اس کی دوست بن کر رہ سکتی ہوں۔"

وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ بولتے وقت ہانپ رہی تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"میں کیا بتاؤں' مجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں اس کی دیوانی ہو گئی تھی۔ جب تم جیل گئے تو میں تمہاری بیٹی کے دل میں تمہارے لئے نفرت پیدا کرنے لگی۔ اس کے سامنے تمہیں ایک ظالم اور بے غیرت شوہر کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے دماغ میں یہ بات بٹھائی کہ جب تمہیں کہیں سے چوری کی رقم نہیں ملتی ہے تو تم مجھے دوسرے مردوں کے پاس جانے کو کہتے ہو۔ میں انکار کرتی ہوں تو مجھے مارتے پیٹتے رہتے ہو۔ میں نے تمہارے ظلم و ستم سے تنگ آ کر تم سے طلاق لے لی ہے۔"

"اوہ گاڈ روزی! تم یہ کیا کرتی رہیں۔ میں تم سے محبت کرتا رہا۔ تم میری بیٹی کے دل و دماغ میں میرے خلاف زہر بھرتی رہیں۔ اگر تم دوسری شادی کے لئے طلاق مانگتیں تو میں جبراً تمہیں بیوی بنا کر نہ رکھتا۔"

وہ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولی۔ "میں بہت گناہ گار ہوں۔ میں نے پنکی سے کہا تھا کہ جیل میں اس کے باپ کی موت ہو گئی ہے۔ میرا اب تم سے کوئی رشتہ نہیں رہا ہے' اس لئے میں تمہاری لاش لینے اسپتال نہیں گئی۔ تب سے وہ تمہیں مردہ سمجھ رہی ہے۔ وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔ میں تم باپ بیٹی کی مجرم ہوں۔ آج میں بری طرح پچھتا رہی ہوں۔ اس شخص نے نہ مجھ سے شادی کی' نہ میرے کسی کام آیا۔ ایک دو ملاقاتوں

کے بعد اس نے منہ پھیر لیا۔ میں اِدھر کی رہی نہ اُدھر کی رہی۔"

وہ ذرا دیر کے لئے چپ ہوئی پھر بولنے لگی۔ "اس سے دھوکا کھانے کے بعد تمہارے پاس واپس آنے کا راستہ نہیں رہا تھا۔ میں نے خود ہی اپنے لئے گڑھا کھودا تھا۔ بیٹی سے یہ کہہ چکی تھی کہ تم مر چکے ہو اور میں دوسری شادی کر چکی ہوں۔ اس نے اپنے سوتیلے باپ کو ایک بار دیکھا تھا پھر میں نے بات بنا دی کہ وہ یورپ چلا گیا ہے اور وہیں سے ہمارے لئے بڑی بڑی رقمیں بھیجتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ نیکیاں کر رہے تھے' میں تمہاری تمام نیکیاں اس فریبی کے نام کر رہی تھی۔"

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "پنکی کو یہ معلوم ہوتا کہ میں نے اس شخص سے شادی نہیں کی ہے تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگتی اور اس سے یہ کہتی کہ اس کا باپ مرا نہیں' زندہ ہے تو وہ تم سے بھی پوچھتی۔ تم مردہ بن کر کیوں رہے؟ میں نے اس کی نظروں میں تمہاری کوئی عزت نہیں رکھی۔ اسے میری حقیقت معلوم ہوتی تو باپ کی طرح ماں بھی اس کی نظروں سے گر جاتی۔"

کبیر نے کہا۔ "تم نے اپنی حماقت سے ایک پیار بھرے گھر کو اجاڑ دیا ہے۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ پنکی یہاں آئے گی تو اس کے سامنے اسی طرح سچ بول دو۔ میرے خلاف جتنا زہر اس کے اندر ہے' سب نکال دو۔ میری محبت کرنے والی بیٹی مجھے مل جائے گی تو میں تمہاری تمام غلطیوں اور گناہوں کو معاف کر دوں گا۔"

"وہ صبح یہاں آئے گی۔ میں اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ اپنی سانسیں گن رہی ہوں اور دعا مانگ رہی ہوں کہ اس کے سامنے سچ بولنے تک خداوند یسوع مجھے زندہ رکھے۔"

"تم زندہ رہو گی۔ پھر کیا ضروری ہے کہ صبح کا انتظار کرو۔ میں ابھی جاتا ہوں' اسے لے کر یہاں آتا ہوں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر اسپتال سے باہر آ گیا۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اس مکان میں پہنچا جہاں ماں بیٹی رہا کرتی تھیں۔ اس نے دروازے پر آ کر دستک دی۔ پنکی نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

اتنے قریب سے بیٹی کی آواز سن کر اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے کہا۔

"میں تمہارا.........."

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ایک دم سے یاد آیا کہ ماں نے اس کے باپ کو مار ڈالا ہے۔ وہ خود کو باپ کہے گا تو بیٹی کبھی یقین نہیں کرے گی۔ اس نے کہا۔ "میں اسپتال سے آیا ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

اس نے اسپتال کی بات پر دروازہ کھولا پھر کبیر کو دیکھتے ہی ایک دم سے چونک گئی۔ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ دیدے پھاڑ پھاڑ کر یوں دیکھنے لگی جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ وہ بارہ برس کی عمر میں باپ سے بچھڑ گئی تھی۔ اس عمر میں ماں باپ کی صورتیں اچھی طرح یاد رہتی ہیں پھر ایک البم میں اس کی چند تصویریں بھی تھیں۔ اس نے کئی بار ان تصویروں کو دیکھا تھا۔ اب سامنے اسے دیکھ کر یقین نہیں آ رہا تھا کہ مردہ' زندہ ہو گیا ہے۔

کبیر بھی ایک عرصے بعد اسے اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا۔ بڑی محبت سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا پھر اس نے پوچھا۔ "بیٹی! پنکی! کیا اپنے باپ کو پہچان رہی ہو؟ میں زندہ ہوں۔ تمہیں میری موت کی غلط اطلاع ملی تھی۔ تمہاری ممی نے تم سے غلط کہا تھا۔"

وہ بولی۔ "میں.......... میں نہیں جانتی کہ آپ کو زندہ دیکھ کر خوش ہونا چاہئے یا نہیں۔ آپ نے میری ممی کے ساتھ نیکیاں کی ہوتیں تو ابھی میں دوڑ کر آپ کے سینے سے لگ جاتی مگر آپ اس قابل نہیں ہیں۔"

"بیٹی! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ تمہیں جو سمجھایا گیا ہے' وہی سمجھ رہی ہو۔ آج میں تمہاری تمام غلط فہمیاں دور کر دوں گا۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔ "اتنے برسوں تک مردہ رہنے کے بعد کیا غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے زندہ ہو کر آئے ہیں۔ پلیز یہاں سے جائیں۔ میں دروازہ بند کروں گی۔"

"تمہارے دل میں میرے خلاف زہر بھر دیا گیا ہے۔ ابھی میرے ساتھ اسپتال چلو' تمہاری ممی اعتراف کریں گی کہ انہوں نے مجھ سے دشمنی کی ہے۔ ایک باپ کو بیٹی کی نظروں میں گرا دیا ہے۔"

"میں خود اسپتال جا کر ممی سے بات کروں گی۔ آپ یہاں سے جائیں۔"

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ تمہاری ممی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ ابھی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"کیا؟ ممی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے؟ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"میں یہاں جھوٹ بولنے نہیں آیا ہوں۔ تمہاری زندگی میں جتنا جھوٹ پھیلایا گیا ہے' اسے سچ کرنے آیا ہوں۔ تم یقین نہ کرو مگر اپنی ماں سے ملنے کے لئے تو چلو۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے باپ کو دیکھا پھر اس کے ساتھ باہر آ کر دروازے کو بند کر دیا۔ سامنے ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ کبیر اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ڈرائیور کی موجودگی میں کہنا مناسب نہیں تھا۔ پھر وہ اسے جھوٹا اور فریبی سمجھ رہی تھی۔ اس کی کسی بات کا یقین کرنے والی نہیں تھی۔

وہ اسپتال کے احاطے میں آ کر ٹیکسی سے اتر گئے۔ اس کا کرایہ ادا کیا پھر اندر آ کر تیزی سے چلتے ہوئے روزی کے کمرے میں پہنچے۔ وہاں ایک ڈاکٹر' ایک نرس اور وارڈ بوائے کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ جب وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو ڈاکٹر روزی کے منہ پر چادر ڈال رہا تھا۔ وہ مر چکی تھی۔

پنکی نے صدمے سے ایک چیخ ماری پھر دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی۔ کبیر گم صم کھڑا اس سفید چادر کو دیکھتا رہا جس کے پیچھے روزی ہمیشہ کے لئے چھپ گئی تھی۔

دنیا سے جانے والوں کو کم از کم ایک پھول کھلانا چاہئے تاکہ ان کے بعد بھی یہ دنیا مہکتی رہے۔ روزی نے پنکی جیسا خوبصورت پھول کھلایا تھا لیکن اس پھول کو باپ کے لئے زہریلا بنا دیا گیا تھا۔

☆======☆======☆

وہ خیالات سے چونک گیا۔ اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ وہ گاندھی گارڈن میں پنکی سے ملنے آیا تھا۔ اس کے بارے میں سوچتے سوچتے ماضی کی تاریکیوں میں بہت دور نکل گیا تھا۔ ایک مترنم ہنسی نے اسے خیالات سے چونکا دیا۔ اس سے کچھ فاصلے پر اس کی بیٹی ایک نوجوان کے ساتھ ہنستے ہوئے جوگنگ کر رہی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے جوگنگ کرتے ہوئے جانے لگا۔ وہ نوجوان سے کہہ رہی تھی۔ "وکی! مجھے زبردستی نہ ہنساؤ۔ میں ایسے حالات سے گزر رہی ہوں کہ سوچتی ہوں تو رونا آتا ہے۔"

وکی نے کہا۔ "تم روتی ہو تب بھی خوبصورت لگتی ہو لیکن پھول کو ہنستے رہنا چاہئے۔"

وہ جوگنگ کرتے ہوئے ایک جگہ رک گئی پھر ہانپتے ہوئے بولی۔ "پلیز شاعری نہ کرو۔ میں بہت بدنصیب ہوں۔ جب ممی زندہ تھیں تو پاپا کو موت آگئی اور جب پاپا زندہ ہوئے ہیں تو ممی مرچکی ہیں۔"

"تم بدنصیب نہیں ہو۔ تمہارے پاپا زندہ ہیں۔ میرے تو ماں باپ دونوں ہی مرچکے ہیں۔"

"میرے پاپا دس بار زندہ ہو کر آئیں گے تب بھی وہ میرے لئے مردہ رہیں گے۔ میں ان سے نفرت کرتی ہوں۔ آئی ہیٹ ہم!"

کبیر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تمہارے نفرت کرنے سے خون کا رشتہ ختم نہیں ہوگا۔ میں پچھلے چھ مہینے سے تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ اپنے باپ کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر تم ماں کی موت سے پہلے اسپتال پہنچ جاتیں تو وہ تمہیں حقیقت بتاتی۔ اسے آخری وقت اپنی

غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔"

"یو شٹ اپ! میری ماں نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔ آپ ان پر ظلم کرتے رہے تھے۔ وہ آپ سے طلاق لے کر دوسری شادی کرنے پر مجبور ہوگئی تھیں۔ مجھے یہ ساری باتیں یاد آتی ہیں تو آپ سے اور شدید نفرت ہونے لگتی ہے۔ آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ میں آپ جیسے سزا یافتہ چور کو کبھی اپنا باپ تسلیم نہیں کروں گی۔ پلیز آپ میرے پیچھے نہ آئیں۔"

"بیٹی! اپنے باپ کو چور نہ کہو۔ میں نے وہ دھندا چھوڑ دیا ہے۔"

"چور، چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ میں اخبارات میں چوری اور قتل کی خبریں پڑھ چکی ہوں۔ ممی کہا کرتی تھیں کہ آپ کوئی معمولی چور نہیں ہیں۔ ہمیشہ بڑی وارداتیں کرتے ہیں۔ اس سیاسی نیتا دھیرج لال چوپڑا کی کوٹھی میں آپ ہی نے چوری کی ہے۔ آپ ہی نے اس عورت کو قتل کیا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ میں قاتل نہیں ہوں۔ میری اس عورت سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اس کا قاتل کوئی اور ہے۔ تم آج تک مجھے چور سمجھتی رہیں۔ ٹھیک ہے میں چور ہوں مگر مجھے قاتل نہ سمجھو۔"

وکی نے کہا۔ "مسٹر! مجھے باپ اور بیٹی کے درمیان نہیں بولنا چاہئے لیکن یہ آپ کو باپ تسلیم نہیں کر رہی ہے۔ آپ کیوں اسے پریشان کر رہے ہیں۔ کیا کوئی باپ اس طرح بیٹی کو پریشان کرتا ہے؟"

کبیر نے کہا۔ "بیٹے! میں اسے پریشان نہیں کر رہا ہوں۔ یہ تنہا رہ گئی ہے۔ میں اسے تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

پنکی نے کہا۔ "وکی! ان سے بات نہ کرو۔ ورنہ پولیس والے تمہیں بھی پکڑ کر لے جائیں گے۔ چلو یہاں سے۔"

وہ جوگنگ کرتے ہوئے جانے لگی۔ وکی اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ کبیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "جسٹ اے منٹ! وہ میری اپنی ہے۔ مجھے سمجھنا نہیں چاہتی۔ تم اپنے نہیں ہو مگر اپنے بن سکتے ہو۔ اس کی غلط فہمی دور کرسکتے ہو۔ یقین کرو میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ سمجھ رہی ہے۔"

"میں پنکی سے شادی کرنے والا ہوں۔ اس نے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔"

"اس کی ماں نے اسے جو کچھ بتایا تھا' اس نے وہی تمہیں بتایا ہے۔ روزی نے اسپتال میں آخری وقت اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا تھا۔ میں نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔ وہ ایک شخص کے فریب میں آکر گناہ گار بن گئی تھی۔ جب اسے یقین ہو گا کہ اس کا باپ بے غیرت نہیں ہے' اس کی ماں بے حیا تھی تو اس کا سر جھک جائے گا۔"

"آپ بیٹی کا سر کیوں جھکانا چاہتے ہیں؟ اس کے دل و دماغ میں ایک پاکیزہ ماں ہے جس کی پاکیزگی پر اسے ناز ہے۔ آپ اس کا یہ غرور کیوں توڑنا چاہتے ہیں؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ میری بیوی کی حیثیت سے بدچلن تھی مگر میری بیٹی کے لئے مقدس ماں تھی اور اسے مقدس رہنا چاہیے۔"

"اس کے لئے لازمی ہے کہ آپ پنکی کے دل سے کسی طرح کی غلط فہمی دور نہ کریں۔ جو ہو چکا ہے' اس پر مٹی ڈال دیں۔ اسے میرے ساتھ سکون سے زندگی گزارنے دیں۔"

"میں یہی چاہتا ہوں کہ وہ خوش رہے اور ساری زندگی ہنستی کھیلتی رہے۔ میں ایک شرط پر ہمیشہ کے لئے اس کے راستے سے ہٹ جاؤں گا اور شرط یہ ہے کہ میں اپنی تمام کمائی اسے دیتا رہوں اور وہ اسے قبول کرتی رہے۔ میں ایک باپ کی ذمے داری پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ آپ کو باپ تسلیم نہیں کرتی۔ آپ کی ذمے داریوں کو بھی تسلیم نہیں کرے گی۔"

"اس کی ماں اپنی زندگی کے آخری ایام تک میری کمائی کھاتی رہی اور اپنی بیٹی سے یہ کہتی رہی کہ یہ سب کچھ اس کا سوتیلا باپ انہیں دے رہا ہے جبکہ اس کا کوئی سوتیلا باپ نہیں تھا۔ اس سے پوچھو اگر کوئی سوتیلا باپ یورپ میں رہتا ہے تو وہ اس کی ماں کی موت پر یہاں کیوں نہیں آیا؟ اس نے چھ ماہ سے اس کے بینک اکاؤنٹ میں کوئی رقم کیوں نہیں بھیجی؟"

"آپ درست کہتے ہیں۔ وہ اس بات پر حیران ہے اور پریشان ہے کہ سوتیلا باپ

اس کی خبر کیوں نہیں لے رہا ہے۔ آپ اسے حیران اور پریشان رہنے دیں۔ اسے اصل بات نہ معلوم ہونے دیں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ بیٹی کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ اس کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں مگر وہ آپ سے کبھی کوئی مدد نہیں لے گی۔"

"میں تمہارے ذریعے اپنی بیٹی کے کام آسکتا ہوں۔ تم جلد سے جلد اس سے شادی کرو۔ ابھی ایک چھوٹی سی دکان چلاتے ہو۔ میں تمہیں لاکھوں روپے دوں گا۔ تم بڑی دکان کرو۔ کوئی بڑا کاروبار کرو۔ میں جو کچھ تمہیں دیتا رہوں گا' وہ میری بیٹی کو ملتا رہے گا۔"

پنکی جوگنگ کرتی ہوئی دور جاکر رک گئی تھی۔ پلٹ کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے آواز دی۔ "کم آن وکی! نہیں آؤ گے تو میں چلی جاؤں گی۔"

وہ جلد ہی شادی کرنے کا وعدہ کر کے جوگنگ کرتا ہوا پنکی کے پاس چلا گیا۔

☆======☆======☆

بنارس میں جتنے معروف اور چالباز چور ہیں' ان سب کا کمپیوٹر ریکارڈ چیک کیا جا رہا تھا۔ ایسے پانچ چور تھے جن پر شبہ ہو رہا تھا۔ ان پانچوں میں کبیر کا نام بھی تھا۔ انٹیلی جنس والے ان سب کو پکڑ رہے تھے اور ان کا محاسبہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کبیر کو اپنے دفتر میں طلب کیا تھا۔ کبیر نے سیٹھ دھنی رام کی گواہی پیش کی۔ سیٹھ دھنی رام نے کہا۔ "کبیر اس رات شہر میں نہیں تھا۔ میرا مال دہلی کے دکانداروں کو پہنچانے گیا تھا۔"

دہلی میں سیٹھ دھنی رام کا بھائی سیٹھ گنگا رام کاروبار سنبھالتا تھا۔ انکوائری دہلی تک گئی۔ سیٹھ گنگا رام نے کہا۔ "کبیر بنارس سے مال لے کر اس رات میرے پاس آیا تھا۔ اس نے میرے مہمان خانے میں رات گزاری تھی پھر دوسرے دن چلا گیا تھا۔"

انٹیلی جنس والوں کا شبہ کمزور پڑ گیا۔ ان کی توجہ کبیر کی طرف سے ہٹ گئی لیکن دھرمانند پانڈے کے تینوں رازدار اپنے اپنے طور پر ان پانچوں کا محاسبہ کر رہے تھے۔ کبیر ایک ہوٹل میں رات کا کھانا کھا رہا تھا۔ انیل شرما اور شنکر بھاٹیہ اس کے پاس آکر میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ شنکر بھاٹیہ نے کبیر کو اپنا آئی ڈی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں انفارمیشن منسٹر دھرمانند پانڈے کا خاص سیکیورٹی افسر ہوں۔ جس رات وہ واردات ہوئی' اس وقت تم کہاں تھے؟"

کبیر اس وقت سونالی کے بیڈروم میں انیل شرما اور شنکر بھاٹیہ کو دیکھ چکا تھا۔ یہ سمجھ گیا تھا کہ وہ منتری دھرمانند پانڈے کو قتل کے الزام سے بچانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اس کے پاس وہ چاقو اور نکٹائی محفوظ تھی۔ وہ چیزیں انٹیلی جنس والوں کے ہاتھ نہیں لگی تھیں۔ پانڈے کے رازدار معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ دو چیزیں کس کے پاس ہیں۔ انہیں جس پر بھی شبہ ہوگا' وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

کبیر نے کہا۔ "آج صبح آئی بی والوں نے بلایا تھا۔ مجھے گھنٹوں بٹھائے رکھا۔ یہاں سے دہلی تک فون کرتے رہے تب انہیں یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ میں اس رات یہاں نہیں تھا۔ میں دوسرے دن دہلی سے یہاں آیا تھا۔ آئی بی والے مطمئن ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔"

انیل شرما نے کہا۔ "ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ تم ایک بدنام لاک بریکر ہو۔ چوپڑا صاحب کے بیڈروم میں جو تجوری کا دروازہ ہے اسے تمہارے جیسا ماہر لاک بریکر ہی کھول سکتا ہے۔"

کبیر نے کہا۔ "آپ میری تعریف کر رہے ہیں مگر یہ تعریف بھی ہے اور مصیبت بھی ہے۔ میں کہوں گا کہ میں نے اس دروازے کو دیکھا تک نہیں ہے تو آپ یقین نہیں کریں گے جبکہ یقین کر لینا چاہئے۔ میں آئی بی والوں کی انکوائری کے مطابق اس رات یہاں نہیں تھا۔"

"تمہارے جیسے چور بڑی چالبازی سے یہ ثبوت پیش کر دیتے ہیں کہ واردات کے وقت وہ اس شہر میں ہی نہیں تھے۔ ہم سے جھوٹ بولو گے' دھوکا دینا چاہو گے تو پچھتانے کے لئے ایک بعد دوسری سانس بھی نہیں لے سکو گے۔"

انیل شرما نے کہا۔ "اور اگر دوستی کرو گے۔ ہم سے سچ بولو گے تو ہم تمہیں آئی بی والوں کے حوالے نہیں کریں گے۔"

بھاٹیہ نے کہا۔ "تم نے جتنا مال چرایا ہے' وہ سب تمہارا ہی رہے گا۔ ہم تم سے کچھ چھیننے نہیں آئے ہیں۔ تمہیں قانون کی مار سے بچانے آئے ہیں۔ ہم سے دوستی کرو۔ ہم پر بھروسہ کرو اور اتنا بتا دو کہ واردات کی رات تم بیڈروم میں کہاں تھے اور چوری کے مال کے علاوہ وہاں سے اور کتنی اہم چیزیں اٹھا کر لے گئے تھے۔ ایسی اہم چیزیں جن کے

ذریعے اصلی قاتل گرفت میں آ سکتا ہے۔"

کبیر نے انجان بن کر پوچھا۔ "کیا ایسی چیزیں کسی کے پاس ہیں جو اصلی قاتل کو بے نقاب کر سکتی ہیں؟ اخبارات میں ایسی کسی چیز کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔"

"یو نان سنس! تم بہت بڑے اداکار ہو مگر تمہاری اداکاری ہمارے سامنے نہیں چلے گی۔ ہم تمہارا سونا جاگنا' کھانا پینا سب حرام کر دیں گے۔"

شرما نے کہا۔ "ہم نے معلوم کیا ہے۔ تمہارا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے نہیں ہے۔ تم ہمارے منتری جی کو سیاسی نقصان پہنچانے کے لئے کسی دوسری پارٹی سے سودے بازی نہیں کرو گے۔ اگر منتری جی کے خلاف تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے تو تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس کی قیمت لگاؤ۔ ہم تمہیں لاکھوں اور کروڑوں روپے دیں گے۔"

"آپ مجھے اتنی دولت دینے کی بات کر رہے ہیں۔ اگر ایسی کوئی چیز میرے پاس ہوتی تو میں ابھی اسے پیش کر دیتا۔ آپ نہیں جانتے آج کل میں بہت کڑکا ہوں۔"

شرما نے کہا۔ "تم بہت ڈھیٹ ہو۔ ہم نے تمہارے بارے میں اور بہت کچھ معلوم کیا ہے۔ تمہاری ایک جوان بیٹی ہے۔ وہ عالمگیر مسجد کے پیچھے رہتی ہے۔ ہم اس کا بھی محاسبہ کرنے والے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "آپ میری بیٹی کا محاسبہ کیوں کریں گے؟ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ برسوں پہلے ان ماں بیٹی نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ نہ وہ مجھ سے ملتی ہے نہ میں اس کے پاس جاتا ہوں۔"

"وہ تم سے نہیں ملتی ہے لیکن تم کبھی گاندھی گارڈن میں اور کبھی کالج کے سامنے اس سے ملنے جاتے ہو۔ چوری کا مال بیٹی کے پاس جمع کرتے ہو۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ آپ خواہ مخواہ الزام دے رہے ہیں۔ میری بیٹی معصوم ہے۔ آپ اس معاملے میں اسے پریشان نہ کریں۔ وہ اکیلی رہتی ہے۔ گھبرا جائے گی۔"

"اگر وہ معصوم ہے تو اس کے بینک اکاؤنٹ میں گیارہ لاکھ روپے کہاں سے آ گئے ہیں؟"

"وہ رقم اس کی ماں کے اکاؤنٹ سے منتقل کی گئی ہوگی۔"

"اس کی ماں کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی تھی؟ زیادہ چالباز نہ بنو۔ تم نے بیوی

اور بیٹی کو اسی لئے دور رکھا ہے کہ چوری کی کمائی ان کے پاس جمع ہوتی رہی ہے۔ تم ایک عام آدمی کی طرح رہتے ہو تاکہ تم پر شبہ نہ کیا جاسکے۔"

"آپ اپنے طور پر ایسا سوچ رہے ہیں جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری بیوی نے گھریلو انڈسٹری قائم کی تھی۔ اس کاروبار سے اسے منافع حاصل ہوتا رہتا تھا۔"

وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ شنکر بھاٹیہ نے کہا۔ "ہم تم سے زیادہ ڈھیٹ ہیں۔ جو بات تم سے نہ اگلوا سکے' وہ تمہاری بیٹی سے اگلوا کر رہیں گے۔"

وہ دونوں اسے چیلنج کر کے وہاں سے چلے گئے۔ کبیر ایک دم سے گھبرا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لوگ اس کی بیٹی کو مہرہ بنا کر اسے سچ اگلنے پر مجبور کریں گے۔ وہ اپنی پنکی کی خاطر سچ بول سکتا تھا۔ وہ چاقو اور وہ نکٹائی ان کے حوالے کر سکتا تھا لیکن یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ چاقو اور نکٹائی ملتے ہی وہ اسے گولی مار دیں گے۔ اپنے خلاف ایک چشم دید گواہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

وہ ہوٹل سے نکل کر ایک ٹیلی فون بوتھ میں آیا۔ فون کے ذریعے وکی سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "وکی! میں کبیر بول رہا ہوں۔ منتری پانڈے کے خاص لوگ چوری اور مرڈر کے سلسلے میں مجھے پریشان کر رہے تھے' اب وہ پنکی کو پریشان کرنے والے ہیں۔ تم فوراً پنکی کے پاس جاؤ اور اسے سمجھاؤ کہ وہ اپنا بیان دیتے وقت کسی سوتیلے باپ کا ذکر نہ کرے۔ اس کی یہ بات غلط ہوگی کہ سوتیلا باپ اس کی ماں کو بڑی رقمیں بھیجا کرتا تھا۔ میں نے بیان دیا ہے کہ اس کی ماں نے کبھی مجھ سے یا کسی سے رقم نہیں لی ہے۔ وہ گھریلو انڈسٹری کے ذریعے اپنا بینک بیلنس بڑھاتی رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے انکل! میں ابھی جا کر اسے اچھی طرح سمجھا دوں گا۔"

اس نے فون پر گفتگو کے دوران میں دیکھا۔ بوتھ کے باہر سڑک کے کنارے انیل شرما اور بھاٹیا ایک گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کبیر نے دوسری بار نمبر ڈائل کئے پھر سیٹھ دھنی رام سے کہا۔ "منتری پانڈے کے چمچے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ تم سے پوچھیں تو کہنا کہ میں ابھی نو بج کر دس منٹ پر تم سے باتیں کرتا رہا تھا۔ تم مجھے مال لے کر دہلی جانے کو کہہ رہے تھے لیکن میں انکوائری کرنے والوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اس لئے میں نے دہلی جانے سے انکار کر دیا ہے۔"

"تم چنتا مت کرو۔ میں پہلے بھی انکوائری کرنے والوں سے نمٹتا رہا ہوں۔ مگر اس بار بہت سخت انکوائری ہو رہی ہے۔ تم ہوشیار رہو۔ اگر پکڑے گئے تو میری بھی شامت آ جائے گی۔"

کبیر فون بند کر کے بوتھ سے باہر آیا۔ انیل شرما نے کہا۔ "بہت چالاک بنتے ہو۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے بیٹی کو فون پر ہوشیار کر دیا ہے۔"

"آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میری بیٹی کے گھر فون نہیں ہے۔ میں ابھی سیٹھ دھنی رام سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ مجھے مال لے کر دہلی جانے کو کہہ رہا تھا لیکن آپ لوگوں نے مجھے اس قدر الجھایا ہوا ہے کہ میں یہ شہر چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

شنکر بھاٹیہ نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم ابھی معلوم کر لیں گے کہ تم نے کہاں فون کیا تھا۔"

وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے چلے گئے۔ وہ فٹ پاتھ پر کھڑا سوچنے لگا۔ اس کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ اگر اس کی بیٹی پر کوئی مصیبت آئے گی تو وہ منتری پانڈے اور اس کے رازداروں کا جینا حرام کر دے گا۔ ایک گمنام بلیک میلر بن کر انہیں بلیک میل کرے گا۔ اپنی طرف سے اور اپنی بیٹی کی طرف سے ان کی توجہ ہٹا دے گا۔

وکی فون اٹینڈ کرنے کے بعد پنکی کے پاس آگیا۔ وہ دروازہ کھول کر بولی۔ "اتنی رات کو آئے ہو۔ کیا مجھے بدنام کرنے کا ارادہ ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اگلے سنڈے تم چرچ میں میری دلہن بن جاؤ گی۔ اب بدنامی سے کیا ڈرنا۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا پھر تنہائی میں بڑی رازداری سے اسے سمجھانے لگا کہ جب بھی اس کے پاس انکوائری کرنے والے آئیں تو اسے بینک بیلنس کے سلسلے میں یہ بیان دینا چاہئے کہ اس کی ماں نے اپنی محنت سے بینک میں گیارہ لاکھ روپے جمع کئے ہیں۔

وہ حیرانی سے بولی۔ "تم کیسے جانتے ہو کہ میرے اکاؤنٹ میں گیارہ لاکھ روپے ہیں؟"

"منتری پانڈے کے خاص جاسوسوں نے تمہارے بارے میں بہت سی معلومات

حاصل کی ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تمہارا کوئی سوتیلا باپ نہیں تھا اور نہ ہے۔ لہٰذا ان کے سامنے کسی سوتیلے باپ کا ذکر مت کرنا۔"

پنکی نے کہا۔ "تم میرے پاپا کی باتوں میں آکر پہلے بھی یہی سمجھاتے رہے ہو۔ اب بھی یہی کہہ رہے ہو کہ میرا کوئی سوتیلا باپ نہیں تھا۔ کیا میری ممی مجھ سے جھوٹ بولتی تھیں؟ کیا تم اس طرح میری ممی کی انسلٹ نہیں کر رہے ہو؟"

"مجھے غلط نہ سمجھو۔ تمہاری ممی نے یقیناً دوسری شادی کی ہوگی لیکن انہوں نے مصلحتاً اس دوسری شادی کو چھپایا ہوگا۔ اس لئے انکوائری کرنے والے تمہارے اس بیان کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ تمہارا کوئی سوتیلا باپ بھی تھا۔ تمہاری ممی سچی تھیں۔ تم جھوٹ بولو گی، تب بھی وہ سچائی اپنی جگہ رہے گی مگر تم انکوائری کرنے والوں کے پیچیدہ سوالات سے محفوظ رہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اس طرح بھی میری ممی کی عظمت قائم رہے گی کہ انہوں نے کسی سے کوئی رقم نہیں لی۔ اپنی محنت سے گیارہ لاکھ روپے جمع کئے ہیں۔"

پنکی کے ذہن میں ماں کی ممتا اور تقدس اس طرح رچ بس گیا تھا جیسے اس نے اپنے اندر مریم کا مجسمہ بنا لیا ہو۔ وہ اپنی ماں کے اس مجسمے کی پرستش کرتی رہی تھی۔ اس کی زندگی میں باپ کے لئے ذرہ برابر جگہ نہیں تھی۔

دوسرے دن وہ اپنے کاٹیج انڈسٹری کے کاموں میں مصروف تھی۔ ایسے وقت ساریکا سنجنا اور انیل شرما اس کے پاس آئے۔ ساریکا نے اپنا تعارف کرایا پھر کہا۔ "تمہارا نام پنکی ہے۔ اپنے نام کی طرح گوری گوری گلابی ہو۔"

پنکی نے کہا۔ "میں اپنی تعریفیں سن کر خوش نہیں ہوتی۔ پلیز آپ کام کی بات کریں۔"

سنجنا نے مسکرا کر کہا۔ "بہت سٹریٹ فارورڈ ہو۔ ہم تم سے بہت کچھ پوچھنے آئے ہیں لیکن جانتے ہیں کہ تمہارے باپ نے پہلے ہی تمہیں اچھی طرح سکھا پڑھا دیا ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں۔ پاپا سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ان سے بات تک نہیں کرتی۔"

"مگر کل رات فون پر بات کی تھی۔ تمہارے گھر میں فون نہیں ہے مگر ہم نے دیکھا

ہے۔ تمہارے ایک پڑوسی کے گھر میں ہے۔ کبیر نے کل رات اس فون پر تم سے گفتگو کی تھی۔"

"آپ اندھیرے میں تیر چلا رہی ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ آپ میرے پڑوسیوں سے معلوم کر لیں۔ کل رات نہ ہی میرا فون آیا تھا اور نہ ہی میں نے کسی سے بات کی تھی۔"

انیل شرما نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری یہ گھریلو صنعت اتنی بڑی اور منافع بخش نہیں ہے کہ تمہارے پاس گیارہ لاکھ روپے جمع ہو جائیں۔"

"آپ میرے پچھلے دس برسوں کا کھاتہ چیک کریں۔ یہ ایک دو دن کا کام نہیں ہے۔ کسی ماہر اکاؤنٹنٹ کو بلا لیں۔ وہ آپ کی تسلی کر دے گا۔"

سنجنا نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اپنے باپ سے محبت ہے؟ کیا تم اس کی بھلائی چاہتی ہو؟"

"میرے بھلائی چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ باپ ہو یا کوئی غیر ہو، اگر اعمال درست نہیں ہوں گے تو بھلائی کی دعا قبول نہیں ہوگی۔"

"تم یہ تسلیم کرتی ہو کہ تمہارے باپ کے اعمال درست نہیں ہیں۔"

"درست ہیں یا نہیں۔ یہ آپ پولیس ریکارڈ سے معلوم کر چکی ہیں۔"

"میں تمہارے باپ کی بھلائی کی بات کر رہی ہوں۔ تم بیٹی ہو۔ اسے سمجھا سکتی ہو۔ وہ پانی میں رہ کر مگرمچھ سے بیر کر رہا ہے۔ وہ تو جان سے جائے گا۔ ساتھ میں تمہیں بھی تباہ و برباد کر دے گا۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ اپنے پاپا سے کبھی بات نہیں کرتی ہوں پھر انہیں کیا سمجھاؤں جبکہ ان کے معاملات میری سمجھ سے باہر ہیں۔"

شرما نے کہا۔ "ہم تمہیں سمجھا دیتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے۔ تمہارا باپ جائے واردات سے کچھ ایسے ثبوت لے گیا ہے جن سے اصل مجرم بے نقاب ہو جائے گا۔ اسے سمجھاؤ وہ ثبوت ہمارے حوالے کر دے اور ایک لمبی پُرسکون زندگی گزارے۔"

"مجھے ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر بھی آپ کے مشوروں پر عمل کر سکتی ہوں۔ اپنے باپ کو سمجھا سکتی ہو لیکن آج کل وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ پہلے صبح کے وقت گاندھی گارڈن میں آیا کرتا تھا۔"

"وہ کل رات سے کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ اُسے خواہ مخواہ یہ وہم ہو گیا ہے کہ ہم اسے گولی مار دیں گے۔"

شرما نے کہا۔ "اس کی روپوشی یہ ثابت کر رہی ہے کہ وہ جائے واردات پر موجود تھا اور قاتل کے خلاف اس نے اہم ثبوت اپنے پاس چھپا رکھے ہیں۔"

وہ پہلی بار باپ کے لئے پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ اگرچہ اس سے نفرت کرتی تھی لیکن انسانیت کے ناتے یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ان لوگوں سے دشمنی مول لے کر بے موت مارا جائے۔ وہ بولی۔ "میں پاپا کو سمجھاؤں گی۔ وہ مجھے بہت چاہتے ہیں۔ اگلے سنڈے کو میری شادی ہے۔ وہ چرچ ضرور آئیں گے۔"

سنجنا نے مسکرا کر کہا۔ "اٹس لائیک اے گڈ گرل۔ ہم بھی تمہاری شادی میں آئیں گے۔"

شرما نے کہا۔ "لیکن چار دن کے بعد سنڈے ہے۔ ہمیں اتنے دنوں تک انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ تم کسی بھی طرح کسی کے بھی ذریعے ایک بار اپنے باپ سے رابطہ کرو۔ اس سے کہیں ملاقات کرو اور ہمیں فون پر اطلاع دو کہ اس سے کب اور کہاں ملنے جا رہے ہو؟"

اس نے اپنا ایک کارڈ پنکی کو دیا اور کہا۔ "اس میں چھ فون نمبرز ہیں۔ تم کسی بھی فون پر ساریکا سے' انیل شرما سے اور شنکر بھاٹیہ سے رابطہ کر کے اطلاع دے سکتی ہو۔ یقین کرو تمہارے باپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہماری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم اس سے صرف ثبوت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ تینوں وہاں سے چلے گئے۔ چار دن کے بعد اس کی شادی تھی۔ وہ شادی کی مسرتوں میں مگن رہتی تھی۔ ان تینوں نے آ کر اسے خواب و خیالوں اور مسرتوں کی دنیا سے نکال دیا تھا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی کہ جس باپ سے سخت نفرت کرتی ہے' کیا اس کا بے موت مرنا گوارا کر سکتی ہے؟

تھوڑی دیر بعد وکی آ گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "میرے باپ نے تو میری زندگی عذاب بنا دی ہے۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

وکی نے پوچھا۔ "کیا وہ یہاں آئے تھے؟"

"آئے تھے۔ الٹے سیدھے سوالات کر رہے تھے۔"

"تم نے صحیح جوابات دیئے تھے؟ پریشان تو نہیں ہوئی تھیں؟"

"وہ پریشان کر رہے تھے۔ میں پریشان کیسے نہ ہوتی مگر تم نے جیسے سمجھایا تھا' ویسا ہی بیان دیا ہے۔"

"تو پھر کیوں گھبرا رہی ہو؟ تم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ نہ وہ تمہیں گرفتار کریں گے اور نہ کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ یہ بتاؤ وہ پاپا کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"وہ جائے واردات سے اہم ثبوت چرا کر لے گئے ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں پاپا سے مل کر وہ ثبوت حاصل کروں اور ان کے حوالے کروں ورنہ وہ پاپا کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"کل رات تمہارے پاپا نے فون کیا تھا۔ وہ پہلے ہی سمجھ گئے ہیں کہ دشمن انہیں مار ڈالنا چاہتے ہیں' اس لئے روپوش ہو گئے ہیں۔ بھیس بدل کر رہنے لگے ہیں۔"

"مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں پاپا سے ملنا نہیں چاہتی۔ ان سے بات کرنا بھی گوارا نہیں ہے لیکن ان سے نہیں ملوں گی' ان سے ثبوت حاصل نہیں کروں گی تو وہ خواہ مخواہ مارے جائیں گے۔"

"تم اوپر سے نفرت کرتی ہو مگر دل ہی دل میں ان سے پیار کرتی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جو میری ماں کا دشمن تھا' وہ میرا دشمن ہے۔ میں مجبور ہوں۔ اس کا لہو میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ میں لہو کا قرض چکانا چاہتی ہوں۔ اسے بیٹی کی محبت نہ سمجھو۔"

"میں تمہارے دل میں زبردستی باپ کا پیار نہیں ڈال سکتا۔ ان سے ہمدردی کر رہی ہو' ایک بیٹی کا فرض ادا کر رہی ہو' یہی کافی ہے۔"

"یہ بتاؤ۔ مجھے ان حالات میں کرنا کیا ہے؟"

"کرنا کیا ہے۔ ان سے فون پر کہتی رہو کہ تمہارے پاپا تم سے رابطہ نہیں کر رہے ہیں اور تم ان کا پتہ ٹھکانہ نہیں جانتی ہو۔ جب بھی وہ رابطہ کریں گے تو تم ان سے کہیں ملاقات کا وقت ضرور مقرر کرو گی اور ان جاسوسوں کو ملاقات کے سلسلے میں اطلاع دو گی۔"

"میں نے انہیں بتایا ہے کہ سنڈے کو ہماری شادی ہے۔ پاپا چرچ میں ضرور آئیں گے۔"

"میں تو یہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ تمہارے دیوانے ہیں۔ وہ بھیس بدل کر' چھپ کر وہاں ضرور آئیں گے۔ یہ جاسوس بڑے ہی مکار اور جلاد ہیں۔ پاپا کو پہچانتے ہی انہیں گولی مار دیں گے۔"

"ممی کہتی تھیں' انہیں میک اپ میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ وہ ایسے ایسے بھیس بدلتے ہیں کہ دشمن تو دشمن' دوست بھی انہیں پہچان نہیں پاتے پھر بھی انہیں ہماری شادی میں بربادی کے لئے نہیں آنا چاہئے۔ ایسے وقت ماں باپ' بیٹی کو دعائیں دینے کے لئے موجود رہتے ہیں۔ چرچ میں میرے باپ کی دعائیں میرے لئے مصیبت بن جائیں گی۔ تم انہیں کسی طرح وہاں آنے سے روک دو۔"

"وہ مجھے فون کرتے رہتے ہیں۔ اب ان سے بات ہوگی تو انہیں تمہارے موجودہ حالات بتاؤں گا۔"

"میں بہت پریشان ہوں۔ کہیں تفریح کے لئے چلو۔ میں چینج کرکے آتی ہوں۔"

وہ لباس بدلنے کے لئے دوسرے کمرے میں آگئی۔ وہاں سے بولی۔ "کون سا لباس پہنوں؟"

"تمہیں جو پسند ہے' وہ پہنو۔ تم تو ملبوسات کی ملکہ ہو۔ جو پہن لیتی ہو' وہی تم پر سجتا ہے۔"

"جب سے تم میری زندگی میں آئے ہو' تب سے میں آئینہ نہیں دیکھتی۔ تمہاری آنکھیں دیکھتی ہوں۔ تمہاری آنکھیں جو چاہتی ہیں وہ پہنتی ہوں۔ تم جو کھاتے ہو' وہی کھاتی ہوں۔ تمہارے حسن نظر کے مطابق بنتی سنورتی ہوں۔"

وہ بولا۔ "اسکرٹ اور بلاؤز نہ پہننا۔ یہاں آنے والے ہندو یاتری عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اچھی سی ساڑھی پہن لو۔ تمہارے ساڑھی پہننے کا انداز بڑا ہی دلکش ہوتا ہے۔"

وہ تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت سی بنارسی ساڑھی پہن کر اس کے سامنے آئی۔ وہ اسے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "واؤ' سو بیوٹی فل۔ یوں لگتا ہے یہ ساڑھی

بطور خاص تمہارے لئے تیار کی گئی ہے۔"

وہ شرمانے اور مسکرانے لگی۔ وہ قریب آکر بولا۔ "یہ ساڑھی میرے بدن سے لگے گی تو بڑی جذباتی سرگوشیاں کرنے لگے گی۔"

اس نے شرماتے ہوئے اس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ پوری کی پوری ساڑھی اس کے حوالے کر دی۔ ان کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ بنارسی ساڑھی کی یہ خوبی ہے کہ خاموش رہو تو اس کی سرسراہٹ بولنے لگتی ہے۔ اس کی پُراسرار بولی صرف پیار کرنے والوں کی سمجھ میں آتی ہے۔

وہ دونوں ایک دم سے چونک گئے۔ ہڑبڑا کر الگ ہو گئے۔ کوئی آگیا تھا......... مگر نہیں' کوئی آیا نہیں تھا۔ موبائل فون کا بزر بول رہا تھا۔ اس نے فون جیب سے نکال کر بٹن آن کیا پھر کہا۔ "ہیلو میں وکی برگنزا بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کبیر کی آواز سنائی دی۔ "میں بول رہا ہوں۔ کیا وہ لوگ پنکی کے پاس آئے تھے؟"

"جی ہاں۔ پنکی نے اپنے جوابات سے انہیں مطمئن کر دیا ہے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ پنکی آپ سے ملاقات کرے' آپ کو قائل کرے کہ آپ وہ تمام ثبوت ان کے حوالے کر دیں' وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "ہوں......... میں بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ وہ ثبوت نہیں دوں گا تو وہ پنکی کو نقصان پہنچائیں گے اور اگر دوں گا تو ثبوت حاصل کرتے ہی مجھے گولی مار دیں گے کیونکہ میں قتل کا چشم دید گواہ ہوں۔ وہ ثبوت اور گواہ سبھی کو مٹا دیں گے۔"

"انکل! سلامتی کا کوئی راستہ تو نکالنا ہوگا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ روپوش رہیں اور پنکی کے ذریعے وہ ثبوت ان کے حوالے کر دیں۔"

"وہ ثبوت حاصل کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ میں چشم دید گواہ ہوں۔ وہ بیٹی کو مجھ سے ملنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ میں بھیس بدل کر رہتا ہوں۔ وہ مجھے بیٹی کے ذریعے ہی پہچان سکتے ہیں اور پہچان کر گولی مار سکتے ہیں۔ میں ان کی چالوں کو خوب سمجھ رہا ہوں۔"

"بے شک جب آپ پنکی سے ملیں گے۔ تب ہی وہ آپ کو پہچان سکیں گے۔ آپ

کو کبھی بیٹی کے قریب سے گزرنا بھی نہیں چاہئے۔ پنکی ان سے کہتی رہے گی کہ آپ روپوش ہیں۔ اس سے رابطہ نہیں کر رہے ہیں۔"

کبیر نے کہا۔ "ایسا کب تک ہوگا۔ چار دنوں کے بعد وہ دلہن بننے والی ہے۔ وہ مجھے چرچ میں تلاش کرنے کے لئے شادی میں رکاوٹیں پیدا کریں گے اور میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

"انکل! وہ بڑے طاقتور ہیں' بڑے اختیارات والے ہیں۔ جو چاہیں گے' وہ کریں گے۔ آپ انہیں روک نہیں سکیں گے۔ بہتر ہے کہ فی الحال ہم شادی ملتوی کر دیں۔"

"ہرگز نہیں۔ شادی ملتوی نہ کرنا۔ میں شادی سے پہلے ہی ان سے دو ٹوک فیصلہ کروں گا۔ پنکی سے کہو وہ ان سے فون پر رابطہ کرے اور کہہ دے کہ وہ کل شام کو گاندھی گارڈن کے اوپن ریسٹورنٹ میں مجھ سے ملاقات کرنے والی ہے۔ وہاں ایک میز پنکی کے نام سے ریزرود ہوگی۔ اسی میز پر دونوں باپ بیٹی کی ملاقات ہوگی۔"

"انکل! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ آپ کو پنکی کے ساتھ دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔"

کبیر نے کہا۔ "پنکی اسے کہے گی کہ میں وہ تمام اہم ثبوت وہاں لا رہا ہوں۔ اس ریسٹورنٹ میں اچھی خاصی چہل پہل رہتی ہے۔ وہ مجھے اس بھیڑ میں گولی مار کر ثبوت حاصل کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ ان کے لئے میں بھی اہم ہوں اور ثبوت بھی اہم ہیں۔ لہٰذا وہ اس میز کے پاس آ کر پہلے مجھ سے دوستی کریں گے۔ ثبوت حاصل کریں گے۔ اس کے بعد پھر کسی وقت مجھے گولی کا نشانہ بنائیں گے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ وہ کسی حال میں بھی آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے تو پھر ان سے ملنا کیوں چاہتے ہیں؟"

"بیٹے! تم نہیں سمجھو گے اور میں تمہیں سمجھا نہیں سکوں گا کہ ان سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔ ابھی وہی کرو جو کہہ رہا ہوں۔ پنکی انہیں کہے گی کہ اس نے ثبوت حاصل کرنے کے سلسلے میں مجھے قائل کیا ہے۔ میں وہ تمام ثبوت اس کے حوالے کرنے کے لئے کل شام پانچ بجے گاندھی ریسٹورنٹ میں اس سے ملاقات کروں گا۔"

کبیر نے رابطہ ختم کر دیا۔ وکی نے کہا۔ "پنکی! تم ابھی ان جاسوسوں سے رابطہ کرو

اور ان سے کہو کہ تمہارے پاپا نے تم سے فون پر بات کی تھی۔ تم نے انہیں قائل کیا ہے۔ وہ تمام ثبوت لے کر کل شام پانچ بجے گاندھی گارڈن میں تم سے ملاقات کرنے والے ہیں۔"

پنکی نے کہا۔ "تم اتنی دیر سے اتنی لمبی باتیں کر رہے تھے۔ مجھے بتاؤ۔ پاپا اور کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں تمہیں ساری باتیں بتا دوں گا۔ پہلے تم فون پر ان دشمنوں سے بات کرو۔ انہیں بتاؤ کہ ان کے من کی مراد پوری ہونے والی ہے۔"

اس نے موبائل فون پنکی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے لے کر فون نمبر پنچ کرنے لگی۔

☆======☆======☆

انفارمیشن منسٹر دھرمانند پانڈے کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ چور نظروں میں آ گیا ہے لیکن کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ اس کے تینوں رازدار اسے اس کے بِل سے نکالنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ پانڈے کی نیند اڑ گئی تھی' بھوک مر گئی تھی' وہ اپنے رازداروں کو کبھی غصہ دکھا رہا تھا' کبھی عاجزی دکھاتا تھا کہ کسی بھی طرح اس چور کو پکڑو۔ ثبوت ملے یا نہ ملے' اسے گولی مار دو۔ جب وہ چشم دید گواہ مر جائے گا تو وہ ثبوت بھی کہیں چھپے رہ جائیں گے۔

انیل شرما نے کہا۔ "اس چور تک پہنچنے کا ذریعہ صرف اس کی بیٹی ہے۔ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ وہ محبت کرنے والا باپ خطرات مول لے کر بیٹی کی شادی میں ضرور آئے گا۔ بھیس بدلنے کے باوجود وہ ہماری نظروں سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ساریکا نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"ہیلو' میں سنجنا بول رہی ہوں۔"

"میں پنکی بول رہی ہوں۔ ابھی پاپا نے مجھ سے فون پر بات کی تھی۔"

سنجنا نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے باپ کی بہتری کے لئے ہم سے مخلص ہو اور رابطہ کر رہی ہو مگر تمہارے گھر میں فون نہیں ہے۔ کیا اس نے پڑوسی کے گھر فون کیا تھا؟"

"نہیں.......... مسٹر وکی سے میری شادی ہونے والی ہے۔ اس کے موبائل فون پر پاپا

نے مجھ سے بات کی تھی۔ میں نے انہیں سمجھایا ہے کہ آپ جیسے اونچے لوگوں کو ناراض نہیں کرنا چاہئے۔ اگر وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے تو میری شادی نہیں ہو سکے گی۔ رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ انہیں میری خوشی اور ایک اچھے مستقبل کی خاطر آپ کا مطالبہ مان لینا چاہئے۔"

"کیا وہ تمہاری باتوں سے قائل ہو رہا ہے؟"

"جی ہاں۔ وہ مجھے چاہتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ میری شادی میں رکاوٹیں پیدا ہوں۔ وہ کل شام کو تمام ثبوت لے کر گاندھی گارڈن کے ریسٹورنٹ میں آئیں گے۔"

"شاباش! یہ ہوئی نا کام کی بات۔ میں بھی کل شام پانچ بجے اس ریسٹورنٹ میں آؤں گی۔ تمہارا باپ ان ثبوت کے بدلے جتنی رقم چاہے گا' میں اسے دوں گی۔ کل شام پانچ بجے پکی بات ہے؟"

"جی ہاں پکی بات ہے۔ وہ وہاں مجھ سے ملنے ضرور آئیں گے۔"

"کیا وہ کسی بھیس میں ہوگا؟ اگر ہوگا تو تم اپنے باپ کو کیسے پہچانو گی؟"

"میں ریسٹورنٹ میں جہاں بیٹھی ہوں گی۔ پاپا خود ہی اس میز پر آجائیں گے۔ میں ان کی آواز سے ان کی باتوں سے انہیں پہچان لوں گی۔"

سنجنا نے ریسیور رکھ کر پانڈے' شرما اور بھاٹیہ کو دیکھا۔ وہ سب فون کے وائڈ سپیکر سے پنکی کی باتیں سن رہے تھے۔ پانڈے نے کہا۔ "یہ چھوکری گاندھی گارڈن میں آنے کی بات کر رہی ہے۔ یہ جھوٹ بول سکتی ہے۔ دھوکا دے سکتی ہے۔"

شنکر بھاٹیہ نے کہا۔ "وہ بہت سیدھی سادی لڑکی ہے۔ دھوکا نہیں دے گی۔ اس کا باپ کوئی مکاری کر سکتا ہے۔"

سنجنا نے کہا۔ "وہ بھی مکاری نہیں کرے گا۔ اس کی بیٹی دلہن بننے والی ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ اس کی شادی رک جائے۔ اپنی بیٹی کی خاطر کل شام کو وہ اپنے بل سے نکلے گا۔"

انیل شرما نے کہا۔ "وہ کوئی مکاری اس لئے نہیں کرے گا کہ وہاں اس کی بیٹی موجود رہے گی۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ وہاں کوئی ہنگامہ ہو اور بیٹی کو نقصان پہنچے۔"

سنجنا نے کہا۔ "بیٹی اس کی کمزوری بن گئی ہے۔ وہ تمام ثبوت دے کر ہم سے پیچھا

چھڑائے گا۔ یہ یقین ہے کہ وہ کل آ رہا ہے۔ اب فیصلہ کرو ہمیں کیا کرنا ہے؟"

شرما نے کہا۔ "مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ ثبوت ہمارے حوالے کرے گا۔ وہ کوئی نادان بچہ نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم ایک چشم دید گواہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ جس طرح ثبوت کو ضائع کریں گے' اسی طرح اسے بھی ہلاک کریں گے اور جب تک ثبوت اس کے پاس رہے گا' اس وقت تک ہم اسے جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

سنجنا نے کہا۔ "وہ بیٹی کی خاطر مجبور ہو کر صرف سمجھوتہ کرنے آ رہا ہے۔ وہ یہی کہے گا کہ جب تک ثبوت اس کے پاس محفوظ رہیں گے' تب تک وہ زندہ رہے گا۔ میں بھی یہی سمجھ رہی ہوں جب تک ثبوت حاصل نہ ہو' اسے زندہ رکھنا ہوگا۔"

پانڈے نے کہا۔ "بک بک مت کرو۔ وہ جندہ رہے گا تو ہم مر جاؤں گا۔ اس کو چھوٹ مت دو۔ گولی مار دو۔ ابھی گاندھی گارڈن جاؤ۔"

"وہ کل شام کو وہاں آئے گا۔"

"کل آئے گا تو کیا ہوا۔ بھاٹیہ تم ابھی سے گارڈن میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ وہ کسی بکھت بھی آ سکتا ہے۔"

شرما نے کہا۔ "منتری جی! آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ ہماری نظروں میں آنے والا ہے۔ وہ ہمیں پہلے سے وہاں دیکھے گا تو بدک جائے گا۔ ہم اسے پرفیکٹ پلاننگ کے ساتھ ماریں گے۔"

بھاٹیہ نے کہا۔ "وہ بہروپیا مجبور ہو کر کل ایک بار وہاں آئے گا۔ اگر ہم نے اسے ختم نہ کیا تو وہ بیٹی کی شادی کے بعد پھر کبھی دکھائی نہیں دے گا۔ شرما صاحب! میں تو کہتا ہوں' کل اسے ختم کر دیں۔"

شرما نے کہا۔ "اگر کل وہ ثبوت نہیں دے گا تو ہمیں دھمکی دینے کے لئے یہ ضرور کہے گا کہ اس نے ثبوت کہیں چھپا رکھے ہیں۔ اس کی موت کے بعد کسی نہ کسی کے ذریعے وہ ثبوت سامنے آئے گا۔"

پانڈے نے کہا۔ "اس کو مار دو۔ اس کے بعد کوئی دوسرا ثبوت کو سامنے لائے گا۔ اس کو بھی جندہ مت چھوڑو۔"

سنجنا نے کہا۔ "ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ وہ کل کے بعد پھر کبھی ہمارے سامنے نہیں آئے گا۔ چھپ کر دھمکیاں دیتا رہے گا پھر ہم پچھتاتے رہیں گے کہ اسے ہاتھ سے جانے کیوں دیا۔"

شرمانے پوچھا۔ "تم بھی یہی چاہتی ہو کہ اسے ختم کر دیا جائے؟ ثبوت کو اہمیت نہ دی جائے؟"

"ثبوت کی اہمیت رہے گی۔ اس کے بعد کوئی دوسرا ان ثبوت کو لے کر ہم سے سودے بازی کرے گا۔ ہم اسے منہ مانگی قیمت دے کر وہ چیزیں حاصل کرلیں گے۔ وہ دوسرا بلیک میل کرنے والا چشم دید گواہ نہیں ہوگا۔ اس سے ہمیں خطرہ نہیں رہے گا۔"

ان کے سامنے یہ اہم مسئلہ تھا کہ وہ چشم دید گواہ ایک ہی بار سامنے آئے گا پھر روپوش ہو جائے گا تو اسے تلاش نہیں کرپائیں گے۔ اس کی موت کے بعد وہ ثبوت یا تو کہیں چھپے رہ جائیں گے یا پھر انہیں سامنے لانے والے کسی دوسرے شخص سے دوسری طرح نمٹ لیا جائے گا۔

بہرحال انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ دوسرے دن شام کو گاندھی گارڈن میں اسے گولی مار دی جائے۔ شرمانے کہا۔ "بھاٹیہ! گارڈن کے ساتھ ہی ایک چار منزلہ عمارت ہے۔ تم وہاں چھپ کر اس کا نشانہ لے سکتے ہو۔ یہ اندازہ کرلو کہ وہ عمارت اس ریسٹورنٹ سے کتنے فاصلے پر ہے۔ لانگ رینج رائفل اور ٹیلی اسکوپ کے ذریعے اسے گولی ماری جاسکتی ہے۔"

بھاٹیہ نے کہا۔ "ہمارے پاس اسلحے کی کمی نہیں ہے۔ میں اس بلڈنگ سے اس کا نشانہ لے سکوں گا۔ وہ ایک بار ہمارے سامنے آرہا ہے۔ میں اسے دوسری بار چھپنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

سنجنا نے کہا۔ "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ثبوت لا رہا ہو۔"

"یہ اور اچھی بات ہوگی۔ ہم حکم دیتا ہوں۔ ثبوت ملتے ہی اس کو گولی مار دو۔"

شرمانے کہا۔ "میں اس ریسٹورنٹ میں جاؤں گا۔ بھاٹیہ! تم اس بلڈنگ سے مجھے دیکھتے رہو گے۔ میں کبیر سے پوچھوں گا کہ وہ ثبوت لایا ہے یا نہیں اگر وہ صرف بلیک میل کرنے آئے گا اور اس کے پاس ثبوت نہیں ہوگا تو میں اس میز سے اٹھ کر دونوں ہاتھوں

سے سر کھجاتا ہوا جاؤں گا۔ یہ اشارہ پاتے ہی تم اسے گولی مار دو گے۔"

وہ سب اسے گولی مارنے کے آخری فیصلے پر متفق ہو گئے۔ دوسری طرف کبیر نے بھی فیصلہ کیا تھا کہ ان سے ٹکرانا ہی ہوگا۔ اس کے پاس مال و زر کی کمی نہیں تھی۔ وہ اپنی دولت کے ذریعے بیٹی کو اور ہونے والے داماد کو اس شہر سے دور یا اس ملک سے باہر بھی بھیج سکتا تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ پنکی کی سختی سے نگرانی ہو رہی ہوگی۔ اسے شہر باہر نہیں جانے دیا جائے گا۔

پھر تین دن کے بعد اس کی گڑیا دلہن بننے والی تھی۔ وہ دشمن اس کی خوشیاں چھین سکتے تھے۔ اس کی شادی میں رکاوٹیں پیدا کرسکتے تھے۔ بیٹی پہلے ہی باپ سے بدظن تھی۔ اس سے نفرت کرتی تھی۔ آئندہ اس سے اور زیادہ نفرت کرنے والی تھی کیونکہ اسی کی وجہ سے اس کی تمام خوشیاں چھین لی جاتیں اور باپ کے روپوش ہونے کے باعث پتہ نہیں وہ کیسے کیسے مصائب میں مبتلا ہوتی رہتی۔

ان حالات میں کبیر کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ ان سے ٹکرا جائے۔ وہ پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ لوگ کس طرح ثبوت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ان سے سودا کرنا چاہتا تھا۔ ان سے کہنا چاہتا تھا کہ پہلے اس کی بیٹی کی شادی ہونے دی جائے پھر بیٹی اور داماد کو ملک سے باہر جانے دیا جائے۔ اس کے بعد وہ تمام ثبوت ان کے حوالے کر دے گا۔

وہ اس معاملے کے ہر پہلو پر غور کر رہا تھا۔ یہ پہلو بھی سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ ریسٹورنٹ میں صرف سودے بازی کرنے جائے گا اور ثبوت لے کر نہیں جائے گا تو وہ اسے وہاں سے جا کر دوبارہ چھپنے کا موقع نہیں دیں گے۔ اسے ضرور گولی مار دیں گے۔

دیکھنا یہی تھا کہ ان کے لئے ثبوت اہم ہیں یا ایک چشم دید گواہ کی موت اہم ہے۔ اگر وہ اسے گولی مارنا چاہتے ہیں تو وہ ثبوت کبھی ان کے حوالے نہیں کرے گا۔ اس نے سیٹھ دھنی رام کے فون کے ذریعے ان مکینک اور الیکٹریکل انجینئر سے رابطہ کیا۔ پتہ چلا کہ دو روز پہلے انجینئر ایک حادثے میں مارا گیا ہے۔ مکینک نے کہا۔ "کبیر! تم نے بڑے دنوں کے بعد فون کیا ہے۔ کیا وہ زیورات فروخت کر چکے ہو؟"

کبیر نے کہا۔ "پہلے میری بات کا جواب دو۔ میں نے تمہیں اپنی بیٹی کے اکاؤنٹ

میں جمع کرانے کے لئے دس لاکھ روپے دیئے تھے۔ تم نے جمع کیوں نہیں کرائے؟"

"ذرا عقل سے سوچو۔ تمہارے پاس لاکھوں روپے کے زیورات ہیں۔ ان میں ہمارا حصہ ہے۔ جب تک وہ حصہ نہیں ملے گا' تمہارے دس لاکھ روپے ضمانت کے طور پر میرے پاس رہیں گے۔"

"میں نے وہ دس لاکھ بیٹی کے لئے دیئے تھے۔ تم نے وہ رقم لیتے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ اسے ضمانت کے طور پر اپنے پاس رکھو گے۔ میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ ہمارے درمیان لین دین میں بے ایمانی نہیں ہونی چاہئے۔ کوئی بھی دھوکا کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔"

"میں نے دھوکا نہیں کیا ہے۔ تمہارے دس لاکھ میرے پاس ہیں۔ زیورات میں سے حصہ دو گے تو یہ دس لاکھ تمہیں ملیں گے ورنہ اس رقم کو بھول جاؤ۔"

"کیسے بھول جاؤں؟ ایک بڑی واردات کرنے والا ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ کچھ ٹیکنیکل پرابلم ہیں۔ انہیں تم ہی دور کر سکتے ہو۔ میں اس سلسلے میں تمہیں ابھی پچیس لاکھ روپے ایڈوانس دے سکتا ہوں۔ میں ان دس لاکھ روپوں کو بھی بھول جاؤں گا۔ تم کل ایک دن کے لئے آ جاؤ۔ میری رہنمائی کرو پھر دہلی واپس چلے جانا۔"

"میں آ سکتا ہوں۔ پچیس لاکھ کب دو گے؟"

"کل ہی دوں گا اور کیش دوں گا۔ کل شام پانچ بجے گاندھی گارڈن میں ملاقات کرو۔ وہاں ریسٹورنٹ کی ایک میز میری بیٹی کے نام سے ریزروڈ ہوگی۔ وہاں میری بیٹی بیٹھی ہوگی۔"

"کیا تم وہاں نہیں ہو گے؟"

"میں روپوش ہوں۔ میری بیٹی تمہیں میرے پاس لے آئے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل بنارس آؤں گا۔ شام کو اس گارڈن کے ریسٹورنٹ میں تمہاری بیٹی سے ملاقات کروں گا مگر یاد رکھو۔ پہلے پچیس لاکھ روپے کیش لوں گا پھر تمہیں ٹیکنیکل پرابلم کے سلسلے میں مشورہ دوں گا۔"

"میں لین دین میں کھرا ہوں۔ یہ تم دیکھ چکے ہو۔ کل ٹھیک وقت پر وہاں پہنچ

جانا۔"

کبیر نے رابطہ ختم کیا پھر فون پر وکی کو مخاطب کیا۔ اس سے پوچھا۔ "کیا پنکی نے ان دشمنوں سے بات کی تھی؟ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہ تو یہی چاہتے تھے۔ کل شام کو وہ آپ سے گارڈن میں ملنے ضرور آئیں گے۔"

"پنکی کو تاکید کر دینا کہ وہ وقت کی پابندی کرے۔ اپنے نام سے ریزرو کی ہوئی میز پر جا کر بیٹھ جائے۔ وہاں مجھ سے پہلے ایک اجنبی آئے گا۔ وہ چاہے گا کہ اسے پنکی اسے میرے پاس پہنچا دے۔ پنکی اسے باتوں میں الجھائے گی۔ یہ کہے گی کہ پہلے وہ اس کے ساتھ چائے پیئے گی پھر اس کو میرے پاس پہنچائے گی۔"

"انکل! یہ کیا چکر ہے؟"

"میں تمہیں بعد میں سمجھاؤں گا۔ پنکی سے کہو۔ جیسا میں کہہ رہا ہوں' ویسا ہی کرتی رہے۔ میں کسی وقت چھپ کر تمہارے پاس آؤں گا۔ مجھے موبائل فون کی ضرورت ہے۔ تم سے فون لے جاؤں گا۔ انہوں نے پنکی کو رابطے کے لئے کئی فون نمبرز دیئے ہیں۔ تم مجھے وہ تمام نمبر نوٹ کرا دینا۔ میں آج رات کسی وقت آؤں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔

☆======☆======☆

بھاٹیہ شنکر نے اسی دن اس عمارت کے ایک فلیٹ کو کرائے پر حاصل کیا تھا۔ وہاں کی ایک کھڑکی سے وہ اوپن ائر ریسٹورنٹ پوری طرح نظر آتا تھا۔ اس نے رائفل کے ٹیلی اسکوپ سے ایک آنکھ لگا کر دیکھا۔ کئی میزوں پر مرد' عورتیں اور بچے نظر آ رہے تھے۔ وہ چار ریزرو کی ہوئی میزیں خالی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان میں سے ایک ٹیبل پنکی کے لئے ریزروڈ تھی۔

پانچ بجنے سے دو منٹ پہلے پنکی وہاں آ کر بیٹھ گئی۔ بھاٹیہ نے ٹارگٹ لینس کے ذریعے دیکھتے ہوئے پنکی کے سامنے والی کرسی کا نشانہ درست کیا۔ اسے یقین تھا کہ کبیر اس کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھے گا۔

وہ انتظار کرنے لگا۔ اس کے ساتھ سنجنا کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم نیچے جاؤ۔ کار میں بیٹھو۔ جیسے ہی فائرنگ کی آواز سنائی دے' کار کو اسٹارٹ کر کے میرا انتظار

کرنا۔ میں دوڑتا ہوا آؤں گا۔ ہم یہاں سے فرار ہونے میں دیر نہیں کریں گے۔"

سنجنا ایک دوربین سے ریسٹورنٹ میں بیٹھی پنکی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "پنکی کے پاس صرف کبیر نہیں ہوگا۔ شرما بھی ہوگا۔ سوچ سمجھ کر نشانہ لینا۔"

"تم جانتی ہو' میرا نشانہ کبھی نہیں چُوکتا۔ میں فوج میں رہ چکا ہوں۔ اناڑی نہیں ہوں۔ تم جاؤ۔"

وہ چلی گئی۔ پانچ بج چکے تھے۔ بھاٹیہ نے ٹیلی اسکوپ کے ذریعے دیکھا۔ وہاں ایک شخص نظر آیا۔ اس نے پنکی سے کچھ کہا پھر وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بھاٹیہ کو یقین ہو گیا کہ وہ کبیر ہے۔

وہ مکینک تھا۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پنکی سے کہا۔ "میں تمہارے باپ کا دوست ہوں۔ اس نے تمہیں بتایا ہوگا کہ میں یہاں آنے والا ہوں۔ وہ جہاں بھی ہے' تم مجھے اس کے پاس لے جاؤ گی۔"

پنکی نے کہا۔ "میں وہاں لے جاؤں گی۔ ابھی ذرا ریسٹ لو۔ چائے پیو پھر چلیں گے۔"

اس نے ویٹر کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا پھر بولی۔ "تم کون ہو؟ میرے پاپا سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"کیا تمہارے پاپا نے میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"بتایا ہوتا تو تم سے نہ پوچھتی؟"

"سوری جب تمہارے باپ نے تمہیں نہیں بتایا ہے تو میں کیسے بتا سکتا ہوں۔"

"نہ بتانے کے باوجود میں سمجھ گئی ہوں۔ میرے باپ نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے۔ کوئی چوری ڈکیتی کا معاملہ ہوگا۔ تم بھی صورت سے چور دکھائی دیتے ہو۔"

"تم میری انسلٹ کر رہی ہو۔ میں چور نہیں ہوں۔"

ویٹر نے آکر چائے کی ٹرے رکھی پھر وہاں سے چلا گیا۔ مکینک نے کہا۔ "مجھے یاد رہا ہے۔ ایک بار تمہارے باپ نے کہا تھا کہ تم اس سے نفرت کرتی ہو۔"

"میری نفرت سے نہ میرے باپ کا کچھ بگڑے گا اور نہ تمہارا۔ میں تم جیسے لوگوں سے کوسوں دور رہنا چاہتی ہوں مگر میرا محبوب وکی مجھے پاپا کے کام آنے کے لئے مجبور کر

رہتا ہے۔"

وہ دونوں چائے پی رہے تھے۔ ایسے وقت انیل شرما وہاں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا پھر اس مکینک کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "کمال کے بہروپئے ہو۔ قریب سے دیکھنے پر بھی پہچانے نہیں جا رہے ہو۔"

مکینک نے کہا۔ "میں کوئی بہروپیا نہیں ہوں۔ بائے دا وے........ آپ کون ہیں؟"

"اچھا۔ پچھلی ملاقات بھول گئے۔ میں اور شنکر بھاٹیہ ہوٹل میں تمہارے پاس آئے تھے۔ بہرحال کام کی بات کرو۔ کیا وہ ثبوت لائے ہو؟"

مکینک نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیسا ثبوت؟"

پھر اس نے پنکی سے پوچھا۔ "یہ شخص کون ہے؟ کیا تم اسے پہچانتی ہو؟"

پنکی نے کہا۔ "مسٹر شرما! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ یہ میرے پاپا نہیں ہیں۔ یہ میرے پاپا سے ملنے آئے ہیں لیکن وہ شاید کسی سے نہیں ملیں گے۔ انہوں نے پتہ نہیں کیوں آپ کو یہاں بلایا ہے۔"

شرما نے چونک کر کہا۔ "وہ مجھے یہاں بلا کر خود نہیں آ رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے' ہمارے خلاف کوئی چال چل رہا ہے۔"

وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ شنکر بھاٹیہ کو بتانا چاہتا تھا کہ نہ ثبوت مل رہا ہے اور نہ ہی پنکی کے سامنے بیٹھنے والا شخص کبیر ہے۔

اس نے وہاں سے پلٹ کر جاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر کھجاتے ہوئے سگنل دیا۔ سگنل ملتے ہی بھاٹیہ نے ٹارگٹ لینس سے ایک آنکھ لگائی پھر ٹریگر دبا دیا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ گولی اس مکینک کو لگی۔ وہ چائے پیتے پیتے میز پر اوندھا ہو گیا۔ میز پر رکھی ہوئی کیتلی اور پیالیوں کے ساتھ نیچے فرش پر گر پڑا۔ پنکی نے ایک چیخ ماری۔ وہاں سے اٹھ کر بھاگنے لگی۔

کبیر کو اطمینان تھا کہ اس کی بیٹی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس ریسٹورنٹ میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ سبھی اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ انیل شرما وہاں سے چلتا ہوا ریسٹورنٹ کے واش روم میں آگیا۔ وہ وہاں سے فارغ ہو کر

جانا چاہتا تھا۔ ایسے وقت کوئی واش روم میں نہیں تھا۔ سب وہاں سے بھاگ رہے تھے۔ صرف داڑھی مونچھوں والا ایک شخص تھا۔ اس کے سر پر ایک فیلٹ ہیٹ تھی۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔ اس نے ایک ریوالور نکال کر کہا۔ "تم مجھے چہرے سے نہیں میری آواز سے پہچان لو۔ تم نے ابھی جسے قتل کرایا ہے' وہ ایک بے ایمان تھا۔ اس نے لین دین میں مجھ سے دھوکا کیا تھا۔ اس کی سزا اس سے مل چکی ہے۔"

وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا۔ "کا......... کبیر......... تت......... تم؟ دیکھو گولی نہ چلانا۔ پچھتاؤ گے۔"

"نہیں پچھتاؤں گا۔ سائیلنسر لگا ہوا ہے۔ آواز یہاں سے باہر نہیں جائے گی۔ تم سب کتے ہو۔ میں جانتا تھا میرے قتل کا سامان کیا گیا ہوگا۔ جیسے ہی وہ ثبوت تمہارے حوالے کروں گا' مجھے گولی مار دی جائے گی۔"

"کیا تم سمجھتے ہو' مجھے قتل کرنے کے بعد تم زندہ رہو گے؟ تم تو کیا تمہاری بیٹی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔"

کبیر نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ "میں اپنی بیٹی کی خاطر تمہاری لنکا میں آگ لگا دوں گا۔ اتر پردیش کی سرکار کو ہلا کر رکھ دوں گا۔ ابھی تم جاؤ' تمہارے پیچھے دوسرے بھی آئیں گے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ٹریگر دبایا۔ فائرنگ کی پھسپھسی سی آواز نکلی۔ شرما کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ دیدے پھیل گئے۔ وہ فرش پر گر پڑا۔ کبیر اس ریوالور کو اپنے لباس میں چھپاتا ہوا وہاں سے باہر آیا۔ دور اس عمارت کو دیکھنے لگا جہاں سے گولی چلائی گئی تھی۔ یہ سمجھنے والی بات تھی کہ اب کوئی گولی چلانے والا وہاں موجود نہیں ہوگا۔

وہ گارڈن سے باہر جانے لگا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ایسے تمام دشمنوں کو ختم کر دے گا جو اس کی بیٹی کی شادی میں رکاوٹیں بن رہے تھے۔ وہ ان سب کو پہچانتا تھا۔ واردات کی رات انہیں سونالی کے بیڈروم میں دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے ایک شرما کو ابھی ختم کر چکا تھا۔ سنجنا اور شنکر بھاٹیہ کو ٹھکانے لگانے کے بعد منسٹر پانڈے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ یہ کھل کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ سونالی کے بیڈروم سے نقدی اور زیورات چرانے والا کبیر ہے۔ ایسا کہنے سے اس کا بھی محاسبہ کیا جاتا۔

ایک سیدھا سا راستہ یہ بھی تھا کہ وہ چاقو اور نکٹائی پولیس کے حوالے کر دیتا۔ منسٹر پانڈے کے خلاف چشم دید گواہ بن جاتا لیکن ایسا کرنے سے اسے چوری کا مال واپس کرنا پڑتا جبکہ چوری کی تمام رقم اس کے پاس نہیں رہی تھی۔ اس رقم سے تگڑا حصہ لے کر جانے والے مکینک اور الیکٹریکل انجینئر مر چکے تھے۔

وہ سرکاری گواہ نہیں بن سکتا تھا اور نہ ہی چوری کی تمام رقم واپس کر سکتا تھا۔ اب یہی راستہ رہ گیا تھا کہ سنجنا اور شنکر بھاٹیہ کو بھی کسی طرح ٹھکانے لگا دے۔

ادھر سنجنا اور شنکر بھاٹیہ مطمئن ہو گئے تھے کہ اس چشم دید گواہ کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا ہے۔ سنجنا کار ڈرائیو کرتی ہوئی اپنی کوٹھی میں آئی۔ شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ کار سے اترتی ہوئی بھاٹیہ سے بولی۔ "اندر آؤ۔ پینے کا وقت ہو چکا ہے۔ ہم ایک پیگ پینے کے بعد پانڈے کو کبیر کی موت کی خوش خبری سنائیں گے۔ کم آن۔"

وہ دونوں کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں آئے۔ سنجنا نے وہسکی کی بوتل کھولی۔ دو جام بنائے۔ چیئرز کہہ کر جام ٹکرائے پھر ایک ایک گھونٹ پینے لگے۔ سنجنا نے کہا۔ "میں نے شرما سے کہا تھا' گارڈن سے سیدھا یہاں آ جائے پھر ہم تینوں منتری جی کے پاس جائیں گے۔ یہ منتری بھی اُلو کا پٹھا ہے۔ ایسے جاہل لوگ ہماری سرکار چلاتے ہیں۔ ہمیں اس سے لاکھوں روپے ملتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہم اس کی حماقتیں برداشت کرتے ہیں۔ اس بار تو اس نے بہت بڑی حماقت کی ہے۔"

شنکر بھاٹیہ نے کہا۔ "وہ جیسی بھی حماقت کرے۔ ہمیں نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم تو ملازم ہیں' ایک منسٹر کے احکامات کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔"

وہ دوسرا پیگ بناتے ہوئے بولی۔ "مگر بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ یہ شرما جی کہاں رہ گئے ہیں' ابھی تک کیوں نہیں آئے؟"

شنکر بھاٹیہ نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے پھر دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ "شرما جی کے موبائل سے جواب نہیں مل رہا ہے۔"

سنجنا نے منتری پانڈے سے رابطہ کیا پھر بولی۔ "ہیلو پانڈے! کبیر کا قصہ تمام ہو چکا ہے۔ ہم نے چشم دید گواہ کو مٹا دیا ہے۔ ہمیں انعام ملنا چاہئے۔"

"تم سے کتنی بار کہا ہے' ہمرا نام نہ لیا کرو۔ ہم انپھار میشن منسٹر ہوں۔ ہم کو منتری

جی کہا کرو۔"

"تم دیس کے لئے اور جنتا کے لئے منتری ہو مگر ایک رکھیل کے لئے ننگے ہو اور ننگے ہی رہو گے۔ اتنا ہی کافی ہے کہ میں دوسروں کے سامنے تمہیں منتری جی کہتی ہوں۔ شرما اور بھاٹیہ تو ہمارے بھیدی ہیں۔ ہم سب ایک ہی حمام میں ننگے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے تم پی رہی ہو۔ ہم کہہ چکا ہوں' ہمرے پاس آنے سے پہلے مت پیا کرو۔"

"میں ہمیشہ تمہارا حکم مانتی ہوں مگر آج کامیابی کی خوشی میں دو پیگ لے رہی ہوں۔ اس کے بعد تمہارے پاس آ کر پیوں گی۔ ہم نے آدھا پہاڑ کاٹ کر تمہارے سر سے گرا دیا ہے۔ آج میں تمہارے ساتھ جشن.........."

وہ اپنی بات پوری نہ کر سکی۔ اسے یک بارگی چپ لگ گئی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ شنکر بھاٹیہ نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ تم مجھے گھور کر کیوں دیکھ رہی ہو؟"

وہ جواب نہ دے سکی۔ ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ اوندھے منہ سنٹر ٹیبل پر گر پڑی۔ اس کی پشت پر لباس لہو سے بھیگ رہا تھا۔ تب بھاٹیہ کو پتہ چلا کہ اس کے پیچھے کھڑکی کے باہر سے کسی نے گولی چلائی ہے۔ وہ ریوالور نکال کر دوڑتا ہوا کوٹھی کے باہر آیا۔ محتاط انداز میں چھپتا ہوا اس کھڑکی کی طرف گیا۔ وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ پچھلے حصے کی طرف آیا۔ وہاں بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔ گولی چلانے والا پتہ نہیں کس طرف گیا تھا۔ بھاگنے والے کے لئے کئی راستے تھے۔ بھاٹیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کدھر جائے اور کدھر نہ جائے؟

وہ دوڑتا ہوا کوٹھی میں آیا۔ سنجنا کی لاش سنٹر ٹیبل پر اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ وہ ذرا دور کھڑا اسے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا پھر اس نے نیچے پڑے ہوئے ریسیور کو ایک رومال سے پکڑ کر اٹھایا۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔ اس نے منتری پانڈے کا نمبر ری ڈائل کیا۔ رابطہ ہونے پر بولا۔ "میں ہوں بھاٹیہ۔"

پانڈے نے پوچھا۔ "سنجنا بولتے بولتے چپ کیوں ہو گئی؟ کیا وہ زیادہ پی گئی ہے؟"

"منتری جی! غضب ہو گیا۔ کسی نے سنجنا کو گولی مار دی ہے۔"

"یہ کیا بک رہے ہو۔ ابھی وہ ہم سے بول رہی تھی۔ اتنی جلدی گولی بھی لگ گئی

اور مر بھی گئی۔"

"کھڑکی کے باہر سے کسی نے گولی چلائی تھی۔ میں اس نامعلوم قاتل کو تلاش کر رہا تھا مگر وہ فرار ہو گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا' کس نے اس پر گولی چلائی ہے۔"

"ہم تو سنکٹ میں پڑتا جا رہا ہوں۔ سالی بہت بولتی تھی۔ مر گئی.......... مگر مصیبت بن گئی۔ سب ہم سے پوچھیں گے.......... وہ ہمری سیکرٹری تھی۔ اس کو کس نے گولی مار دی؟ ہم کیا جواب دیں گے؟"

"منتری جی! نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ نہ اس قتل کے ذمے دار ہیں۔ میں پولیس کو اس مرڈر کی اطلاع دے رہا ہوں۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"تم جو بھی کرو۔ ہمرے اوپر کوئی بات نہیں آنی چاہئے۔ وہ منہ پھٹ تھی' ہمری عجت نہیں کرتی تھی۔ اس کے مرنے سے آنند بھی آ رہا ہے اور چنتا بھی ہو رہی ہے۔"

بھاٹیہ نے فون بند کر کے ریسیور کو اسی طرح فرش پر رکھ دیا۔ اپنا خالی جام اٹھا کر واش روم میں گیا۔ اسے اچھی طرح دھونے کے بعد ڈرائنگ روم میں واپس آیا پھر اس نے شراب کی بوتلوں سے بھری ہوئی کیبنٹ کو کھول کر دوسرے گلاسوں کے ساتھ اس گلاس کو بھی رکھ دیا۔

اس نے اپنے رومال سے اس کیبنٹ کے ہینڈل کو صاف کیا پھر موبائل فون نکال کر اس کے ذریعے پولیس کو اطلاع دی۔ "میں انفارمیشن منسٹر دھرمانند پانڈے کا پرسنل باڈی گارڈ بول رہا ہوں۔ منتری جی کی پرسنل سیکرٹری ساریکا سنجنا کو کسی نے اس کی کوٹھی میں قتل کر دیا ہے۔ میں یہاں ڈرائنگ روم میں اس کی لاش کے پاس موجود ہوں۔ پلیز آپ فوراً چلے آئیں۔"

اس نے دوسری طرف سے جواب سن کر فون بند کر دیا۔ پولیس والوں کا انتظار کرنے لگا۔ ایسے ہی وقت اس کے موبائل کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگایا پھر کہا۔ "یس۔ شنکر بھاٹیہ سپیکنگ۔"

دوسری طرف سے کبیر نے کہا۔ "تم مجھے آواز سے پہچان سکتے ہو۔ تم نے چہرہ پہچاننے میں غلطی کی' میری جگہ دوسرے کو گولی سے اڑا دیا۔ ابھی میں تمہیں قتل کرنے آیا تھا لیکن تم ایسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ میں کھڑکی سے تمہارا نشانہ نہیں لے سکتا تھا۔

تمہاری چنڈال چوکڑی میں ایک ایک کو ختم کرنا ہے۔ اس لئے ساریکا کو لڑھکا کر آیا ہوں۔ شرما کو پہلے ہی جہنم میں پہنچا دیا ہے۔ اب اپنی باری کا انتظار کرو۔"

کبیر نے فون بند کر دیا۔ اس نے ہیلو ہیلو کر کے آوازیں دیں پھر اپنا موبائل بند کر کے غصے سے سوچنے لگا۔ اسے کبیر سے دھوکا کھانے پر غصہ آ رہا تھا پھر چند گھنٹوں کے اندر سنجنا اور شرما مارے گئے تھے۔ اب کبیر اسے چیلنج کر رہا تھا۔ اس کے جنون سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ اسے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اس نے پھر موبائل کے ذریعے منتری پانڈے سے رابطہ کیا اور کہا۔ "منتری جی! بہت بری خبر سنا رہا ہوں۔ ہمارا دشمن کبیر زندہ ہے۔ اس کے دھوکے میں کوئی دوسرا مارا گیا ہے۔"

"تم لوگ کیا بک بک کر رہے ہو؟ وہ بولتی رہی کہ کبیر مر گیا ہے۔ تم بول رہے ہو وہ جندہ ہے۔ کیا ہم کو پاگل سمجھتے ہو؟ ایک بات پہ اٹل کیوں نہیں رہتے؟"

"منتری جی! میری بات سچ ہے۔ اس نے صرف سنجنا کو ہی نہیں، ہمارے شرما جی کو بھی مار ڈالا ہے۔ اب وہ مجھے چیلنج کر رہا ہے۔ یہ اچھا ہے۔ ایک بار مجھے گولی مارنے آئے گا تو اسے پتہ چلے گا کہ کس پہاڑ سے ٹکرانے آیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں جانے دوں گا۔"

"ارے تم ایک سانس میں کیا کیا بولتے جا رہے ہو؟ کیا اس نے ہمرے شرما جی کو مار ڈالا ہے؟ ہمرے پولیٹکل ایڈوائجر کو لم لیٹ کر دیا ہے۔ ارے ای کیا ہو رہا ہے؟"

"منتری جی! انٹیلی جنس والے آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ سوالات کی بھرمار کر دیں گے کہ آپ کا ایسا کون سا دشمن پیدا ہو گیا ہے جس نے ایک ہی دن میں آپ کی پرسنل سیکرٹری کو اور آپ کے پولیٹکل ایڈوائزر کو مار ڈالا ہے۔"

"یہی تو ہم سوچ رہا ہوں۔ وہ انٹیلی جنس والے الٹے سیدھے سوال کرتے کرتے سونالی کی ہتیا تک پہنچ جائیں گے۔ ہمرے منہ سے کوئی بات پھسل جائے گی تو وہ بات پکڑ لیں گے۔ ہم تو بہوت سنکٹ میں پڑ گیا ہوں۔"

"آپ راج نیتک معاملات میں فولادی دماغ رکھتے ہیں۔ شانت رہ کر ٹھنڈے دماغ سے جواب دیتے رہیں گے تو آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ میں یہاں پولیس والوں سے

نمٹنے کے بعد آپ کے پاس آؤں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ پولیس والے آ گئے تھے۔

☆======☆======☆

دوسرے دن کے اخبارات میں فرنٹ پیج پر یہ خبر شائع کی گئی کہ انفارمیشن منسٹر دھرمانند پانڈے کی پرسنل سیکرٹری اور پولیٹکل ایڈوائزر کی ہتیا کی گئی ہے۔ منتری پانڈے ان دونوں کی ہتیا پر بہت پریشان اور خوفزدہ ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ راج نیتک سازش ہے۔ سازش کرنے والے ان کی بھی ہتیا کر سکتے ہیں۔ منتری دھرمانند پانڈے کے لئے زبردست سیکیورٹی انتظامات کئے گئے ہیں۔

پانڈے نے خود کو اپنی کوٹھی میں قید کر لیا تھا۔ سیکیورٹی فراہم کرنے والوں سے کہہ دیا تھا کہ بار بار انٹیلی جنس والوں کو اس کے پاس آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس کے پرسنل سیکیورٹی گارڈ شنکر بھاٹیہ کے سوا کوئی اس کوٹھی کے اندر نہیں آئے گا۔

وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے بھاٹیہ سے کہا۔ "ہمری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ چور کی اولاد چاہتا کیا ہے۔ اس کے پاس ہمرے کھلاپھ دو ثبوت ہیں۔ وہ ثبوت کو اوپر والوں تک پہنچا سکتا ہے۔ ہم کو ہمری کرسی سے نیچے گرا سکتا ہے۔ ہمرے گلے میں پھندا ڈال سکتا ہے مگر وہ ایسا نہیں کر رہا ہے۔ وہ ہم کو چھوڑ کے تم لوگوں سے دشمنی کر رہا ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کیا تمری بدھی میں کچھ آ رہا ہے؟"

"میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ شاید کبیر کے پاس آپ کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سنجنا اور شرما نے اسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ وہ سونالی کے مرڈر کے وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ ہم نے غلط اندازہ لگایا تھا۔"

"تو پھر وہ سسرا تم لوگوں سے دشمنی کیوں کر رہا ہے؟"

"ہم نے اسے دھمکی دی تھی کہ اس نے وہ ثبوت ہمارے حوالے نہ کئے تو ہم اسے گولی مار دیں گے۔ کل شام اس نے گاندھی گارڈن میں بڑی چالاکی سے یہ یقین کیا ہے کہ واقعی ہم اپنی دھمکی پر عمل کرتے ہیں۔ ہم نے یہ بھی دھمکی دی تھی کہ اس کی بیٹی کو تباہ و برباد کر دیں گے۔"

"کیا تم لوگ گدھے کے بچے ہو؟ اس کو دشمن بنا کر ہم کو مصیبت میں ڈال رہے ہو؟"

"ہم نے غلطی سے اسے اپنا دشمن جا لیا ہے۔ اب وہ سنجنا اور شرماجی کی ہتیا کر کے مجھ کو دھمکی دے رہا ہے۔ میں نے اسے گولی مارنے کی کوشش کی تھی اور دھوکا کھا گیا تھا۔ اب دھوکا کھاؤں گا یا اس سے سمجھوتا کرنے اور دوستی کرنے کی توقع کروں گا تو وہ مجھے گولی مار دے گا۔ میں اسے یہ موقع نہیں دوں گا۔ میرے کچھ خاص لوگ اسے تلاش کر رہے ہیں۔"

"وہ ڈھونڈنے سے کہاں ملے گا؟ یہ ماملا کب کھتم ہو گا؟"

"آپ مجھے باہر جانے کی اجازت دیں۔ اسے چوہے کے بل سے نکالنے کا ایک راستہ ہے۔ میں آج رات تک اس کا قصہ تمام کر دوں گا۔"

"تم باہر جا کے کیا کرو گے؟ کیا اس کو آواج دو گے تو وہ تمری گولی کھانے آ جائے گا؟"

"میں ابھی بتا نہیں سکتا کہ کیا کر گزروں گا۔ آپ مجھے کم از کم بارہ گھنٹے کی چھٹی دیں۔"

"ہم کو جرا سوچنے دو۔ سنجنا اور سرمانے ایک بھول کی اور بیٹھے بیٹھے ایک پاگل کھونی درندے کو دسمن بنا لیا۔ تم بھی کوئی بھول کرو گے۔ ہم کو پھر سنکٹ میں ڈالو گے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ پلیز آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔"

"اب تو ہم اپنے باپ کے اوپر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ہم کو جرا سوچنے دو پھر تم کو یہاں سے جانے کی آگیا دوں گا۔"

شنکر بھاٹیہ خاموش رہا۔ اس کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ دوپہر کو کبیر نے پھر فون پر اسے مخاطب کیا اور پوچھا۔ "کیا میری دھمکی سن کر موت نظر آ رہی ہے؟ اس بدمعاش منتری کی گود میں چھپ کر بیٹھ گئے ہو۔"

"میں تمہاری بات کا برا نہیں مانوں گا۔ میری ایک بات کا جواب دو۔ تمہارے پاس منتری جی کے خلاف ثبوت موجود ہیں۔ تم ان ثبوت کو سامنے نہیں لا رہے۔ ہمیں باری باری قتل کرنے کا خطرہ مول لے رہے ہو۔ کیا بتا سکتے ہو کہ ایسا کیوں کر رہے ہو؟"

"کیا سیدھی سی بات سمجھ نہیں آتی؟ میں پولیس والوں کے لفڑے میں پڑوں گا تو مجھے چوری کا تمام مال واپس کرنا پڑے گا اور میں یہ گھاٹے کا سودا نہیں کروں گا۔"

"اوہ......... اب سمجھ آیا۔ اگر یہ بات ہمیں پہلے کہہ دیتے تو ہم تم سے دشمنی نہیں کرتے۔"

"دشمنی کیلیے نہیں کرتے؟ کیا ایک چشم دید گواہ کو زندہ چھوڑ دیتے؟ مجھے نادان بچہ نہ سمجھو۔ تم نے دھمکی دی تھی کہ ثبوت نہ ملنے پر مجھے گولی مار سکتے ہو اور تم نے اس دھمکی پر عمل کیا تھا۔ میں اپنی چالبازی سے بچ گیا۔ تم نے دوسری دھمکی دی تھی کہ میری بیٹی کو تباہ و برباد کر دو گے لیکن میں ایسا وقت آنے سے پہلے ہی تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

بھاٹیہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری باتوں سے یقین ہو گیا ہے کہ نہ تم کبھی ثبوت پیش کرو گے اور نہ کبھی منتری جی کو نقصان پہنچاؤ گے۔ رہ گئی میری بات تو میں اگر موت سے ڈرتا تو کبھی سیکیورٹی گارڈ نہ بنتا۔ ہم تو دن رات موت سے کھیلتے رہتے ہیں۔"

"تو پھر منتری جی کی کوٹھی میں کیوں چھپے ہو؟"

"میں باہر آؤں گا۔ مرد ہو تو مقابلے کی جگہ اور وقت مقرر کرو۔ میں سینہ تان کر آؤں گا۔"

"مردانگی کا طعنہ دے کر میرے اندر جوش پیدا نہ کرو۔ میں ہوش میں رہتا ہوں اور میں چور ہوں۔ سپاہی کی طرح سینہ تان کر نہیں رہتا۔ تم نے چھپ کر میری ڈمی کو گولی ماری تھی۔ میں بھی چھپ کر تمہاری مردانگی سمیت تمہیں خاک میں ملا دوں گا۔"

"کون جانتا ہے کہ ہم میں سے کون خاک میں ملے گا۔ میں آج کسی وقت کوٹھی سے باہر آؤں گا۔ ہمارے درمیان موت کی آنکھ مچولی ہو گی۔ ہم میں سے جو پہلے اپنے ٹارگٹ کو دیکھ لے گا' وہی پہلی گولی چلائے گا۔ وہی میدان مارے گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ منتری پانڈے نے پوچھا۔ "وہ کیا کہہ رہا تھا؟ کیا ہمرے کھلاپھ جو ثبوت ہے' اس کو سامنے نہیں لائے گا؟ کیا ہم سے دوستی کرے گا؟"

"نہ دوستی کرے گا' نہ دشمنی کرے گا۔ وہ آپ کے خلاف اگر قانونی کارروائی کرے گا تو پولیس اسے سرکاری گواہ بنائے گی مگر اس سے چوری کا تمام مال لے لے گی۔ اس

نے لاکھوں کروڑوں کی چوری کی ہے۔ وہ اتنی بڑی رقم واپس نہیں کرے گا۔"

پانڈے نے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں بات سمجھ میں آتی ہے۔ سسرا بہوت چالاک ہے۔ لالچی بھی ہے۔ اب ہماری چِنتا دور ہو گئی ہے۔ اُو ہمرے کھلاپھ کبھی کچھ نہیں کرے گا۔"

"اب آپ کو اطمینان ہو گیا ہے۔ اس کی دشمنی صرف ہم سے تھی۔ اس نے سنجنا اور شرماجی کو مار ڈالا ہے۔ اب موت میری طرف آئے گی یا پھر اسی کی طرف پلٹ جائے گی۔"

"ہم نہیں چاہوں گا کہ تم مرجاؤ۔ تم ہمرے بہوت بہادر رکھشک ہو۔ اس کے منہ لگنے کی کیا جرورت ہے؟ یہاں ہمرے پاس رام نام لو اور آرام سے جندہ رہو۔"

"میں ہمیشہ چھپ کر نہیں رہوں گا۔ آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ راج نیتک معاملات میں باہر جایا کریں گے۔ میں آپ کا پرسنل گارڈ ہوں۔ مجھے بھی آپ کے ساتھ باہر نکلنا ہی پڑے گا۔ وہ کہیں سے چھپ کر مجھ پر گولی چلائے گا تو وہ گولی آپ کو بھی لگ سکتی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ تمرے نام کی پھالتو گولی ہم کو لگے گی۔ اس سے پہلے تم جاؤ۔ اس سسرے کو گولی مار کے آؤ۔ پتا نہیں ہمرے بھاگ میں کیا لکھا ہے؟ وہ چور ہمرے کھلاپھ کچھ نہیں کرے گا پھر اِدھر اُدھر موت دکھائی دینے لگتی ہے۔ ارے جاؤ ہمرے سر پر کیوں سوار ہو؟ اس سسرے کی گولی ادھر بھی آ سکتی ہے۔ جاؤ رام نام جپتے ہوئے جاؤ۔"

وہ ایڑیاں بجا کر سلیوٹ کرنے کے بعد پلٹ کر چلا گیا۔

کبیر ایک کمرے میں بیٹھا سر جھکائے سوچ رہا تھا۔ دن گن رہا تھا۔ "آج جمعرات ہے۔ کل جمعہ اور پرسوں ہفتہ ہے۔ اس کے بعد سنڈے کو میری بیٹی دلہن بن کر چرچ جائے گی۔ اس سے پہلے شنکر بھاٹیہ کو ختم کرنا ہوگا۔ ورنہ وہ شادی میں رکاوٹیں پیدا کرے گا۔"

کبیر کو اس کی موت کے بعد ہی اطمینان ہو سکتا تھا کہ اب اس کی بیٹی کسی رکاوٹ کے بغیر دلہن بن کر چرچ جائے گی۔ وہ بھی آزادی سے وہاں جا کر بیٹی کو دعائیں دے سکے گا۔

ایسے وقت یہ اندیشہ اس کے اندر مستحکم ہو رہا تھا کہ منتری پانڈے اپنے تین

رازداروں کی موت برداشت نہیں کرے گا۔ وہ ضرور جوابی کارروائی کرے گا بلکہ کر رہا ہوگا۔ اس کے دل سے یہ اندیشہ نہیں نکلے گا کہ میں چشم دید گواہ ہوں اور کسی وقت بھی اسے نقصان پہنچا سکتا ہوں۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ جب تک وہ دو ثبوت اس کے پاس محفوظ رہیں گے تب تک پانڈے اندیشے میں مبتلا رہے گا اور یوں مبتلا رہ کر وہ اس کے خلاف ضرور کچھ کرتا رہے گا۔ جب اس کے خلاف کچھ نہیں کر پائے گا تو اس کی بیٹی کے پیچھے پڑ جائے گا۔

کبیر نے انکار میں سر ہلا کر سوچا۔ "یہ سوچنا ہی حماقت ہے کہ وہ منتری میرے خلاف کچھ نہیں کرے گا۔ وہ تو شیطان ہے۔ اس کے سیاسی نیتا اور دوست دھیرج لال چوپڑا نے اسے منسٹر بنایا اور اس نے دوست کے اعتماد کو دھوکا دیا۔ اس کے بیوی سونالی پر ڈورے ڈالے پھر اس کے سیکیورٹی افسر بھاٹیہ نے سونالی کو گولی مار دی۔ یہ سب شیطان ہیں' ان میں سے کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔"

وہ ٹہلنے لگا اور سوچنے لگا۔ منتری پانڈے کے اطراف سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے۔ وہ اس کوٹھی میں گھس کر اسے قتل نہیں کر سکتا تھا۔ بیٹی کے دلہن بننے سے پہلے ان سب کو ٹھکانے لگانا ضروری تھا اور وقت بہت کم رہ گیا تھا۔

وہ سیٹھ دھنی رام کے ایک اسٹور روم میں چھپا رہتا تھا۔ اسٹور روم میں بہت سا غیر ضروری سامان پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک پرانے صندوق کو کھول کر ایک کاغذ کا بنڈل نکالا پھر اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں منتری پانڈے کی نکٹائی رکھی ہوئی تھی اور ایک پلاسٹک کی تھیلی میں کھلا ہوا چاقو دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ان ثبوت کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک آخری فیصلے پر پہنچ رہا تھا۔

☆======☆======☆

آدھی رات گزر گئی تھی۔ دھیرج لال چوپڑا اپنے بیڈروم میں جاگ رہا تھا۔ سامنے دیوار پر سونالی کی ایک بڑی سی مسکراتی ہوئی تصویر لگی ہوئی تھی۔ تصویر ایسی جگہ تھی کہ رات کو سونے سے پہلے اور صبح جاگنے کے بعد اسی پر نظر پڑتی تھی۔

وہ اس کا دیوانہ تھا۔ اپنے ہم عمر ساتھیوں کی محفل میں بیٹھ کر بڑے فخر سے کہتا تھا۔ "میں نے سونالی جیسی محبت کرنے والی وفادار دھرم پتنی پائی ہے۔ پہلی پتنی کے دیہانت کے بعد میں نے دس برس تک شادی نہیں کی تھی۔ بچے جوان ہو گئے۔ انہیں امریکہ بھیج دیا لیکن میرے بھاگ میں سونالی لکھی ہوئی تھی۔ ایک دن وہ میری زندگی میں آگئی۔ میں نے اسے کئی طرح سے آزمایا ہے۔ وہ میری دولت و شہرت کی لالچی نہیں ہے۔ دل و جان سے میری دیوانی ہے۔"

وہ ایک راج نیتک دل کا نیتا تھا۔ اس دل کے سیاسی لیڈروں کو الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ دیا کرتا تھا۔ الیکشن میں جیتنے والوں کو اونچی سے اونچی کرسیوں پر بٹھایا کرتا تھا۔ اس لئے سب اس کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے۔ جو سونالی کی آوارگی کو جانتے تھے' وہ بھی اس نیتا کے سامنے سونالی کے گن گایا کرتے تھے۔ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ دھیرج لال چوپڑا اپنے سیاسی لیڈروں کی زبان کو زبانِ خلق سمجھنے لگا تھا۔

ایک تو خود اسے سونالی میں کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی۔ دوسرے واہ واہ کرنے والے بے شمار تھے۔ اس لئے اس کے دل اور دماغ میں ایک وفادار سونالی کا بت بن گیا تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ اس دیوی کی پوجا کرنے لگا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس سے کہا کرتا تھا۔ میں تمہارے قاتلوں کو معاف نہیں کروں گا۔ انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسران اور تجربے کار جاسوس دن رات اس کی کھوج میں ہیں۔ میں اسے پھانسی کے تختے پر پہنچا کر

رہوں گا۔ تب ہی تمہاری آتما کو شانتی ملے گی۔

اس رات وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھا پی رہا تھا۔ سونالی کی تصویر کو بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا اور کبھی کبھی زیرلب بڑبڑا رہا تھا۔ اس کا بیڈروم دوسری منزل پر تھا۔ پیچھے وہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی جہاں سے کبیر واردات کی رات فرار ہوا تھا۔ اسی کھڑکی سے وہ پھر اندر آیا۔ اندر آنے پر آہٹ سی ہوئی۔ چوپڑا نے سر گھما کر پیچھے دیکھا پھر ایک دم سے گھبرا کر بولا۔ "کون ہو تم؟"

کبیر کے ہاتھ میں ایک سائیلنسر لگا ریوالور تھا۔ "آپ سہولت سے باتیں کریں گے اور شور نہیں مچائیں گے تو میں دوست ہوں۔ ورنہ اپنی سلامتی کے لئے دشمن بھی بن سکتا ہوں۔"

کبیر دھمکی نہ دیتا تب بھی وہ شور نہ مچاتا۔ اتنی عقل تھی کہ وہ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی چلا کر اسے بڑی خاموشی سے ہلاک کرے گا اور جس طرح چھپ کر آیا ہے' اسی طرح چھپ کر چلا جائے گا۔

وہ کبیر کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کبیر کی پشت سے ایک بیگ بندھا ہوا تھا۔ اس نے بیگ اتار کر فرش پر رکھا پھر اس سے کچھ فاصلے پر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "جس رات سونالی کا قتل ہوا اس رات میں اس بیڈروم میں چھپا ہوا تھا۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "تم؟ تم میری سونالی کے قاتل ہو؟"

"میں قاتل نہیں ہوں۔ آپ میری بات کا یقین کریں یا نہیں کریں۔ میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"تم سچ کہو گے تو یقین کروں گا۔ بتاؤ میری سونالی کا قاتل کون ہے؟"

"میں یہی بتانے آیا ہوں۔ آپ آرام سے بیٹھے رہیں۔ گلاس میں جتنی شراب رہ گئی ہے۔ اسے رہنے دیں ورنہ نشہ زیادہ ہو گا تو آپ میری باتیں پوری طرح سمجھ نہیں پائیں گے۔"

وہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ میرا اصل چہرہ نہیں ہے۔ بھیس بدل کر آیا ہوں۔ یہاں سے جاؤں گا تو پھر کبھی آپ مجھے دیکھ کر پہچان نہیں سکیں گے۔"

اس نے پوچھا۔ "باہر سخت سیکیورٹی ہے۔ تم اندر کیسے آ گئے؟"

"اس رات بھی جدید الیکٹرانک آلات کے ذریعے سیکیورٹی کے سخت انتظامات تھے لیکن میں تمام انتظامات کو ناکارہ بنا کر یہاں چوری کرنے آیا تھا۔"

اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کمرہ ایک بہت بڑی تجوری ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی دولت نہیں دیکھی۔ جتنی وہاں تھی اور ایسا مشکل دروازہ بھی نہیں دیکھا۔ اسے کھولنے میں دو گھنٹے صرف ہوئے تھے۔ آپ کی اس تجوری نے مجھے کروڑ پتی بنا دیا ہے۔"

"میں تمہیں اتنی ہی دولت اور دوں گا اور تمہیں سزا سے بھی بچاؤں گا۔ مجھے قاتل کا نام اور پتہ بتا دو مگر ثبوت کے ساتھ۔ تم کہتے ہو۔ واردات کے وقت یہاں موجود تھے۔ ثبوت کے بغیر کوئی تمہیں بے گناہ تسلیم نہیں کرے گا۔"

کبیر نے بیگ کھول کر اس میں سے ایک کاغذ کا بنڈل نکالا پھر کہا۔ "میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ ثبوت پیش نہیں کروں گا تو قاتل کہلاؤں گا۔"

اس نے کاغذ کے بنڈل کو کھول کر اس کے سامنے سنٹر ٹیبل پر رکھا۔ پلاسٹک کی تھیلی کے اندر سے ایک چاقو دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک نکٹائی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے نکٹائی کو ایک چٹکی میں پکڑ کر اسے دکھایا پھر پوچھا۔ "آپ اس نکٹائی کو پہچانتے ہیں؟"

دھیرج لال چوپڑا نے اسے غور سے دیکھا۔ آنکھوں کے سامنے وہ نکٹائی گھڑی کے پنڈولم کی طرح ہل رہی تھی۔ وہ بولا۔ "ایسی ایک نکٹائی میرے پاس ہے۔"

"آپ ذہن پر زور ڈال کر یاد کریں۔ ایسی کتنی نکٹائی آپ کے پاس ہیں۔ کیا آپ کے منتری منڈل میں اور کوئی منتری ایسی نکٹائی پہنتا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ "میرا ایک دوست ہے۔ میں نے اسے انفارمیشن منسٹر بنایا ہے۔ میں نے ایسی ایک نکٹائی اسے تحفے کے طور پر دی تھی۔ اس نے انفارمیشن منسٹر کے عہدے کا حلف لیتے وقت وہ نکٹائی پہنی تھی۔ میرے اس دوست منسٹر کا نام دھرمانند پانڈے ہے۔"

"اسی دھرمانند پانڈے اور اس کے سیکیورٹی افسر شنکر بھاٹیہ نے سونالی کی ہتیا کی

ہے۔"

اس نے چونک کر اسے بے یقینی سے دیکھا اور کہا۔ "نہیں۔ یہ......... کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ میرا بہترین دوست ہے۔ ہمارے راج نیتک دل میں میرا رائٹ ہینڈ ہے۔ میرا وفادار ہے۔ وہ میرے بھروسے کا خون نہیں کرے گا۔ تم اس کے خلاف کیوں بول رہے ہو؟ کیا تمہارا تعلق اپوزیشن پارٹی سے ہے؟"

"میں ایک چور ہوں۔ چور سیاست داں نہیں ہوں۔ سیاست داں چور ہوتے ہیں۔ مجھے آپ کے وفادار دوست سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ آپ کا رائٹ ہینڈ ہے یعنی ایک مضبوط سیدھا ہاتھ ہے۔ سیاست میں کون سیدھا ہوتا ہے۔ دیکھنے میں سب سیدھے دکھائی دیتے ہیں مگر اپنی غرض کے لئے اپنے باپ کو بھی الٹا دیتے ہیں۔ آپ ایک بہت بڑے راج نیتک دل کے نیتا ہیں۔ آپ اپنی پارٹی کے کتنے ہی نیتاؤں کو قلابازیاں کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے سیاسی فائدے کی خاطر پارٹیاں بدلتے ہیں۔ آپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے راج نیتک دل میں چلے جاتے ہیں۔ کیا ایسے وقت آپ نہیں سمجھتے کہ آپ اپنی آستین میں سانپ پالتے رہتے ہیں۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں یہ سب آستین کے سانپ ہوتے ہیں۔ انہیں منتری بنانے یا کوئی اعلیٰ عہدہ دینے کا وعدہ نہ کرو تو یہ برسوں کی دوستی اور تعلقات کو ٹھکرا کر دوسری پارٹی میں چلے جاتے ہیں۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میرا دوست منتری پانڈے آستین کا سانپ ہے۔"

"جی ہاں۔ میں آپ سے یہی کہنے آیا ہوں۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ اس نے مجھ سے دشمنی کی ہے جبکہ میں نے اس کی دوستی نباہی ہے' اسے ایک منسٹر کی کرسی دی ہے۔ وہ میرا احسان مند ہے۔ مجھ سے کیوں دشمنی کرے گا؟"

"آپ نے اسے تاج پہنایا ہے۔ تخت پر بٹھایا ہے لیکن ہوس بری بلا ہے۔ مرد ہوس زدہ ہو کر تاج و تخت کے احسانات کو بھول جاتا ہے۔ وہ آپ کی دھرم پتنی سونالی کے ساتھ منہ کالا کرنے اس بیڈ روم میں آیا تھا۔"

وہ حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے بولا۔ "یوشٹ اپ بلڈی فول۔ تم میری سونالی پر کیچڑ

اچھال رہے ہو۔"

کبیر نے ریوالور سے اس کا نشانہ لیا۔ وہ بولتے بولتے ایک دم سے چپ ہو گیا۔ اس نے بڑی سفاکی سے کہا۔ "شور مچا کر گارڈز کو بلاؤ گے تو یہ ریوالور شور نہیں مچائے گا۔ آپ بہت بڑے نیتا ہیں۔ میں آپ کی عزت کر رہا ہوں۔ آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ کی زندگی میں جو سچ ہے' وہ بولوں گا۔ آپ کی آستین میں جتنے سانپ ہیں' انہیں باہر نکالوں گا پھر یہاں سے چپ چاپ چلا جاؤں گا۔"

وہ چپ رہ کر بے بسی سے ریوالور کو دیکھ رہا تھا۔ کبیر نے کہا۔ "اس پلاسٹک کی تھیلی میں جو چاقو دکھائی دے رہا ہے' اس پر منسٹر پانڈے کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔ لیبارٹری کی رپورٹ سے میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ اس نکٹائی کو آپ پہچان چکے ہیں۔"

دھیرج لال چوپڑا نے کہا۔ "ایسی نکٹائی میرے اور پانڈے کے پاس ہے۔ دوسروں کے پاس بھی ہوگی۔ یہ نکٹائی پانڈے کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔"

"جب لیبارٹری کی رپورٹ سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ چاقو پر منتری پانڈے کی انگلیوں کے نشانات ہیں تو پھر اس چاقو کے ساتھ پائی جانے والی نکٹائی بھی اسی کی ہوگی۔ نکٹائی آپ نے اسے دی تھی' کم از کم آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ پانڈے اس بیڈ روم میں آیا تھا۔"

دھیرج لال چوپڑا سوچتی ہوئی نظروں سے چاقو اور نکٹائی کو دیکھنے لگا۔ کبیر نے کہا۔ "آپ کی آستین کا سانپ منتری پانڈے ہے۔ اس کے خلاف ثبوت پیش کر رہا ہوں۔ آپ کی آستین کی دوسری ناگن سونالی ہے۔ وہ آپ کے اعتماد کو دھوکا دے کر شراب کے نشے میں منتری پانڈے کو اپنی مرضی سے یہاں لائی تھی۔"

چوپڑا نے غصے سے تلملا کر اس کے ریوالور کو دیکھا پھر کہا۔ "یہ ریوالور میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ابھی تمہیں گولی مار دیتا۔ تم میری ستی ساوتری جیسی پتنی کی توہین کر رہے ہو۔ اسے بدنام کر رہے ہو۔"

"آپ نے اس کی اتنی بڑی تصویر دیوار پر لگا رکھی ہے۔ اس ستی ساوتری کو دن رات دیکھتے رہتے ہوں گے اور آہیں بھرتے رہتے ہوں گے۔ میرے پاس اس کی بے

حیائی کے ٹھوس ثبوت نہیں ہیں لیکن آپ حالات کا تجزیہ کر سکتے ہیں کہ اس رات منسٹر پانڈے اس بیڈ روم میں کیوں آیا تھا۔ جس چاقو سے سونالی کو زخم لگا ہے' اس پر پانڈے کی انگلیوں کے نشانات کیوں ہیں؟"

اس نے بیڈ روم کے ایک پارٹیشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس پارٹیشن کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ مجھے اس لئے چھپنا پڑا کہ وہ اچانک اس دروازے سے آ رہے تھے اور میرے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے وہاں سے چھپ کر دیکھا۔ سونالی نشے میں تھی۔ پانڈے کے ساتھ ہنستی بولتی یہاں آئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے راضی تھے۔ آپ اس کے دوست ہیں تو یہ جانتے ہوں گے کہ پانڈے تشدد پسند ہے۔ جب وہ جنون میں مبتلا ہونے لگا تب سونالی کا نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ گھبرا گئی۔ اس سے پیچھا چھڑانے لگی۔ دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ آپ اپنے بیڈ روم کے اس چاقو کو پہچان سکتے ہیں۔"

چوپڑا نے پلاسٹک میں لپٹے ہوئے چاقو کی طرف دیکھا۔ کبیر نے کہا۔ "یہ چاقو پھلوں کی ٹرے پر رکھا ہوا تھا۔ سونالی نے اپنے بچاؤ کے لئے اسے اٹھا لیا۔ ان کے جھگڑے کے دوران چاقو پانڈے کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس کے باوجود سونالی اس پر غالب آ رہی تھی۔ ایسے وقت پانڈے کے سیکیورٹی گارڈ نے یہاں آ کر سونالی کو گولی مار دی۔"

وہ اس رات ہونے والے قتل کی واردات کی ایک ایک تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔ "آپ سونالی کی بے وفائی کا یقین کریں یا نہ کریں۔ جو سچ ہے' وہ میں نے کہہ دیا ہے۔ میں اتنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی نگرانی میں اس چاقو کو لیبارٹری پہنچائیں۔ سچ معلوم کریں اور منتری پانڈے کو قرار واقعی سزا دلائیں۔"

"تم اتنے دنوں کے بعد اسے سزا دلانے کے لئے یہ ثبوت لائے ہو۔ تمہیں تو بہت پہلے آنا چاہئے تھا۔"

"میں پولیس والوں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ زیورات اور کروڑوں روپے واپس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ آپ کی دولت ہے۔ آپ کے منہ پر کہہ رہا ہوں۔ میں قاتلوں کو اور آستین کے سانپوں کو بے نقاب کروں گا مگر چرایا ہوا ایک پیسہ بھی واپس نہیں کروں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا۔ "میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ پولیس والوں کی طرح مجھ سے مال واپس نہیں لے سکیں گے اور نہ ہی میرے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں گے۔"

اس نے میز پر سے شراب کا گلاس اٹھا کر کہا۔ "آدھا گلاس رہ گیا ہے۔ اسے پی لیں۔"

چوپڑا نے اسے لے کر پیا پھر اسے خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ کبیر نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر رسیوں کا ایک بنڈل نکالا۔ چوپڑا نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

کبیر نے کہا۔ "آپ دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر رکھ کر بیٹھے رہیں۔ میں آپ کو یہاں باندھ کر جاؤں گا ورنہ میرے اس کمرے سے جاتے ہی آپ شور مچانا شروع کر دیں گے۔"

وہ اسے رسیوں سے باندھنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ.......... یہ اچھا نہیں کر رہے ہو۔ میری انسلٹ کر رہے ہو۔ میں شور نہیں مچاؤں گا۔ کسی گارڈ کو نہیں بلاؤں گا۔ ایسی حرکتوں سے میری توہین نہ کرو۔"

وہ اسے باندھتے ہوئے بولا۔ "توہین نہیں ہوگی۔ آپ کو اس بند کمرے میں کوئی دیکھنے نہیں آئے گا۔ میرے جانے کے بعد آپ ان رسیوں سے خود کو آزاد کرا سکیں گے۔ میں نے آپ کے آدھے جسم اور دونوں ہاتھوں کو باندھا ہے مگر دونوں پاؤں کھلے رکھے ہیں۔ میرے جانے کے بعد آپ کرسی سمیت جھک کر اپنے دونوں پیروں سے اچھل اچھل کر بیڈ روم کی اس کارنر ٹیبل تک جا سکیں گے۔"

وہ سنٹر ٹیبل پر سے ٹیلی فون اٹھا کر اس کارنر ٹیبل کے پاس آیا۔ اس نے فون کو وہاں رکھا پھر ایک چاقو نکال کر وہیں فرش پر رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کے یہاں پہنچنے تک میں اس کوٹھی سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ آپ یہاں پہنچ کر یہ چاقو اٹھا سکیں گے۔ رسی کو کاٹ سکیں گے اور اپنے منہ سے ٹیپ ہٹا کر چیخ چیخ کر گارڈز کو بلا سکیں گے اور فون پر کسی سے بھی رابطہ کر سکیں گے۔"

اس نے ایک بڑا سا ٹیپ چوپڑا کے منہ پر چپکا دیا پھر کہا۔ "اس رات یہاں پانڈے کے تین رازدار تھے۔ ساریکا سنجنا' انیل شرما اور شنکر بھاٹیہ۔ میں چوری کرنے کے بعد خود

کو اس معاملے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لئے اتنے دنوں تک خاموش رہا تھا لیکن پانڈے کے وہ تینوں رازدار مجھ سے دشمنی کرنے لگے۔ یہ اہم ثبوت مجھ سے مانگنے لگے۔ میں سونالی کے مرڈر کا چشم دید گواہ ہوں۔ وہ مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے۔ اس سے پہلے میں نے ساریکا اور انیل شرما کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ ایک شنکر بھاٹیہ سے نمٹنا رہ گیا ہے۔ میں اسے بھی ٹھکانے لگا دوں گا۔ میں اپنے دشمنوں کو زندہ نہیں چھوڑتا مگر آپ کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہاں سے جا رہا ہوں۔ امید ہے آپ لیبارٹری رپورٹ کے مطابق پانڈے کو پھانسی کے تختے تک پہنچائیں گے۔ شبھ راتری۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا پھر باہر جھانک کر دیکھنے لگا۔ چوپڑا کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ کبیر کھڑکی سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے باہر جا کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا پھر کھڑکی کے نچلے حصے میں غروب ہو گیا۔

چوپڑا نے سر گھما کر سامنے دیوار پر سونالی کی بڑی سی تصویر کو دیکھا۔ وہ خوش فہمی میں مبتلا رہا کرتا تھا' کبھی اس پر شبہ نہیں کرتا تھا مگر اب اعتماد کی راکھ تلے سے شبہے کی چنگاریاں ابھرنے لگیں۔ ایک بار ایک تقریب میں اپوزیشن کے ایک لیڈر نے اسے کہا تھا۔ "گھوڑی کو اصطبل میں باندھ کر نہ رکھا جائے تو وہ آزاد رہ کر کسی بھی سوار کے پاس چلی جاتی ہے۔ ہمارے سامنے سونالی کی پارسائی کے گن نہ گاؤ۔"

اس وقت چوپڑا نے یہی سمجھا تھا کہ وہ اپوزیشن لیڈر ہے۔ اس کی سیاسی برتری پر جلتا کڑھتا ہے اس لئے اسے سونالی کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ اب وہ موجودہ حالات میں سونالی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔

سوچ یہ تھی کہ پانڈے عیاش ہے لیکن وہ سونالی کی مرضی کے بغیر یہاں نہیں آیا ہوگا۔ وہ ایک منسٹر ہے۔ اس کے دل میں یہ ڈر ہوگا کہ سونالی کی مرضی کے خلاف اسے ہاتھ لگائے گا تو میں اسے کرسی سے گرا دوں گا۔ وہ سونالی کی مرضی سے ہی یہاں آیا ہوگا۔

وہ سونالی کا دیوانہ تھا۔ اس حد تک تجزیہ کرنے کے باوجود یہ یقین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ پانڈے کی طرح وہ بھی آستین کا سانپ تھی۔ اس نے اس کی بڑی سی مسکراتی ہوئی تصویر کو دیکھا۔ وہ محبت کی' وفا کی دیوی دکھائی دے رہی تھی۔ سانپ کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہوتے ہیں جو آستین میں چھپ کر ڈستے رہتے ہیں اور کبھی ظاہر نہیں

ہوتے۔ ان کا زہر ایک نشے کی طرح مدہوش رکھتا ہے۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں جو آستین سے نکل کر ڈسنا چاہتے ہیں تو فوراً ہی ان کا سر کچل دیا جاتا ہے۔

چوپڑا نے سوچا۔ لیبارٹری کی رپورٹ پانڈے کے خلاف ہوگی تو میں اس سانپ کا سر کچل دوں گا۔ وہ میری پارٹی میں ہے۔ میری دی ہوئی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ سانپ کو جتنا بھی دودھ پلاؤ' وہ کسی نہ کسی دن ڈس ہی لیتا ہے۔

وہ سونالی کے خلاف نہیں سوچ رہا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر ڈستی رہی تھی۔ اسے اپنے زہر کا عادی بناتی رہی تھی۔ اب وہ ہمیشہ اس کی آستین میں وفا کی دیوی بن کر اسے مدہوش کرتی رہے گی اور وہ مدہوش ہوتا رہے گا۔

وہ کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ اٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے دونوں پاؤں فرش پر ٹکا دیئے پھر آگے کی طرف جھکتا ہوا کرسی کو اپنی پشت پر اٹھاتا ہوا دونوں پیروں پر کھڑا ہو گیا پھر اچھل اچھل کر ٹھہر ٹھہر کر کارنر ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیلی فون اور فرش پر پڑے ہوئے چاقو کی طرف جانے لگا۔

☆======☆======☆

پنکی دوپہر سے وکی کے ساتھ تھی۔ پرسوں شادی ہونے والی تھی۔ اس کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی مگر کچھ پریشان بھی تھی۔ وکی نے کہا۔ "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ہماری شادی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔ تمہارے پاپا دشمنوں کو اچھا سبق سکھا رہے ہیں۔"

"کیا خاک سکھا رہے ہیں؟ دشمنی اور بڑھا رہے ہیں۔ اوہ گاڈ! میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے بالکل قریب کسی کو گولی کھا کر مرتے دیکھا ہے۔ میرے تو ہوش اڑ گئے تھے۔"

"تم خود سوچو۔ تمہارے پاپا چالاکی نہ دکھاتے تو اس شخص کی جگہ خود مارے جاتے۔"

"پہلے میں پاپا سے نفرت کرتی تھی' اب خوفزدہ رہنے لگی ہوں۔ ان کے سر پر خون سوار ہوگیا ہے۔ وہ دو قتل کر چکے ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں' ایسا کرنے سے دشمن کم ہو جائیں گے؟"

"ہاں۔ صرف تین ہی دشمن تھے۔ وہ کھل کر تمہارے پاپا سے دشمنی نہیں کر سکتے ہیں۔ ان کی کمزوریاں تمہارے پاپا کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان دشمنوں سے اپنے آپ کو اور تم کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ خونریزی پر مجبور ہو گئے ہیں۔ تمہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ تمہاری خاطر خطرات سے کھیل رہے ہیں۔"

"میں نے انہیں چوری کرنے اور اتنے اونچے لوگوں کو دشمن بنانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ وہ چوری نہ کرتے اور قتل کے چشم دید گواہ نہ بنتے تو ہم پر کوئی مصیبت نہ آتی۔ وہ مجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں۔ وہ دشمنوں کو نہیں ماریں گے تو دشمن انہیں مار ڈالیں گے۔ یہ ان کی ذاتی جنگ ہے۔"

"تمہارے اندر زہر بھر گیا ہے۔ شاید یہ زہر کبھی نہیں نکل سکے گا۔ تم اپنے باپ کی بے لوث محبت کو کبھی نہیں سمجھ سکو گی۔ تم ناقابل علاج ہو۔"

وہ باپ کی حمایت میں بیٹی سے بحث کرتا رہتا تھا مگر اسے قائل کرنے میں ناکام رہتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ شاپنگ کرتی رہی۔ گھومتی پھرتی رہی پھر ایک ریسٹورنٹ میں رات کا کھانا کھا کر گھر واپس آئی۔ دروازہ کھول کر بولی۔ "تم یہیں سے واپس جاؤ۔ اندر نہ آؤ۔"

"اندر کیوں نہ آؤں۔ میں تمہیں بازوؤں میں لے کر پیار کروں گا پھر جاؤں گا۔"

"نہیں۔ پرسوں ہماری شادی ہے۔ اس وقت تک میں تمہیں ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔"

"ایسا ظلم نہ کرو۔ حسرت لے کر جاؤں گا تو ترستا رہوں گا۔ یہ دل تمہارے لئے مچلتا رہے گا۔"

"یہی تو میں چاہتی ہوں۔ مجھے چھونے اور حاصل کرنے کی آرزو شدید ہوتی رہے۔ پرسوں جب دلہن بن کر آؤں تو تم دیوانے کی طرح مجھے پیار دیتے رہو۔"

وہ مکان کے اندر آنے کے لئے خوشامدیں کرنے لگا لیکن پنکی نے اسے بڑی محبت سے بھگا دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اسے ٹیکسی میں بیٹھ کر جاتے دیکھتی رہی۔ جب ٹیکسی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے اندر آ کر دروازے کو بند کر لیا۔ وہ سے گنگناتی ہوئی سنگار میز کے آئینے کے سامنے آئی پھر اپنے روبرو خود کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ وکی کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ اس کے حسن کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔ کبھی زبان سے کرتا تھا' کبھی خاموشی

سے کرتا تھا۔ اس کا ہر انداز پیار کے پہلے سبق کی طرح ازبر ہو جاتا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک آئینے کے سامنے کھڑی کھٹی میٹھی باتیں سوچتی رہی' شرماتی رہی۔ مسکراتی رہی پھر دروازے پر دستک سن کر چونک گئی۔ اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا پھر دل ہی دل میں کہا۔ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ دو دن صبر نہیں کر سکتا۔ پرسوں ہی ہماری شادی ہے۔

اس نے دروازے کے پاس آ کر بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔ "تم مجھے نہیں چھوڑو گے۔ پریشان کرتے رہو گے مگر تم اندر آؤ گے تو میں باہر چلی جاؤں گی۔ تم مجھے ستاؤ گے تو میں بھی تمہیں ستاؤں گی۔"

اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے وکی نہیں تھا۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص کھڑا تھا۔ پنکی نے اسے ایک بار روبرو دیکھا تھا پھر اپنی ممی کے پاس اس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ اس کا سوتیلا باپ تھا۔

وہ حیرانی سے پیچھے ہٹ کر بولی۔ "آپ؟"

وہ مسکرا کر اندر آتے ہوئے بولا۔ "تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔ تم نے مجھے پہچان لیا ہے۔ میں ادھر کام سے آیا تھا۔ سامنے گلی میں میری کار کھڑی ہوئی ہے۔ میں نے وہاں سے تمہیں دیکھا تھا۔ جب تم اس مکان میں آئیں تو سمجھ گیا کہ تم ہی روزی کی بیٹی ہو۔ بائی گاڈ۔ بہت بدل گئی ہو۔ کلی سے پھول بن گئی ہو۔"

وہ قریب آ گیا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "مجھے خبر ملی تھی کہ رُوزی اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ سن کر بڑا افسوس ہوا۔"

وہ اپنے شانے پر سے اس کا ہاتھ ہٹا کر ایک قدم پیچھے گئی پھر بولی۔ "آپ کو میری ممی کی موت پر صرف افسوس ہوا اور کچھ نہیں؟ آپ نے ان کی موت کے بعد میری خبر نہیں لی۔ جھوٹے منہ سے ہمدردی کرنے بھی نہیں آئے۔ کیا ایسی ہی بے مروتی دکھانے کے لئے آپ نے ممی سے شادی کی تھی؟"

"شادی؟" اس نے تعجب سے کہا۔ "یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ میں نے تمہاری ماں سے شادی کی تھی؟"

"میری ممی نے مجھ سے کہا تھا اور ممی کبھی جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔"

"ہر بیٹی اپنی ماں کے بارے میں یہی رائے رکھتی ہے۔ میں نے تمہاری ماں سے کہا تھا کہ پہلے وہ تمہارے باپ سے طلاق لے پھر مجھ سے شادی کرے مگر تمہارا باپ تمہیں بہت چاہتا تھا۔ اس نے تمہاری ماں کو طلاق نہیں دی۔ تمہیں سن کر برا لگے گا' تمہاری ماں نے اس کے ساتھ بڑا فراڈ کیا تھا۔ طلاق نہ ملنے کے باوجود مجھ سے ملتی رہی۔ مجھ سے اچھی خاصی رقمیں وصول کرتی رہی۔ تم نے ایک بار مجھے اس کے ساتھ دیکھا پھر تم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ وہ میرے ساتھ ازدواجی زندگی کیوں نہیں گزار رہی ہے۔"

"ممی نے کہا تھا آپ یورپ چلے گئے ہیں۔ وہاں کاروبار کر رہے ہیں۔ وہاں سے ہمارے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ بڑی بڑی رقمیں بھیجتے ہیں۔ امی نے ان لاکھوں روپے سے کاٹیج انڈسٹری قائم کی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تمہاری ماں نے تو مجھے حاتم طائی بنا دیا ہے۔ میں نے اس پر مشکل سے پچیس تیس ہزار روپے خرچ کئے ہوں گے۔ پتہ نہیں تمہاری ماں اتنی بڑی بڑی رقمیں کہاں سے لاتی رہی۔ شاید میری طرح دوسروں کو بھی اُلّو بناتی ہوگی۔"

"یو شٹ اپ! میری ممی کے لئے ایسی باتیں مت کرو۔ وہ بے شرم نہیں تھی۔"

"پھر اس شرم والی نے لاکھوں روپے کہاں سے حاصل کئے؟ وہ تو تمہارے باپ کو چھوڑ کر دہلی سے یہاں آ گئی تھی۔ اگر وہ بے شرم نہیں تھی تو ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمہارا باپ واردات کرتا تھا اور تمہارے لئے بڑی بڑی رقمیں بھیجتا تھا۔"

اس کا سر گھومنے لگا۔ اب اس کے سامنے دو حقائق تھے۔ یا تو وہ تسلیم کرتی کہ باپ سچا ہے۔ محبت کرنے والا ہے۔ بیٹی کی خاطر اتنی رقمیں بھیجتا رہا تھا کہ ایک کاٹیج انڈسٹری قائم کرنے کے بعد بھی اس کی ماں کے بینک اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے پڑے رہتے تھے۔ یہ لاکھوں روپے ایک محبت کرنے والے باپ نے دیئے ہیں یا پھر ماں کی بے حیائی سے کمائے گئے ہیں۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی۔ اس نے قریب آ کر اس کے دونوں بازوؤں کو سختی سے جکڑ لیا تھا۔ اس سے کہہ رہا تھا۔ "روزی بہت سمجھدار تھی۔ تمہارے لئے اچھا خاصا کما گئی ہے۔ میں نے آٹھ برس پہلے تمہیں دیکھا تھا۔ اس وقت فتنہ تھیں۔ اب قیامت بن گئی ہو۔ تم تو ماں سے زیادہ دولت حاصل کر سکتی ہو۔"

اس نے کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ تڑپ کر خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا حرکت ہے؟ تمہیں شرم نہیں آتی۔ میں تمہاری بیٹی کے برابر ہوں۔"

"نہ میں نے تمہاری ماں سے شادی کی تھی نہ تم میری بیٹی ہو اور تمہاری جیسی ماؤں کی بیٹیاں نہ کسی کی بہن ہوتی ہیں نہ بیٹیاں!"

اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ وہ نکل نہیں پا رہی تھی۔ وہ چیخ کر بولی۔ "ذلیل کمینے! میری چیخیں سن کر محلے والے آئیں گے پھر تجھے جوتے ماریں گے۔"

"میں جوتے کھانے سے پہلے تمہاری ماں کی ہسٹری انہیں سناؤں گا۔ دنیا والے پوچھیں گے جب تمہاری ماں نے تمہارے باپ سے طلاق لی تھی تو دوسری شادی کب کی تھی؟ میں تو اس کا دوسرا شوہر اور تمہارا سوتیلا باپ نہیں ہوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا کر الگ ہو گئی۔ ہانپتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اچھی طرح سوچ لو۔ تم بیان دو گی کہ ماں نے تمہارے باپ سے طلاق لی تھی۔ میں بیان دوں گا کہ میں نے اس بدچلن عورت سے شادی نہیں کی تھی۔ تمہاری ماں نے کال گرل بن کر تمہاری پرورش کی ہے اور لاکھوں روپے کمائے ہیں۔"

پنکی نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔ روتے ہوئے بولی۔ "ایسا مت کہو۔ میری ماں کو اتنی بڑی گالی نہ دو۔ اب میں سمجھ گئی ہوں۔ پاپا میری خاطر ممی کو لاکھوں روپے دیتے رہے ہیں۔ ممی بے شرم نہیں ہیں۔ بدچلن نہیں ہیں۔"

اس نے آگے بڑھ کر پھر اسے دبوچ لیا۔ کہنے لگا۔ "چلو چیخنا شروع کر دو۔ میں تو لوگوں سے کہوں گا کہ تمہاری ماں نے مجھ سے لاکھوں روپے لے کر مجھ سے تمہارا سودا کیا تھا۔ آج تمہاری ماں کا کچا چٹھا سب کے سامنے آ جائے گا۔"

وہ ایک دم سے چپ ہو گئی تھی۔ اس کے سامنے ماں کی زندگی کی ایک نئی کتاب کھل گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی چیخ و پکار سن کر محلے والے آئیں اور ماں کی اس کھلی ہوئی کتاب کو پڑھیں۔ وہ خاموش رہ کر جدوجہد کرنے لگی۔ خود کو اس سے چھڑانے کی کوششیں کرنے لگی۔

وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ "مان جاؤ۔ راضی خوشی سودا کرو۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ اچانک ہی اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ اس کی کنپٹی پر ایک زبردست گھونسہ پڑا تھا۔ گرفت ڈھیلی ہوئی تھی۔ پنکی نے اس سے نجات پا کر دیکھا۔ سامنے شنکر بھاٹیہ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اس کی گردن دبوچ کر کہا۔ "ابے گھونچو! کچھ کرنے سے پہلے دروازے کو تو اندر سے بند کرنا چاہئے۔ کیا اسے باپ کا مال سمجھ کر لوٹنے آیا ہے؟"

اس نے اس کے منہ پر دوسرا گھونسہ مارا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "مجھے کیوں مارتے ہو؟ اس کی ماں نے مرنے سے پہلے اسے میرے پاس بیچ دیا تھا۔"

پنکی نے کہا۔ "یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے میرے پاپا نہیں ہیں۔ ہم بے شرمی سے زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ کتا نہیں جانتا۔ میرے پاپا میرے لئے لاکھوں روپے بھیجتے رہتے ہیں۔ وہ بہت بڑے آدمی ہیں۔"

بھاٹیہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "زیادہ مت بولو۔ میں جانتا ہوں۔ تمہارا باپ بہت پہنچا ہوا ہے۔"

بھاٹیہ نے اس شخص کو ایک لات مارتے ہوئے کہا۔ "ابے چل! بھاگ یہاں سے۔ میرے دوست کی بیٹی کو اپنے باپ کا مال سمجھ کر آیا تھا۔ پھر ادھر آئے گا تو گولی مار دوں گا۔"

وہ فرش پر سے اٹھ کر بھاگتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ پنکی نے پوچھا۔ "آپ میرے پاپا کے دوست ہیں؟"

"دوست ہوں اور دوست کے کام آ رہا ہوں۔ وہ ایک جگہ چھپا ہوا ہے اور دشمن اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ تم اس کی بہت بڑی کمزوری ہو۔ وہ تمہیں اغوا کر کے تمہارے پاپا کو سامنے آنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم ان کی چال کو ناکام بنا دیں گے۔ میرے یار کبیر نے کہا ہے کہ میں تمہیں یہاں نہ رہنے دوں کسی ایسی جگہ پہنچا دوں جہاں دشمن تمہیں ڈھونڈ نہ سکیں۔"

وہ ندامت سے سر جھکا کر بولی۔ "میں نے پاپا کو بہت دکھ دیئے ہیں۔ وہ مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتے رہے اور میں اپنی نفرت سے انہیں چھلنی کرتی رہی۔ وہ میری ہی وجہ

سے قتل اور خونریزی پر مجبور ہو گئے ہیں۔ میں مانتی ہوں' دشمن مجھے مصیبتوں میں ڈال کر انہیں سامنے آنے پر مجبور کر دیں گے پھر انہیں گولی مار دیں گے۔"

بھاشیہ نے کہا۔ "تم بہت سمجھدار ہو۔ فوراً اس مکان کو لاک کرو اور میرے ساتھ چلو۔"

وہ ایک ہینڈ بیگ میں ضروری سامان رکھتے ہوئے بولی۔ "میں راستے میں وکی سے ملتی جاؤں گی۔ اسے تمام حالات بتاؤں گی۔ ورنہ وہ مجھے یہاں نہ پاکر بہت پریشان ہوگا۔"

"تم وکی کی چنتا نہ کرو۔ تمہارے پاپا نے کہا ہے کہ تم جہاں رہو گی' وہاں وہ وکی کو لے کر تم سے ملنے آئیں گے۔"

وہ ہینڈ بیگ لے کر اس کے ساتھ مکان سے باہر آئی۔ دروازے کو مقفل کیا۔ سامنے ایک وین کھڑی ہوئی تھی۔ بھاشیہ نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ وہاں آکر بیٹھ گئی۔ اسے اغوا کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ انجانے میں اپنی مرضی سے اغوا ہو رہی تھی۔

شنکر بھاشیہ گاڑی اسٹارٹ کرکے اسے ڈرائیو کرتا ہوا ایک طرف جانے لگا۔ شہر سے باہر جاتے وقت موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کرکے کان میں لگایا۔ ایک ہاتھ سے ڈرائیو کرتا ہوا بولا۔ "ہیلو!"

"ہیلو میں کبیر بول رہا ہوں۔"

"بڑے ٹھیک وقت پر بول رہے ہو۔ تم نے پوچھا تھا میں کب تک کوٹھی کے اندر چھپا رہوں گا۔ میں نے کہا تھا جلد ہی باہر آرہا ہوں۔ ہم میں سے جو پہلے کسی کو دیکھ لے گا' وہی پہلی گولی چلائے گا اور وہی میدان مارے گا۔ تمہارے لئے ایک بری خبر ہے۔ میں میدان مارنے کا بندوبست کر چکا ہوں۔"

کبیر نے کہا۔ "اور میں نے قسم کھائی تھی کہ تم منتری پانڈے کی کوٹھی سے نکلنے کے بعد پھر زندہ واپس نہیں جاؤ گے۔ پرسوں میری بیٹی کی شادی ہے۔ اس سے پہلے مجھے تمہاری چتا جلانی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تم میرے لئے چتا کی لکڑیاں جمع کرتے رہو گے۔ میں تمہارے لئے تابوت تیار کر چکا ہوں۔ تمہیں ایک آواز سنانا چاہتا ہوں۔ اسے سنتے ہی تمہارے

پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی۔"

"آواز نہ سناؤ۔ سنے بغیر ہی یقین کر رہا ہوں کہ تم میری بیٹی کو لے جا رہے ہو۔"

بھاشیہ نے چونک کر پوچھا۔ "کیا؟ تم کیسے جانتے ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں۔"

"تم نے پچھلی بار فون پر کہا تھا' منتری پانڈے کی کوٹھی سے باہر آنے والے ہو۔ تب سے میں اس کوٹھی کی نگرانی کرتا رہا ہوں۔ تم وہاں سے ایک وین میں بیٹھ کر آئے ہو۔ پہلے تم میرے ہونے والے داماد وکی کی دکان پر گئے تھے۔ وہاں وکی نہیں تھا پھر تم میری بیٹی کے پاس گئے تھے۔"

"تم مجھے پچھلے تین گھنٹوں سے دیکھ رہے ہو اور مجھ پر گولی نہیں چلا رہے ہو۔ تعجب ہے' میں تمہاری بیٹی کو اغوا کر رہا ہوں اور تم مجھے نہیں روک رہے ہو۔"

"بھاشیہ! تمہاری قسمت اچھی ہے۔ اور کچھ دیر جی لو۔ دراصل میرے ریوالور کا سائلنسر کہیں گر گیا ہے۔ میں منتری پانڈے کی کوٹھی کے سامنے یا شہر میں کہیں بھی تم پر گولی چلاتا تو گرفتار ہو سکتا تھا۔ اب میری مراد پوری ہو رہی ہے۔ تم شہر سے دور نکل آئے ہو۔ اور آگے آؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

پنکی فون پر ہونے والی گفتگو کو نہیں سمجھ رہی تھی۔ جب بھاشیہ نے کھل کر کہا کہ بیٹی کو اغوا کر رہا ہے۔ تب اس نے چونک کر پوچھا۔ "آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟ کس کی بیٹی کو اغوا کر رہے ہیں؟ گاڑی روکیں۔ میں کہتی ہوں گاڑی روکیں۔"

بھاشیہ نے خطرہ محسوس کرتے ہی گاڑی روک دی۔ پنکی دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتی تھی۔ اس نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے فون پر کہا۔ "تم کہاں ہو؟ کیسے جانتے ہو کہ میں تمہاری بیٹی کو شہر سے باہر لے جا رہا ہوں۔"

"جب تم نے گاڑی روک دی ہے تو پھر باہر نکل آؤ۔ آگے پیچھے دور تک دیکھو۔ تم نے کہا تھا' ہمارے درمیان آنکھ مچولی کا کھیل ہو رہا ہے۔ ہم میں سے جو پہلے ٹارگٹ کو دیکھ لے گا' وہی پہلی گولی چلائے گا۔ وہی میدان مارے گا۔ باہر نکلو اور دیکھو کہ ہم میں سے کون پہلے کس کو دیکھتا ہے اور پہلے گولی چلاتا ہے۔ کم آن' موت کا کھیل شروع کرو۔"

اس نے پریشان ہو کر ونڈ اسکرین کے پار دور تک دیکھا پھر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں فون تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے پنکی کو چھوڑ کر ریوالور نکال لیا

پھر اس نے چونک کر پچھلی سیٹوں کی طرف دیکھا۔ وہ ان سیٹوں کے درمیان چھپ سکتا تھا۔ وہاں سے اپنے موبائل کے ذریعے بول سکتا تھا۔

اس نے للکار کر کہا۔ "میں تمہاری بیٹی کو گولی مار دوں گا۔ تمہاری چالاکی سمجھ گیا ہوں۔ تم میری ہی گاڑی کے اندر ان سیٹوں کے پیچھے ہو۔ ریوالور پھینک کر دونوں ہاتھ اٹھا کر پیچھے سے نکلو۔"

"دشمن پیچھے سے آتے ہیں۔ موت سامنے سے آتی ہے۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔"

اس نے سامنے ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ اسی لمحے ٹھائیں کی آواز کے ساتھ گولی اس کے بازو میں آ کر لگی۔ ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ اس نے ریوالور اٹھانے کے لئے جھکتے ہوئے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کبیر کا سر اور ریوالور والا ہاتھ نظر آ رہا تھا۔ وہ گاڑی کی چھت پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ بھاٹیہ نے زخمی ہونے کے باوجود جھک کر ریوالور کو اٹھایا مگر سیدھا نہ ہو سکا۔ وہ زندگی میں سیدھا کب تھا' جو اب ہو جاتا۔ دوسری گولی اس کے سر میں لگی۔ وہ سیٹ اور اسٹیئرنگ کے درمیان پھنس کر تڑپنے لگا۔ پنکی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ وہاں سے بھاگ کر ذرا دور ہو گئی پھر پلٹ کر دیکھا۔ اس کا باپ چھت پر سے کود کر نیچے آیا۔ اس نے گاڑی کے اندر جھک کر بھاٹیہ کے جسم کو جھنجھوڑ کر اس کی موت کا یقین کیا پھر پلٹ کر بیٹی کو دیکھا۔

بیٹی کو ایسا لگا جیسے بارہ برس کی عمر میں بچھڑنے کے بعد پہلی بار باپ کو دیکھ رہی ہو۔ اب سے پہلے اندھی تھی۔ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ صرف آنکھوں سے دیکھو تو رشتے پہچانے نہیں جاتے' دل سے سمجھنا پڑتا ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر باپ سے لپٹ گئی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆======☆======☆

دھیرج لال چوپڑا نے بڑی رازداری سے اس چاقو کو فنگر پرنٹ کے ماہر کے حوالے کیا تھا۔ دوپہر کو منتری پانڈے اس سے ملاقات کرنے آیا تو اسے ٹھنڈا مشروب پلایا گیا۔ اس نے پینے کے بعد گلاس کو ایک طرف رکھا۔ اس کی لاعلمی میں گلاس کو اٹھا کر فنگر پرنٹ کے ماہر کے پاس پہنچا دیا گیا۔ پانڈے کسی سیاسی معاملے میں گفتگو کرنے آیا تھا۔ چوپڑا

نے کہا۔ "میں راج نیتک معاملات میں گفتگو نہیں کروں گا۔ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا ہے۔"

"پریسانی کیا ہے۔ ہم سے بولو۔ ہم تمری الجھن دور کروں گا۔ ہم کس دن کے لئے ہوں۔"

چوپڑا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "میرے سپنوں میں سونالی آتی ہے۔ آہ میری سونالی!"

"آہ میری بھابی ماں! ہم کو بھی تمری بہوت یاد آتی ہے۔ چوپڑا صبر کرو۔"

"کیسے صبر کروں؟ پرسوں رات بھی آئی تھی۔ کل رات بھی آئی تھی۔ بار بار یہی بولتی ہے کہ میری آستین میں سانپ ہے۔ مجھ کو ڈستا ہے اور مجھے پتہ نہیں چلتا۔"

اس نے چوپڑا کو گھبرا کر دیکھا پھر پوچھا۔ "آستین کا سانپ؟ ہمری بھابی ماں نے ایسا کہا ہے؟"

"انٹیلی جنس والے بھی یہی کہتے ہیں' وہ خونی میرے اپنوں ہی میں سے ہے۔ سونالی نے کہا ہے' وہ آج رات پھر میرے سپنے میں آئے گی اور مجھے بتائے گی کہ وہ چاقو کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سونالی کی آتما کو چھپے ہوئے چاقو کا پتہ کیسے چلے گا؟ اور وہ سسری آتما ہم کو آستین کا سانپ بول رہی ہے۔ یہ آتما واتما سب بکواس ہے۔ وہ سالی سونالی بڈھے چوپڑا کی کھوپڑی میں گھسی رہتی ہے۔ یہ الٹے سیدھے سپنے دیکھتا رہتا ہے۔"

چوپڑا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "تم پریشان ہو گئے ہو؟ تمہیں کیا پریشانی ہے؟"

"آں؟ نہیں۔ ہاں۔ پریسانی ہے۔ تمری پریسانی ہمری پریسانی ہے۔ ہم بھی بہوت کھوج لگا رہا ہوں۔ وہ کھونی اپنی ماں کے پیٹ میں جا کے چھپ گیا ہے۔ پکڑنے میں نہیں آ رہا ہے۔"

"میرے دوست پانڈے! تم چنتا مت کرو۔ اس خونی کو آج رات گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"آج رات؟ او آج رات گرپھتار ہو جائے گا؟ ای چمتکار کیسے ہو گا؟"

"پانڈے! آج میں پارٹی کے چند خاص ممبروں کے ساتھ تمہارے گھر آؤں گا۔"

امپورٹڈ وہسکی رکھنا۔ ہم خونی کی گرفتاری پر تمہارے ساتھ جشن منائیں گے۔"

"ہاں ہاں۔ جرور۔ تم بڑے دنوں کے بعد ہمرے گھر آؤ گے۔ ہم کو بہوت کھسی ہوگی۔ اچھا ہم چلتا ہوں۔ پارٹی کے کھاس لوگ بھی آئیں گے۔ ہم کھانے کا بندوبست کروں گا۔"

وہ مصافحہ کر کے چلا گیا۔ چوپڑا اس کی پریشانی اور گھبراہٹ کو بڑی حد تک سمجھ گیا تھا۔ اب اسے رپورٹ کا انتظار تھا۔ فنگر پرنٹ کے ماہر نے شام کو پانچ بجے آکر رپورٹ دی۔ "سر! مشروب کے گلاس پر منسٹر دھرمانند پانڈے کی انگلیوں کے جو نشانات ہیں' وہی نشانات چاقو کے دستے پر ہیں۔"

چوپڑا نے پوچھا۔ "تم نے توجہ اور ذمہ داری سے دونوں نشانات کا موازنہ کیا ہے؟"

"لیس سر! ڈیپارٹمنٹ میں میری ساکھ ہے' شہرت ہے۔ میں نے اس تحریری رپورٹ میں لکھا ہے کہ چاقو پر منسٹر دھرمانند پانڈے کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔ میری اس رپورٹ کو بھارت کی تمام عدالتوں میں تسلیم کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ ابھی اس بات کو راز میں رکھو۔ کسی سے اس رپورٹ کا ذکر نہ کرنا۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر چلا گیا۔ چوپڑا نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کئے پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "میں چوپڑا بول رہا ہوں۔ رپورٹ آگئی ہے۔ اپنے خاص لوگوں کے ساتھ چلے آؤ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ایک گھنٹے بعد اس کی سیاسی پارٹی کے پانچ نیتا آئے۔ اس نے پچھلی رات ہی دہلی میں ان پانچ نیتاؤں سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ ان سے کہا تھا۔ "میری دھرم پتنی کے قاتل کا سراغ ملنے والا ہے۔ وہ ہماری ہی پارٹی کا ایک خاص ممبر اور لیڈر ہے۔ میں ابھی نام نہیں بتاؤں گا۔ آپ پانچوں کل یہاں آ جائیں۔ اگر میرا شبہ درست ہوگا تو ہماری راج نیتک دل میں بھونچال آ جائے گا۔ شبہ غلط ہوگا تو اچھی بات ہے۔ آپ گنگا نہا کر دہلی واپس جائیں گے۔"

چوپڑا نے اپنے ڈرائنگ روم میں ان پانچوں کا استقبال کیا۔ پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے کہا۔ "چوپڑا صاحب! سونالی دیوی کی ہتیا نے ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اگر

ہتیارا پکڑا نہ گیا تو ہمارے بھی بیوی بچے محفوظ نہیں رہیں گے۔"

پارٹی کے خزانچی نے کہا۔ "میں تو یہی بولتا آ رہا ہوں' یہ اپوزیشن پارٹی کی بدمعاشی ہے۔"

"نہیں۔" چوپڑا نے کہا۔ "ہمارے دیس میں بم دھماکے ہوتے ہیں تو ہم جنتا کو جھوٹی تسلی دیتے ہیں کہ پڑوسی ملک پاکستان نے یہ دھماکے کرائے ہیں۔ میری دھرم پتنی کی ہتیا کے بارے میں یہ نہ بولو۔ یہ ہتیا اپوزیشن پارٹی نے نہیں کرائی ہے۔ ہتیارا ہماری ہی پارٹی میں ہے۔ ہماری ہی آستین میں چھپا ہوا ہے۔"

انہوں نے حیرانی اور بے یقینی سے چوپڑا کو دیکھا۔ وہ بڑے دکھ سے بولا۔ "میں نے اسے دوست سے بڑھ کر بھائی سمجھا۔ ایک منسٹر کی کرسی دی لیکن اس نے میری وفادار دھرم پتنی پر نیت خراب کی۔"

ایک نے کہا۔ "چھی چھی۔ وہ کمینہ کون ہے؟"

"دھرمانند پانڈے۔"

پانڈے کا نام سن کر سب ہی چونک گئے۔ کہنے لگے۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو دوست بن کر آپ کے قدموں میں جھکتا رہتا ہے۔"

"اس نے قدموں میں جھکتے جھکتے میری ٹانگ کھینچ لی ہے۔ یہ فنگر پرنٹ کی رپورٹ آگئی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق اس چاقو پر پانڈے کی انگلیوں کے نشانات ہیں' جس چاقو سے سونالی کو زخمی کیا گیا تھا۔ وہ کمینہ چاقو کی نوک پر میری سونالی کی عزت لوٹنا چاہتا تھا لیکن میری وفا کی دیوی نے جان دے دی' عزت نہیں دی۔"

وہ پانچوں اس رپورٹ کو پڑھنے لگے۔ چوپڑا نے وہ نکٹائی دکھا کر کہا۔ "یہ نکٹائی میں نے پانڈے کو دی تھی۔ وہ قتل کرنے کے بعد نکٹائی اور چاقو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔"

"آپ نے یہ چیزیں کہاں سے حاصل کی ہیں؟"

چوپڑا نے انہیں بتایا کہ واردات کی رات ایک چور وہاں چھپا ہوا تھا۔ اس چور نے وہ ثبوت اس کے پاس پہنچائے ہیں۔ اس چور کو نہ گرفتار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے چشم دید گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

اس نے کہا۔ "میں اس بات کا گواہ ہوں کہ یہ نکٹائی میں نے پانڈے کو دی تھی اور

وہ چاقو میرے بیڈروم میں رہا کرتا تھا۔"

جنرل سیکرٹری نے کہا۔ "یہ کوئی خاص اور غیر معمولی نکٹائی نہیں ہے۔ ایک عام نکٹائی ہے۔ کوئی بھی قاتل اسے پہن کر آیا ہوگا' اور ایسے چاقو بازار میں بہت مل جاتے ہیں۔ صرف ایک ہی بات پانڈے کے خلاف ہے کہ اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

چوپڑا نے کہا۔ "یہ ایک ثبوت ہی کافی ہے۔"

"کافی نہیں ہے۔ پانڈے کے لئے بچنے کی گنجائش ہے۔ وہ عدالت میں کہہ سکتا ہے کہ یہ چاقو اس کے گھر سے چرایا گیا ہے اور قتل کی واردات کے اتنے دنوں بعد سیاسی سازش کے تحت پیش کیا جا رہا ہے۔"

"کیسی سیاسی سازش؟" ایک نے پوچھا۔

"پانڈے بیان دے سکتا ہے کہ چوپڑا صاحب سے شدید سیاسی اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ کرسی چھوڑ کر دوسری سیاسی پارٹی میں جانا چاہتا تھا۔ اس لئے ہم اس پر مرڈر کا الزام لگا رہے ہیں۔ اس کا سیاسی کیریئر برباد کرنا چاہتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا۔ "پانڈے چالباز ہے۔ فوراً ہی پٹڑی بدلنا جانتا ہے۔ اس کا یہ بیان کیس کو کمزور بنا دے گا۔ اس کا وکیل صفائی بھی چالباز ہوگا۔ اس کی گردن پھنسنے نہیں دے گا۔"

"کیا آپ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں اپنی دھرم پتنی کے ہتیارے کے خلاف کوئی کارروائی نہ کروں؟"

"ہم پانڈے کی حمایت نہیں کر رہے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں ہے۔ اس نے ہماری دوستی اور اعتماد کے منہ پر جوتا مارا ہے۔ اس نے ایک عورت کی ہوس میں آپ کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اس سے آگے اونچی کرسی حاصل کرنے کے لئے پارٹی کے خلاف سازش کر سکتا ہے۔ گھر کا بھیدی بن کر دوسری پارٹی کا پلڑا بھاری کر سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے' اسے عدالت سے سزائے موت نہ ملے مگر اسے زندہ نہیں رہنا چاہئے۔"

چوپڑا نے کہا۔ "میرا خون کھول رہا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ہم خفیہ

معاملات میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ کیا آج آپ لوگ میرا ساتھ نہیں دیں گے؟"

"ضرور ساتھ دیں گے۔ ہمیں بتائیں' آپ کیا چاہتے ہیں؟ بڑی رازداری سے وہی کیا جائے گا۔"

اس نے کہا۔ "یہ کیس عدالت میں جا کر کمزور ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہماری پارٹی بدنام ہوگی۔ اپوزیشن والے مذاق اڑائیں گے کہ ہم اپنے ہی منسٹر پر جھوٹا الزام لگا رہے ہیں۔ وہ دشمن' پانڈے کے سب سے بڑے حمایتی بن جائیں گے۔"

"پھر یہ کہ الیکشن قریب ہیں۔ ہمیں اپنی کوئی کمزوری اپوزیشن والوں کے ہاتھوں میں نہیں دینا چاہئے۔"

چوپڑا نے کہا۔ "میں یہی کہہ رہا ہوں۔ یہ میرے گھر کا معاملہ ہے۔ ہماری پارٹی کے اندر کی کمزوری کو اندر ہی اندر ختم کر دینا چاہئے۔"

وہ سب ایک فیصلے پر متفق ہو گئے۔

دھرمانند پانڈے بڑی بے چینی سے چوپڑا کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس خونی کو آج رات گرفتار کر لیا جائے گا اور آج اس کے گھر امپورٹڈ وہسکی پی کر جشن منایا جائے گا۔

جب چوپڑا وہاں پہنچا تو پانڈے نے کہا۔ "یار چوپڑا! تم تو جشن منانے کے لئے بارات لے کر آئے ہو۔ آج ہماری پارٹی کے پانچ بڑے نیتا ہمرے گھر آئے ہیں۔ سواگتم۔"

کوٹھی کے باہر مسلح سیکورٹی گارڈز تھے۔ اندر کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ سب برسراقتدار پارٹی کے نیتا تھے۔ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر پانڈے کے ساتھ اندر آئے۔ اس نے چوپڑا سے پوچھا۔ "کیا وہ ہتیارا گرپھتار ہو گیا؟"

چوپڑا نے ایک چھوٹا سا بریف کیس سنٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اور اسے کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ مشکل کام ہو گیا۔ اس کے پاس سے یہ نکٹائی اور چاقو برآمد ہوا ہے۔"

اس نے پہلے نکٹائی دکھائی۔ ایک چاقو کو رومال سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے وہ چاقو' تم اسے اچھی طرح پہچانتے ہو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "ہم.......... ہم کیسے پہچانوں گا۔ ہم کو بھابی ماں کی سوگند

ہے..........."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے چوپڑا نے اس چاقو کو اس کے سینے میں گھونپ دیا۔ پیچھے ہٹ کر رومال کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پانڈے کے دیدے پھیل گئے تھے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھتا ہوا ایک صوفے سے ٹکرا کر گر پڑا۔

اس کوٹھی کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ دروازہ کھلنے پر یہ خبر پھیلی کہ انفارمیشن منسٹر دھرمانند پانڈے نے آتما ہتیا کی ہے۔ دوسرے دن اخبارات نے چیخ چیخ کر کہا کہ برسراقتدار پارٹی کے چھ بڑے نیتاؤں کے بیان کے مطابق منتری پانڈے ڈپریشن میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھی نیتاؤں کے سامنے اچانک ہی آتما ہتیا کی ہے۔ کوئی انہیں روک نہ سکا۔ لیبارٹری رپورٹ کے مطابق چاقو کے دستے پر منتری پانڈے کی انگلیوں کے نشانات تھے۔

اتوار کی صبح چرچ میں پنکی اور وکی کی شادی ہو گئی۔ کبیر نے انہیں دعائیں دیں۔ دیوار پر ایک بڑی سی مریم کی تصویر تھی۔ مریم نے ننھے عیسیٰ کو ممتا بھرے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ پنکی کو مریم کے چہرے پر اپنی ماں کا چہرہ دکھائی دیا۔ بعض مائیں اولاد کی آستینوں میں چھپنے کے باوجود مقدس ہوتی ہیں۔

چوپڑا رات کو پیتے وقت سونالی کی مسکراتی ہوئی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ اتنی عقیدت سے دیکھ رہا تھا جیسے پوجا کر رہا ہو۔ بعض بیویاں آستینوں میں چھپنے کے باوجود وفا کی دیوی کہلاتی ہیں۔

☆======ختم شد======☆